http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

WWW.PAKSOCIETY.COM

® Scanned PDF By HAMEEDI

کیسے ہیں؟''

انکا نے میرے بارے میں بتایا ہوگا۔ آنند لال نے دفعتاً مڑ کر دیکھا اور وہیں سے سرپٹ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔ ''میں نے انکا حاصل کر لی ہے۔'' وہ اچھل کر بولا۔ ''بھگوان جانتا ہے کہ میں نے یہ جاپ تمہارے لیے کیا ہے۔''

میں اس وقت آنند لال کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ انکا چالیس دن پہلے ہی میرے پاس آ چکی تھی، جب میں نے ہر چرن کو مار دیا تھا۔ میں نے احسان مندی کے جذبے سے اس کی پشت تھپتھپائی۔ پھر ہم تینوں گلبرگہ شہر کی حدود میں داخل ہو گئے۔

''میرے سر پر ایک بوجھ ہے مہاراج! آپ اس بوجھ کے عادی ہیں۔ اسے میری طرف سے اپنے سیوک کا دان سمجھئے۔ میں انکا کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔'' آنند لال نے چلتے چلتے نیازمندی سے کہا۔

''رہنے دو آنند لال! انکا تمہارے پاس ہے تو گویا میرے پاس ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''مہاراج! اسے میری طرف سے سویکار کیجئے۔ میں انکا سے دستبردار ہوتا ہوں۔'' پھر اس نے انکا سے کہا۔ ''میں نے تمہیں آزاد کیا اور جمیل احمد خان کو دان کیا۔ تم آج سے ان کے اشاروں پر چلا کرو گی۔''

انکا فوراً میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے سید غوث کے پاس بھیج دیا کیوں کہ وہ انکا سے بہت لطف لیتا تھا۔ میں آنند لال کو بھی رکن الدین کی حویلی میں لے آیا اور وہ اس شب ہماری محفل میں اس طرح شریک ہوا جیسے وہ کوئی گیانی دھیانی پنڈت نہیں ہے بلکہ ایک عام آدمی ہے۔ آنند لال کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ میں نے رکن الدین سے کہہ کے اس کے لئے لباس منگوایا۔ رات کا کھانا ہم سب نے ساتھ کھایا۔ پارسی نوجوان سہراب بھی ہمارے ساتھ تھا۔ رکن الدین کی حویلی کسی جشن کا منظر پیش کر رہی تھی۔ جب اتنے بہت سے لوگ فرش پر کھانے کے لئے بیٹھے تو رکن الدین کے پُرمسرت چہرے کی حالت دیدنی تھی۔ وہ میرے مہمانوں کی گراں باری خندہ پیشانی سے جھیل رہا تھا۔ مجھے فکر اور تردد کی کوئی لکیر اس کے ماتھے پر نظر نہیں آئی۔ چچا جان، میری بہنیں اور بھائی، پریم کے والد، پریم، سہراب، سید غوث، مالا، آنند لال، رکن الدین کا خاندان، اچھی خاصی بستی آباد ہو گئی تھی۔ صرف میرا دل آباد نہیں تھا۔

میں اپنی داستان اور مختصر کرتا ہوں۔ وہ فروری کا مہینہ تھا، گلابی جاڑوں کا موسم۔ یوں بھی جنوب کے موسموں میں شدت نہیں ہوتی۔ فروری کے وسط میں، میں نے ایک ساتھ چار شادیوں کا اعلان کیا۔ یہ مہلت صرف ایک ہفتے کی تھی۔ آنند لال میرے اعلان پر ہکا بکا رہ گیا۔ میری ...

سے۔ پریم، سہراب سے۔ تزئین، سید غوث اور جمیلہ (ناہید) میرے چچازاد بھائی سے منسوب کر دی گئی ہیں اور ان کی شادیاں چودھویں کی رات ۱۵ فروری کو رکن الدین کی حویلی میں ہوں گی اور شادی کے بعد چچا جان اپنی بہو جمیلہ کو لکھنؤ لے جائیں گے، پریم سہراب کے ساتھ بمبئی چلی جائے گی۔ سید غوث کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ گلبرگہ میں رہے یا حیدرآباد میں یا پریم کے گھر میں یا پھر آنند لال اور مالا کے گھر، دونوں گھر موجود ہیں۔

میرا اعلان سن کے انکا نے میرے سر پر اچھل کے تالیاں بجائیں۔ میں نے تخلیے میں رکن الدین سے شادی کے اخراجات کے معاملے میں بات کرنی چاہی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رکن الدین نے یہ بات آگے بڑھنے ہی نہیں دی۔ صاف صاف انکار کر دیا۔ اس نے ناگواری سے کہا۔ ''خان صاحب! چاروں میری بچیاں ہیں، میں ہی ان کے جہیز کا انتظام کروں گا۔''

میں شادیوں میں سادگی کا قائل تھا لیکن رکن الدین دھوم دھام سے انہیں رخصت کرنے کی فکر میں تھا۔ رکن الدین کے اس احسان عظیم کا بدلہ میں نے کسی اور طرح اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور تنگ آ کر اس سے کہا۔ ''بھائی جس طرح چاہو کرو۔''

دوسری صبح زور و شور سے شادیوں کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سہراب اپنی برات لانے کے لئے بمبئی چلا گیا۔ سنار بلوائے گئے اور ایک ساتھ تمام زیورات کے چار چار سیٹ تیار کرائے گئے، ملبوسات، فرنیچر اور خانہ داری کی ہر چیز میں رکن الدین نے یکسانی کا خیال رکھا تھا۔ لڑکیاں اب زنان خانے میں بند رہتی تھیں۔ روزانہ کوئی نہ کوئی رسم ادا ہوتی تھی، باجے، گاجے، گیت۔ میں ان رسوم اور شادی کی تیاریوں میں پوری طرح اپنا اشتیاق ظاہر کر رہا تھا لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میرے جسم میں کیسی آگ لگ رہی تھی۔ البتہ سید غوث کچھ کچھ جانتا تھا اور کرید کرید کر میرے زخم بھرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ادھر کلدیپ ویرانے میں بیٹھی جاپ کر رہی ہوگی ادھر تزئین کے ہاتھوں پر مہندی لگ رہی ہے۔ وہ پہاڑی پر اکیلی ہے اور یہاں ہر سمت، ہر جہت ایک دنیا آباد ہے۔

آنند لال کا بھی دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی طرف سے تمام انتظامات رکن الدین اور سید غوث کر رہے تھے، عجیب چہل پہل تھی۔ شادی کی تیاریوں میں روز و شب اڑے جا رہے تھے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ کب صبح ہوئی، کب شام بس وہ سعد ساعتیں چپکے سے آ گئیں جب رکن الدین کی حویلی روشنیوں میں نہا گئی اور گیتوں کی لے میں سوز کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اپنی زندگی کا ایک باب بند ہوتا نظر آیا۔ انکا کے لئے یہ تمام ہنگامے بے پناہ دلچسپی کا باعث تھے، بار بار میرے سر سے اتر جاتی تھی اور اِدھر اُدھر پھدکتی پھرتی تھی۔ کبھی گیت سن رہی ہے، کبھی ملبوسات پر نظریں جمائے ہوئے ہے اور کبھی ... غوث کے سر پر ناچنا اس کا کام

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

رہ گیا تھا۔ انکا کا پُراسرار وجود جو ہر ماہ انسانی خون کی غذا طلب کرتا تھا، انسانوں کی خوشیوں میں اس طرح شریک تھا جیسے وہ انہی میں سے ایک ہو۔

میں بھی ان دنوں خود کو بدلا بدلا محسوس کرتا تھا۔ میں نے سید کی تلاش میں گلی کوچوں کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ میں نے ارتکاز میں کوئی لحہ کھپایا۔ میں ان دنوں مسلسل جاگتا رہا اور زندگی کو قریب سے دیکھتا رہا، زندگی جو مجھ سے روٹھ گئی تھی اور جسے بدری نرائن نے مجھ سے چھین لیا تھا۔ بس ایک ہی بوجھ اتارنا رہ گیا تھا۔

اس دن رکن الدین کی حویلی میں چار دولہا اور چار دلہنیں سجیں۔ پریم کی شادی دو طریقوں سے انجام پائی۔ پہلے ہندو طریقے سے، پھر بمبئی پہنچ کے پارسی طریقے سے۔ آنند لال اور مالا کو منڈپ میں بٹھایا گیا اور ہندو پنڈتوں نے ان کے پھیرے لگوائے، پھر ناہید کا نکاح ہوا اور سب سے بعد میں تزئین کا نکاح پڑھایا گیا اسی شب رکن الدین نے ایک شان دار ضیافت کا اہتمام کیا اور میں نے پریم، مالا، تزئین اور جمیلہ کو گلے لگا لگا کر رخصت کیا۔ رکن الدین کی حویلی کے مختلف کمرے حجلہ ہائے عروسی کے طور پر سجا دیے گئے تھے۔ یہ ایک دلخراش اور جاں کاہ منظر تھا۔ میں اس رات حویلی میں نہیں سویا۔ باہر نکل گیا اور گلبرگہ کی گلیوں میں بے مقصد گھومتا رہا۔ حضرت گیسو درازؒ کی درگاہ قریب ہی تھی۔ دل چاہا وہاں چلا جاؤں۔ پھر سوچا کسی کا ہاتھ تھامے بغیر کیسے جاؤں؟ ستانے کے لئے ایک جگہ بیٹھ گیا، آج تھکن کا احساس کچھ سوا ہو گیا تھا۔

میں بیٹھے بیٹھے ماضی میں پہنچ گیا اور اس وقت چونکا جب کسی نے میری پشت پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔ میں کراہ کر اٹھا۔ میرے سامنے سید مجذوب کھڑا تھا۔ میں نے اس بار کسی تجسس اور تڑپ کا اظہار نہیں کیا۔ صرف سر جھکا لیا۔

”کیا سوچتا ہے دیوانے؟“ سید نے ہنکاری بھری۔

”کچھ نہیں سوچتا ہوں، اب کیا رہ گیا ہے؟“ میں نے آہستگی سے کہا۔

”ورزش کر اور دوبارہ دوڑ لگا۔“ سید نے قہقہہ لگایا۔

”اب پیروں میں دم نہیں رہا، برف جم گئی ہے۔“

”انگیٹھی جلا اور شعلوں کے سامنے ناچا کر۔“

”مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟“ میں نے سرد مہری سے کہا۔ ”منزلیں کھو گئی ہیں، تم ملتے ہو تو اور تنگ کر دیتے ہو، یہ کیا مذاق ہے؟“

”ڈگڈگی بجا، جنتر منتر، چھو منتر، کوٹھے پر چڑھ جا۔ نیچے طغیانی ہے، مسخرے اس وقت اور مزہ آئے گا۔“ سید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جاؤ۔ اپنا راستہ سنبھالو۔ میرا کھیل ختم ہونے کو ہے۔“

”ابھی تو شروع ہوا ہے گندم کے محتاج! جسم کا برتن مانجھ۔“

”برتن ٹوٹ گیا ہے۔“ میں نے بے دلی سے کہا۔

”قلابازی کھا۔ ڈال ڈال، پات پات۔“ سید مجذوب اس طرح کے معنی خیز جملے ادا کرتا رہا۔ آخر میں نے کچھ پوچھنا ہی بند کر دیا۔ میں سر جھکائے سید کے جانے کا منتظر رہا۔ آج سید کی باتیں بھی مجھے بری لگ رہی تھیں۔ رات ڈھل رہی تھی۔ سید میرے خاموش ہوتے ہی چلا گیا۔ وہ چلتے چلتے کہہ گیا تھا۔

”مٹی میں سر دے کے الٹا کھڑا ہو جا، یا ہو، یا حق۔“

اس کے جانے کے بعد میں ڈگمگاتا ہوا اٹھا اور زمین پر گرتے گرتے بچا۔ میری ساری توانائی جیسے زائل ہو گئی تھی۔ میں نے بہ مشکل خود کو چلایا اور لڑھکتا ہوا رکن الدین کی حویلی میں داخل ہو گیا۔ حویلی کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ پڑ گیا۔ انکا شام ہی سے میرے سر پر نہیں تھی۔

تیسرے دن رکن الدین کی بھری پُری حویلی اجاڑ ہو گئی۔ تزئین، سید غوث، پریم، سہراب، آنند لال اور مالا بمبئی روانہ ہو گئے اور چچا جان اپنی بہو اور بیٹے کے ساتھ لکھنؤ چلے گئے۔ سب نے مجھے ساتھ چلنے کے لئے مجبور کیا لیکن میں رکن الدین کی حویلی ہی میں ٹھہرا رہا۔ حویلی کے در بام رو رہے تھے۔ رکن الدین کا ہمیشہ مسکراتا ہوا چہرہ بھی اداس ہو گیا تھا۔ یہ لوگ چلے گئے تو میں اپنے کمرے میں گوشہ نشین ہو گیا۔ اب رکن الدین کی حویلی کی طرح میرا دل بھی ویران تھا۔ انکا موجود تھی لیکن میری حالت دیکھ کر وہ بھی خاموش تھی۔

میں کوئی ایک ہفتے تک کسمپرسی کے عالم میں گرفتار رہا اور پھر ایک رات رکن الدین سے کچھ کہے بغیر گلبرگہ سے روانہ ہو گیا۔ میں اگر رکن الدین سے کہتا تو وہ مجھے کبھی اجازت نہ دیتا۔ کسی نہ کسی طرح روک ہی لیتا۔

میری منزل کہاں تھی، میری کوئی منزل نہیں تھی۔ میرے سر پر انکا تھی۔ میرے اردگرد زندگی تھی۔ میں نندا کی تربیت اور اپنی ریاضت اور اپنے ارتکاز کے سبب ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ میں نے انکا سے پوچھا۔ ”کچھ بتاؤ تو بدری نرائن کہاں ہے؟“

”الہ آباد میں ہے۔“ اس نے کہا۔

میں الہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں انکا نے مجھ سے کہا۔ ”اب اس طرف جانا بے کار ہے۔ وہ بنارس چلا گیا ہے۔“

میں بنارس کی طرف چل پڑا۔ بنارس پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ پٹنے کی طرف فرار ہو گیا۔ میں پٹنہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کی طرف چلا گیا۔ پھر لکھنؤ آ گیا اور لکھنؤ آیا تو میری نظر نواب جن علی کی بڑی حویلی کی طرف اٹھ گئی جہاں زرافشاں اور درخشاں رہتی تھیں۔

نواب جن علی کی حویلی اجڑ چکی تھی۔

اب وہاں نہ دربانوں کی بھیڑ تھی اور نہ امارت و حشمت کے نظارے۔ وہ ایک اداس حویلی تھی۔ دیواروں کا پلاستر جگہ جگہ سے ادھڑ چکا تھا اور برجیوں کے کلس زنگ آلود ہو چکے تھے۔ سارا باغ خشک ہو چکا تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ میرے قدم خود بخود حویلی کی جانب اٹھ گئے۔

انکا نے میرے سر پر کسمسانا شروع کر دیا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ ''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' اس نے اضطراب سے پوچھا۔

''یہ جگہ پہچانتی ہو، یہ جن علی کی جاگیر ہے۔ اسے دیکھ کر گزرے ہوئے دن یاد آ رہے ہیں۔ تم نے ایک بار بتایا تھا کہ جن علی کی بہنیں زرافشاں اور درخشاں بے حد حسین ہیں۔''

''مجھے سب کچھ یاد ہے لیکن تمہارا مقصد محض گزرے ہوئے دن یاد کرنا ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اندر جانے کا ارادہ ہے تو اپنا ارادہ بدل دو۔ اندر وہی لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے بھی تمہارا راستہ روکا تھا۔''

''کون؟'' میں نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے وہ جن! ہاں یاد آیا۔ اس نے میرا راستہ روک دیا تھا اور تم نے بھی منع کیا تھا کہ آگے جانے کے بجائے واپسی بہتر ہے۔''

''وہ اب بھی وہیں ہے اور اب بھی صورت حال میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔'' انکا نے تشویش سے کہا۔ ''اب بات دوسری ہے، جب جھگڑے چکانے کا وقت آیا ہے تو یہ معاملہ ادھورا کیوں چھوڑا جائے ہمیشہ سینے پر بار رہے گا۔ اس عاشق سے، جن سے ملاقات ہو جائے گی اور زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔''

''میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔''

''کیوں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''تمہارے لیے اس میں خطرے نظر آتے ہیں۔ آخر تم دوبارہ ان چکروں میں کہاں پڑ گئے؟ جن علی نے اپنے کیے کی سزا پا لی ہے، تم اشارہ کرو تو میں دنیا بھر کی حسین ترین لڑکیاں تمہارے قدموں میں ڈال دوں۔ زرافشاں اور درخشاں کا خیال چھوڑ دو تو بہتر ہے۔''

''تم مجھے منع کر کے اور زیادہ اکسا رہی ہو۔''

''بدری نرائن لکھنؤ سے فرار ہو کر پونا پہنچ گیا ہے۔ تمہیں اس کا تعاقب کرنا ہے۔ جب تک تم اس سے نمٹ نہیں لو گے، کوئی فیصلہ صحیح نہیں کر سکو گے۔ کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کرو، آگے بڑھنے کا خیال چھوڑ

دو۔''

''کیا تم سمجھتی وہ شہزادہ اب بھی مجھ پر حاوی آ جائے گا؟''

''تم میری نظر میں خود ایک شہزادے ہو لیکن جمیل! جھگڑے کا ایک لمبا سلسلہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور تمہیں مزید الجھنے کے بجائے سکون کی ضرورت ہے۔'' انکا نے میرے سر پر اپنے پنجے چبھوتے ہوئے کہا۔ ''وہ لڑکیاں مظلوم ہیں، انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''اخلاق کا درس تم دے رہی ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''انسانوں کے خون پر زندہ رہنے والا ایک شریر ہیولا۔''

''میں تمہیں اندر جانے سے روکنا چاہتی ہوں۔''

''میں اندر جانا چاہتا ہوں مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ خوف میری ضد ہے۔'' میں نے حویلی کے عقبی دروازے کی جانب جاتے ہوئے کہا۔

''میرا مشورہ یہی ہے، آگے تمہاری مرضی۔''

''تم کیوں گھبراتی ہو؟ ایسے کھیل تماشے تو تمہارے لیے دلچسپی کا سبب رہے ہیں، تم خاموش بیٹھی رہنا۔''

''آگے کا راستہ بند ملے گا۔''

میں حویلی میں داخل ہو گیا۔ اب وہاں ملازموں کی وہ فوج نہیں تھی جو ایک زمانے میں نظر آتی تھی۔ حویلی اندر سے اور بھی شکستہ ہو گئی تھی۔ مجھے دور تک کسی نے نہیں روکا حالانکہ دو چار ملازموں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ انکا کی نظریں در و بام پر پھسل رہی تھیں۔ میں حویلی کا احاطہ عبور کر کے بے جھجک عمارت میں داخل ہو گیا بڑے ہال میں بھی ویرانی تھی۔ کبھی یہ کمرا جھاڑ فانوس اور قالین سے مرصع تھا۔ نچلی منزل پر کوئی نہیں رہتا تھا۔ تمام کمروں کے تالے بند تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کی کھڑکیاں، عرصے سے بند ہیں۔ سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے مجھے دو ایک ملازموں نے ٹوکا ضرور لیکن وہ مجھے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انہیں ہموار کرنا میرے لیے کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا۔ میں ان چھوٹے موٹے واقعات سے گریز کرتا ہوں۔ سیڑھیاں عبور کر کے میں غلام گردش میں آ گیا۔ یہاں کی سجاوٹ زندگی کے اثرات کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے ایک ایسے کمرے میں جھانکنا شروع کیا؛ ایک کمرا اوپر واقع تھا جس میں سے نسوانی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اوپر چڑھنا شروع کیا لیکن حسب سابق کسی نے میرا راستہ روک لیا اور اپنا سرد ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ مجھے جیسے مجہول شخص نے بجلی کی سی تیزی سے اچھل کر اپنا توازن برقرار کیا اور پلٹ کے دیکھا لیکن غلام گردش بدستور سنسان تھی۔ ابھی میں اپنی خفیہ طاقتیں آزمانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''آپ پھر آ گئے۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''کون ہے؟ سامنے تو آیئے، کیا وہی محافظ خاص ہیں؟'' میں نے طنزاً پوچھا۔ ''اس بار میرا خیال ہے نظر ثانی کرنا پڑے گی۔''

''جس راستے سے آپ اوپر تشریف لائے ہیں، ازراہ کرم اسی راستے سے خاموشی کے ساتھ واپس چلے جایئے۔'' آواز میرے نزدیک ہی تھی۔

''جمیل!'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''واپس چلو، خواہ مخواہ مت الجھو۔''

''میں واپس بھی جاؤں گا لیکن اس طرح نہیں جیسے پہلے گیا تھا۔'' میں نے نادیدہ آواز کو مخاطب کیا۔ ''بہتر ہے تمہی راستہ چھوڑ دو۔''

''آپ کو ندامت ہوگی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ میں خاصا فرق ہو گیا ہے لیکن ہم یہاں کے محافظ ہیں۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔ ''ہماری درخواست ہے آپ واپس چلے جایئے۔''

''سامنے تو آیئے۔ یہ پردہ داری کیوں؟''

میں نے بائیں جانب گھوم کر دیکھا۔ مجھے وہاں ایک سایہ نظر آیا۔ ایک مرد کا سایہ جو دیکھتے دیکھتے ایک حسین و جمیل مرد کی صورت میں واضح ہو گیا۔ اس کے انداز میں شاہانہ جلال تھا۔ قدیم طرز کے لباس میں وہ بڑا پُر وقار معلوم ہو رہا تھا۔ میں اسے ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ جن تھا، وہ جن جو بن علی کی بہنوں پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ میرے اندر کا خوابیدہ شخص بیدار ہو گیا جو بڑا سرکش اور ضدی ہے۔ میں نے نوجوان جن کا بہ نظر غائر جائزہ لیا۔

''ہماری ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔'' وہ تمکنت سے بولا۔ ''اس وقت بھی ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں بن علی سے کوئی سروکار نہیں۔ اس نے آپ کے ساتھ ظلم کیا تھا۔ آپ نے اس کا بدلہ لے لیا لیکن زرافشاں، درخشاں آپ کے کسی معاملے میں ملوث نہیں ہیں۔ آپ ان سے دور رہیں تو مناسب ہوگا۔''

''مجھے ان سے صرف ملنے کی آرزو ہے۔ مجھے مہمان سمجھو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی گناہ ہے۔''

''ہمیں افسوس ہے آپ زنان خانے میں تشریف نہ لے جاسکیں گے۔ نچلی منزل خالی ہے۔ اگر آپ کا مقصد قیام کرنا ہے تو بسر و چشم، بے تکلف نچلی منزل استعمال کیجئے۔ ہم آپ کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔''

''جمیل!'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''تم بات بڑھا رہے ہو۔ جن اپنی برداری کے ساتھ رہتے ہیں، اسے تنہا نہ سمجھنا۔''

''آپ کو صحیح مشورہ دیا جا رہا ہے۔'' نوجوان جن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ صاحب کمال

شخص ہیں، یہ آپ کا منصب نہیں ہے۔''

''میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں، تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بصد شوق۔ رحیق۔'' اس نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔

''رحیق! مجھے نہیں معلوم تم جنوں کی کون سی برداری سے تعلق رکھتے ہو مگر تم کوئی پارسا جن نہیں ہو ورنہ نوجوان لڑکیوں کے لیے اتنے بے چین نہ ہوتے۔'' پھر میں نے پینترا بدل کر کہا۔ ''میرا خیال ہے ایک جن ہونے کی حیثیت سے تم میرے بارے میں بہت سی باتیں جانتے ہو گے کیونکہ تمہارا ادراک انسانوں کی فہم سے قوی ہوتا ہے۔ میں بظاہر ایک انسان ہوں مگر میرے ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی ہیں، ایک بار مجھے غور سے دیکھو۔''

''ہمیں افسوس ہے، ہم آخر وقت تک مزاحم ہوتے رہیں گے۔''

''اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔ میرے اندر شدت پیدا مت کرو۔''

''خواہ کچھ ہو، ہم مجبور ہیں۔''

''زرافشاں اور درخشاں کا تعلق ہم انسانوں سے ہے۔ تم کیوں درمیان میں ٹانگ اڑاتے ہو؟'' میں نے اس بار درشتی سے کہا۔

''ہمارا ان کا تعلق بہت پرانا ہے، آپ یہ بات سمجھنے کی کوشش کیجئے اور ازراہ کرم سوال و جواب سے گریز کیجئے۔ جو درخواست کی جا رہی ہے، اس پر توجہ دیجئے۔'' جن کے لہجے میں بھی سختی آ گئی۔

''تمہیں یاد ہوگا، میں نے اپنی ابتدائی ملاقات میں کہا تھا کہ ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی، سو میں آ گیا ہوں۔ میرے عزائم اتنے سخت نہیں تھے لیکن تم نے مجھے مشتعل کر دیا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''آپ ماحول ناخوش گوار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں مجبوراً آپ کے ساتھ الجھنا پڑے گا۔'' رحیق کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔

''مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا پھر کمرے کا بند دروازہ ہاتھ کے اشارے سے کھولنا چاہا لیکن اسی لمحے رحیق نے دور کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ دراز کر کے میری کلائی پر اپنی گرفت جماتے ہوئے کہا۔ ''ہم آپ کو آخری بار تنبیہہ کرتے ہیں۔ یہاں سے چپ چاپ واپس چلے جایئے۔''

ممکن ہے رحیق کی شائستہ باتوں سے میں کوئی اور فیصلہ کر لیتا لیکن جب اس نے میری کلائی پر ہاتھ رکھا تو مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ مجھے شدید توہین کا احساس ہوا۔ میں نے جسم کی تمام قوت سمیٹ کر نگاہوں میں کھینچ لی اور شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ رحیق نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی ابھریں۔ ''رحیق! وہ زمانہ اور تھا۔ گرتی ہوئی دیوار کے نیچے مت آؤ ورنہ کچلے جاؤ گے۔'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

انکا خاموش تماشائی کی حیثیت سے میرے سر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ رحیق اپنا ہاتھ مسل رہا تھا۔ میں نے اس کا جسم اپنے بازوؤں میں لینا چاہا تو وہ اچانک میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں نے دو نادیدہ ہاتھ اپنی گردن پر محسوس کیے جو میرا گلا دبانے کے لئے اپنا حلقہ تنگ کر رہے تھے۔ میں نے فوری طور پر حرکت کی، ایک کراہ کے ساتھ مجھے نادیدہ ہاتھوں سے نجات مل گئی۔ لیکن اب میرا غصہ شباب پر تھا۔ میں کافی دنوں سے بدری نرائن کا تعاقب کرتے کرتے جھنجلایا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر میں نے بند دروازے پر لات رسید کی اور تیزی سے دروازہ دوبارہ بند کر لیا۔ اندر کمرے میں دو حسین اور سہمے ہوئے چہرے تھے جن کے بدن سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، وہ حسن کے عجیب پیکر تھے۔ یہ زرافشاں اور درخشاں تھیں۔ خوف زدگی میں وہ اور حسین لگ رہی تھیں۔ ایک نامحرم کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ سسک پڑیں۔

میری آنکھیں ان کے حسن و جمال کی ضیا پاشی سے خیرہ ہو گئی تھیں۔ انکا بھی انہیں پرکھ رہی تھی۔ دفعتاً رحیق نے میرے منہ پر ایک زور کا طمانچہ رسید کیا۔ ساتھ ہی اس کی سخت آواز گونجی۔ ”یہ گستاخ نظریں نیچی کر لیجئے جمیل احمد خان صاحب! دیکھئے ہم آپ سے کہے دیتے ہیں، مان جائیے۔ ہم یہ آنکھیں پھوڑ دیں گے۔“

”بزدل!“ میں نے تلملا کر کہا۔ ”مجھے کچھ زیادہ ہی تیرا خیال رکھنا پڑے گا۔ سامنے آ اور اگر نہیں آتا تو یہ مت سمجھ کہ میری آنکھیں صرف اس کمرے کی مادی چیزیں دیکھ سکتی ہیں۔ میں اپنی تمام تر باطنی صفات سے کام نہیں لے رہا ہوں۔“

رحیق از خود سامنے آ گیا۔ اس کا چہرہ کرب اور رنج میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ متضاد کیفیتوں میں مبتلا نظر آتا تھا۔ اس نے ہن علی کی ہراساں بہنوں کو ہاتھ کے اشارے سے تسلی دی پھر میری طرف متوجہ ہو کر اس نے اتنی سرعت سے ہاتھ گھمایا کہ میں دھوکا کھا گیا۔ وہ مجھ سے چار گز دور تھا لیکن اس کا ہاتھ اچانک دراز ہو کر اتنی شدت سے میری کنپٹی پر پڑا کہ میں تیورا کر الٹ گیا۔ اس کے سرد ہاتھوں میں فولاد کی سی سختی تھی۔ اس بار مجھے خیال آیا۔ ”جمیل احمد خان! تمہارا مقابلہ ایک جن سے ہے، کسی سادھو یا پنڈت سے نہیں۔“ اتنا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نوجوان کو اجنہ میں کوئی خاص درجہ یا بڑائی حاصل نہیں ہے تاہم وہ ایک جن تھا۔ جنہیں بعض اعتبارات سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اور پہلی بار میرا مقابلہ ایک جن سے ہو رہا تھا۔ ایک جن جو حسن کے آنگن میں پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو جمع کیا۔ میں نے خود کو صرف اس کی طرف مرکوز کر دیا۔ اب میں ایک دیوار تھا، لوہے کی دیوار۔ میں نے خود کو حصار میں لے لیا تھا۔ رحیق نے پھر ہاتھ گھمایا لیکن اس بار اس کا ہاتھ آگے نہ بڑھ سکا، رک گیا۔ میں سنبھل کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رحیق نے حصار کی بندش مضبوط دیکھ کر زور سے میری طرف پھونک ماری۔ وہ بینائی ختم

کرنے والی پھونک بھی حصار سے ٹکرا کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔

”تم نے مدافعت شروع کر دی ہے۔“ وہ شدت سے بولا۔ ”حصار سے باہر نکل کر دیکھو۔ تم یہاں سے کچھ کھو کر واپس جاؤ گے۔“

”جمیل! خبردار!“ انکا نے میرے بال پکڑ لیے۔ ”حصار مت توڑنا۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔“

”بہتر ہے کہ تو خاموش بیٹھی رہے۔“ رحیق میرے سر کی جانب دیکھ کر چلایا۔ ”جمیل احمد خان! ہم اسے پکڑ لیں گے۔“

میں نے احتیاط کے طور پر یہی مناسب سمجھا کہ حصار ہی میں رہوں۔ زرافشاں اور درخشاں ایک دوسرے سے لپٹی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے رحیق کو کمرے سے بے دخل کرنے اور قابو میں کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ میں رحیق کو بند کر دینا چاہتا تھا۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ حویلی میں اس کے کچھ ساتھی موجود ہیں۔ رحیق کے بچ نکلنے کی صورت میں میرے لیے پریشانی بڑھ سکتی ہے اور اسے زچ کرنے کی صورت میں اس کی پوری برداری کے دوسرے جن بھی محتاط ہو جاتے۔ ایک جن کو زیر کرنا مشکل کام ہوتا ہے، اس کا اندازہ مجھے پہلے نہیں تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے باندھنے کا فیصلہ کیا لیکن ناکامی ہوئی۔ رحیق انکا سے الجھ گیا تھا۔ اچانک وہ فرش پر لرزنے لگا۔ میرا دوسرا عمل کارگر ہوا تھا۔ میں نے اس کے گرد بھی حصار قائم کر دیا تھا۔ اب وہ اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ وہ بے بس ہو گیا تھا، جیسے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ غیظ و غضب میں وہ چیخنے لگا۔ ”جمیل احمد خان!“ اس نے غصے سے کہا۔ ”اگر تم نے کسی بے ہودگی کا مظاہرہ کیا تو ہم تمہیں زندگی بھر نہیں چھوڑیں گے۔“

میں نے رحیق کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اپنے حصار سے باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا۔ اگر میں نے اپنے عمل کا سلسلہ ختم کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ پھر شاید میں اسے اتنی آسانی سے دوبارہ ایک جگہ مقید نہیں رکھ سکتا تھا چنانچہ میں اپنا عمل پڑھتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ سامنے آتش دان پر شیشے کی ایک خوبصورت صراحی میں کوئی شربت رکھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا جن کو بوتل میں بند کرنے کا قصہ بہت سنا ہے، آج اس مشتعل مزاج نوجوان جن کو بند کر دیا جائے لیکن قصے کہانی کی بات آزمانے کا موقع نہیں تھا۔ میں کمرے کا جائزہ لینے لگا، اس بڑے کمرے سے ملحق ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جو اسٹور کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اس میں کوئی کھڑکی، کوئی روزن نہیں تھا۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ کوٹھری کا جائزہ لے کر آئے۔ انکا لمحوں میں آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں آہستہ آہستہ رحیق کے حصار کے نزدیک پہنچ گیا اور اچک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دیدنی سے نادیدنی ہو گیا، البتہ وہ اپنا ہاتھ میری گرفت سے چھڑا نہیں سکا۔ ایک ثانیے میں اس کا ہاتھ سکڑ کر کسی دھاگے کے برابر ہو گیا لیکن

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے اسے نہیں چھوڑا میں اسے کھینچ کر کوٹھری کے قریب لے آیا۔ وہ چلا رہا تھا اور متواتر مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔ میں اپنے عمل میں اتنا مصروف تھا کہ میں نے اس کے ہذیان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ کوٹھری کے کھلے دروازے سے اسے گزار کر میں خود بھی اندر پہنچ گیا اور اسے وہاں مقید کرنے کے لئے اپنی ساری خفتہ صلاحیتیں بروئے کار لایا۔ وہ ابھی تک اپنا ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا لیکن وہ جمیل احمد خان سے معرکہ آرا تھا۔ پھر اس کی کوشش میں ضعف آنے لگا اور میں مطمئن ہو کر باہر آ گیا۔ میں نے کوٹھری بند کر دی اور باہر سے اس پر اپنی انگلیاں پھیر کر جکڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ باہر نہیں آ سکتا۔

پھر میں نے بڑے کمرے میں آ کر سارے روشن دان، کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے اور کمرا آسانی کے ساتھ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اب میں بے فکر تھا، یہ کمرا میری دست برد میں تھا اور دو حسین لڑکیاں جمیل احمد خان جیسے وحشی شخص کو درندگی پر اکسا رہی تھیں۔ یہ ہبن علی کی بہنیں تھیں، جس نے میری بہن رخسانہ کو اغوا کیا تھا۔ وہ دیوار سے چپکی کھڑی تھیں۔ انکا حیرت اور دلچسپی سے کبھی میری طرف نظر کرتی اور کبھی ان کے بسمل سراپا دیکھتی تھی۔ رحیق کو زچ کرنے کے باوجود میرے خون کی گردش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ایک زمانے بعد، ایک طویل مدت بعد، اس وقت جب انکا کے سوا کوئی چارہ گر نہ تھا۔ مجھ پر میرے نفس کا غلبہ ہونے لگا۔ نالکھ آشرم میں مالا کی قربت میں ایسے ہی جذبے ابھرے تھے۔ ان کی تڑپ، ان کا خوف۔ ان کا لرزہ مجھے انہیں اذیت دینے پر مائل کر رہا تھا۔ میں تبت کا نندا کے استھان کا کوئی شخص نہیں رہا۔

"تم زرافشاں کے سر پر جاؤ انکا!" میں نے نشے کی کیفیت میں کہا۔ "میں درخشاں کو دیکھتا ہوں۔" مجھے معلوم نہیں تھا ان میں کوئی درخشاں ہے اور کوئی زرافشاں؟ دونوں کے انتخاب کا مرحلہ در پیش ہوتا تو انتخاب مشکل ہو جاتا لیکن جب انکا زرافشاں کے سر پر پہنچی تو مجھے ان کے نام معلوم ہو گئے۔ مجھے کلدیپ یاد آ گئی اور میں نے کسی سے کہا۔ 'لو دیکھ لو۔ میری نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ میں اپنا زوال خود کر رہا ہوں، یہ میری شکست کی ابتدا ہے۔" میں چاہتا تو ان دونوں لڑکیوں کو پکڑ کر بازار حسن لے جاتا اور کسی صاحب نظر طوائف کی نذر کر دیتا۔ میں درخشاں کی طرف مستانہ وار آگے بڑھا تو وہ لرزہ براندام ہو گئی۔

"ہم بے قصور ہیں جمیل احمد خان صاحب! ہمیں معاف کر دیجئے۔ نواب بھائی نے آپ کے ساتھ جو ظلم کیے ہیں، انہیں اب تک ان کی سزا مل رہی ہے۔ وہ عرصے تک جیل میں رہے اور اب پاگلوں کی طرح نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارے تمام اعزا بھی ہم سے ترک تعلق کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یقین کیجئے ہم نے گزشتہ کئی سال بڑی اذیت میں گزارے ہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب آپ ہم سے ہماری متاع عزیز بھی چھین لینا چاہتے ہیں؟"

درخشاں فریاد کرنے لگی۔

"آپ تو بڑی دلکش باتیں کرتی ہیں، یہ نفیس گفتگو، یہ خوب صورت انداز، یہ حسین چہرہ، آپ نے اپنے بھائی کی کوئی تربیت نہیں کی۔ اس حویلی کے تہ خانے میں وہ لکھنؤ کے شرفا کی بیٹیوں کی عصمتیں اپنے شہدوں کے ذریعے لوٹتا رہا ہے۔"

"ہم اپنے بڑے بھائی کے معاملات میں کس طرح دخل اندازی کر سکتے تھے؟ ہم تو ان کے سامنے شرم سے بول بھی نہیں سکتے تھے۔" درخشاں نے رقت انگیز انداز میں کہا۔

"آپ جانتی ہیں، میں کیوں یہاں آیا ہوں؟" میں نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ از راہ کرم مجھ سے تعاون کیجئے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے آپ کے شہزادے رحیق کو اندر کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔ ممکن ہے اس دوران میں تم نے میرے بارے میں کچھ سنا بھی ہو۔ میں جس بات کا عہد کر لیتا ہوں، اسے ضرور پورا کرتا ہوں، میں نے اپنی بہن رخسانہ کے اغوا پر جو عہد کیا تھا، اس میں ترمیم کر دی ہے۔ اسے آپ رعایت سمجھئے۔ اب میں آپ کو بالا خانے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں صرف آپ کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے قریب آنا چاہتا ہوں۔ یقیناً میں اس شہزادے جن سے کہیں بہتر ہوں جسے آپ کا التفات حاصل ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ بڑی فیاضی کی ہے۔ کچھ ادھر بھی نظر عنایت ہو جائے۔ اب تک آپ کسی نواب کی حویلی میں سج جانا چاہیے تھا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اسی جن نے آپ کو اداس تنہا اور ویران رکھا۔ شاید میرے لیے۔"

وہ زار و قطار رونے لگی۔ "وہ ہمارے محسن ہیں۔ نواب بھائی کا ستارہ جب سے گردش میں آیا ہے انہوں نے ہی تو سہارا دیا ہے، آپ ہماری ناکردہ خطائیں معاف کر دیجئے۔ ہم آپ کے پیر پکڑتے ہیں۔ ہم آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ ہم بے قصور ہیں، ہمیں برباد نہ کیجئے۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"دیوانی مت بنئے آپی جان!" زرافشاں، درخشاں سے بولی۔ زرافشاں اس وقت انکا کے زیر اثر تھی۔ "جمیل احمد خان صاحب بہت پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ ان کی چشم کرم ہو گی تو ہم زندگی بھر عیش کریں گے، آپ کو اپنی قسمت پر رشک کرنا چاہئے۔"

"زری!" درخشاں ہکا بکا ہو کر تیزی سے بولی۔ "کیسی بے غیرتی کی باتیں کرتی ہو، تمہارا دماغ ٹھکانے ہے؟ ہم موت کو ترجیح دیں گے، ہم مر جائیں گے مگر اپنی آبرو کی آخری دم تک حفاظت کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ جمیل احمد خان صاحب اپنا ارادہ بدل دیں گے۔ وہ دو نہتی لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، انہیں غصہ ہے مگر وہ ہماری مظلومیت پر ضرور ترس کھائیں گے۔"

"آپ کی آبرو!" میں نے قہقہہ لگایا۔ "آپ کی آبرو ایک نامحرم جن کی موجودگی میں؟ میں آپ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کو بتاؤں کہ آپ کی باتیں، آپ کی فریادیں میرا اشوق اور فزوں کر رہی ہیں۔"

"ہم کیا کریں؟" وہ ہکلا کر بولی۔ "ہم کہاں جائیں؟"

"آپ ہماری آغوش میں آ جائیں۔"

وہ تیزی سے میرے پیروں پر گر گئی۔ اس نے اپنا سرخ و سفید چہرہ میرے قدموں پر مارنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے بڑی نفاست سے اٹھایا۔ اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ وہ ماہ جبین تھی، وہ ایک شہزادی تھی۔ شہزادی رو رہی تھی۔ یہ سوگوار حسن، یہ دل فریب بدن، اس کا دوپٹا ڈھلک گیا تھا۔ دریائے حسن ایک ایسے شخص کے سامنے تھا جو مدت سے پیاسا تھا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا۔

"آپ اس قدر کیوں رو رہی ہیں؟"

وہ تڑپ کر مجھ سے دور چلی گئی اور وہاں اس نے اپنا سر دیواروں سے پھوڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں مت چھوئیے، ہم مر جائیں گے۔ ہم مر جائیں گے۔ ہم اپنی جان لے لیں گے، ہم سے دور رہیے۔"

میں اسے سمجھانے کے لئے آگے بڑھا اور اسی عرصے میں زرافشاں نے ایک بار پھر اسے آمادہ کرنا چاہا۔ میں ایک کتا تھا، میں اس پر جھپٹا۔ وہ پھر بھاگ گئی۔ ان نے اپنی مسہری کے قریب رکھا ہوا گل دان پوری طاقت سے میرے سر پر دے مارا۔ میں اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ گلدان میرے ماتھے پر لگا اور خون پھوٹ پڑا۔ خون سے میری آنکھیں اور میرا چہرہ تر ہو گیا۔ اس نے مجھے زخمی کر دیا تھا اور فرش اور دیواریں بھی خون آلود ہو گئیں۔ پھر مجھے کیا ہوا؟ میں اندھا ہو گیا اور میں نے سارے کمرے میں اس پر جھپٹنا شروع کر دیا۔ دیوانگی کے اس دورے پر انکا بھی انگشت بدنداں تھی۔ وہ زرافشاں کے سر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ درخشاں نے دیواروں میں، گوشوں میں، مسہری کے نیچے چھپنا چاہا لیکن آخر میں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں یہ ناگفتی واقعہ مزید بیان نہیں کر سکتا۔ درخشاں کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کی رنگت۔ پھر میں نے انکا کو آواز دے کر زرافشاں کو بھی قریب بلا لیا۔ پھر جب اس کی سسکیاں اور آہیں بھی ختم ہو گئیں اور جب کچھ نہ رہا تو مجھے ہوش آیا۔ وہ دونوں سکتے کی حالت میں مسہری پر پڑی تھیں۔ میں نے کمرے پر حقارت کی نظر ڈالی اور دروازہ کھول دیا۔

جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، اوندھے منہ راہداری میں گرا۔ بہت سے لوگوں نے مجھ پر ایک ساتھ وار کیا تھا مگر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا لیکن وہاں کوئی ایک ہاتھ نہیں تھا، متعدد ہاتھ تھے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی انہوں نے مجھ پر پے در پے حملے کیے اور مجھے کسی لمحے سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ میرے ماتھے سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا، میرے سارے کپڑے تار تار ہونے لگے اور بدن پر جگہ جگہ خراشیں پڑ گئیں۔ میں نے اس یلغار میں کسی نہ کسی طرح اپنے حواس جمع کیے اور خود حفاظتی کا ایک آزمودہ عمل پڑھا۔ ضربیں اچانک بند ہو گئیں۔ میرے اشتعال کا عالم عجیب تھا۔ میں نے ایک لمحاتی

مراقبہ کر کے انہیں دیکھنے کی قوت پیدا کی یا وہ خود ہی اپنے خط و خال کے ساتھ مجھ پر آشکار ہو گئے۔ وہ قدیم لباس پہنے ہوئے کئی نوجوان جن تھے۔ میں نے انہیں ڈانٹا۔ "کم بختو! تم نے کس شخص پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہارے لیے عذاب بن جاؤں گا۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی انگلی کو جنبش دی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور ایک ثانیے میں غائب ہو گئے۔

میرا لباس اور چہرہ خون میں لت پت تھا لیکن میں حویلی سے فوراً باہر نکل جانا چاہتا تھا، عمارت عبور کر کے میں باغ میں آ گیا۔ وہاں صرف چند ملازم رہ گئے تھے۔ ایک ملازم کے سر پر انکا کو بھیج کر میں نے لباس تو تبدیل کر ہی لیا اور کسی نہ کسی طرح حویلی سے باہر آ گیا۔ سڑک پر دور تک پیدل چلتا رہا۔ انکا خاموش بیٹھی تھی۔ میں چچا جان کے گھر جانے کے بجائے ہوٹل میں ٹھہر گیا تھا اور جب بازار میں نکلا تھا تو ہبن علی کی حویلی کی طرف نظر اٹھ گئی تھی۔ درخشاں اور زرافشاں ایسی لڑکیاں تھیں کہ لوگ ان کے خواب دیکھا کرتے تھے مگر مجھ پر سرشاری کی کیفیت تھوڑی دیر ہی قائم رہی۔ رحیق کے ساتھی نوجوان جنوں نے جس انداز سے مجھ پر یلغار کی تھی اسے میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہی سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ انکا بہت دیر بعد مخل ہوئی۔ "ماتھے کی چوٹ کیسی ہے جمیل؟"

"ٹھیک ہے انکا!" میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ میں نے آج تک تمہیں اتنا سخت دل نہیں دیکھا تھا۔" انکا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا تمہیں برا لگا؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"نہیں، اچھا برا لگنے کی حس تو مجھ میں تمہاری وجہ سے ہے۔ تمہیں اچھا لگا تو مجھے بھی ٹھیک ہی لگا۔"

"درخشاں، زرافشاں ایسی لڑکیاں تھیں کہ ان کے ساتھ عمر بھر رہا جا سکتا تھا۔ ایک بار میرے دل میں آیا کہ میں ان میں سے کسی ایک کو عمر بھر کے لئے کیوں نہ ساتھ رکھ لیا جائے لیکن پھر سوچا، جب کلدیپ ہی نے چھوڑ دیا تو اب دوبارہ یہ خیال ہی دل میں لانا بے سود ہے کہ اپنا گھر کبھی بس جائے گا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مجھے جلد ہی مر جانا چاہیے" میں نے مایوس ہو کر کہا۔

"زندگی بہت رنگین ہے بشرطیکہ تم اسے مراقبے، ارتکاز اور ضبط نفس کے زاویوں سے نہ دیکھو۔ اب تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ بدری نرائن تم سے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے اور پنڈت پجاری بھی مسلسل ہزیمت سے تنگ آ گئے ہیں۔ تم چاہو تو بہت سلیقے سے دوبارہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کہو تو میں تمہارے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈ دوں، کہو تو درخشاں ہی کو گھر میں لے آیا جائے؟"

"بے وقوف! تم مجھے مشورے دے رہی ہو؟ میں درخشاں کو تمہارے ذریعے آسانی سے زیر کر سکتا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھا اور میں ان دونوں کو اپنی طاقت سے بے بس کرسکتا تھا، وہ زبان تک نہیں ہلا سکتی تھیں۔ میں انہیں ساتھ بھی لا سکتا تھا مگر میں نے یہ کیوں نہیں کیا؟ مجھے اب آنے والے دنوں کا یقین نہیں رہا ہے۔"

"تم نے جنوں کو بھی اپنا دشمن بنالیا اور آتے وقت تم اتنے مدہوش تھے کہ تمہیں اس کوٹھری کا بھی خیال نہیں رہا جس میں تم نے رحیق کو بند کیا تھا۔"

"جن بھی اپنے حوصلے آزما کر دیکھ لیں۔ میں نے انہیں پرکھ لیا تھا۔ ان میں کوئی معزز جن نہیں ہے۔ سب لونڈے لپاڑے ہیں۔ وہ رحیق تو نمبر ایک شہدا ہے۔" میں نے تنک کر کہا۔

"پھر بھی ان سے کسی ردِ عمل کی توقع نہ کرنا حماقت ہوگی۔"

"ردِ عمل تو میں بھی ظاہر کرسکتا ہوں۔"

انکا کی عادت ہی حجت اور تکرار کی ہوگئی تھی۔ میں اس کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ اصل میں مجھے بہن علی کی حویلی کے جنوں کی کوئی فکر نہیں تھی، مجھے تو یہ فکر تھی کہ اب کیا کیا جائے؟ پونا چلا جائے جہاں انکا کی اطلاع کے مطابق بدری نرائن پہنچ گیا ہے اور اگر وہ پونا سے بھی فرار ہوگیا تو پھر میں کہاں کہاں جاؤں گا؟ وہ کبھی کسی مندر میں چھپ جاتا ہے، کبھی کسی بڑے پجاری کی پناہ میں چلا جاتا ہے۔ وہ مجھ سے ہمیشہ اتنی دور رہتا ہے کہ میں اس پر اپنی پُر اسرار طاقتوں کا جال پھیلانے میں کامیاب نہ ہوسکوں۔ زندگی کا واحد مقصد بدری نرائن کی بیخ کنی کرنا رہ گیا تھا۔ تقریباً تمام قرضے چکا دیئے گئے۔ کبھی کبھی میں سوچتا، بدری نرائن کا دم غنیمت ہے کہ زندگی میں یہ تھوڑی بہت حرارت باقی ہے، یہ قصہ ختم ہوگیا تو اس کے بعد کیا رہ جائے گا؟ ہاں آسانی سے موت آجائے گی۔ انکا نے مجھ سے چچا جان کے گھر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ ناہید بھی اب وہاں تھی۔ میں نے انکار کردیا۔ اس دن درخشاں اور زرافشاں میرے ذہن سے نہیں اترتی تھیں۔ ان سے سیراب ہوجانے کے باوجود ایک طرح کی تشنگی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے بادشاہ کے تخت پر کسی شخص کو بٹھانے کی حسرت پوری کی ہو اور اسے فوراً وہاں سے اٹھالیا ہو۔ ہوٹل میں آکر میں نے احتیاطاً امکانی خطرے کے پیش نظر اپنا کمرا محصور کرلیا اور اپنے ماتھے کا کوئی علاج نہیں کیا۔ زخم یوں ہی ٹھوکتا رہا۔ میں دوسرے دن صبح تک سوتا رہا۔ باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کئی بار ذہن ایک سمت مرکوز کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ جانے کیا کیا خیال آجاتے تھے اور مراقبے کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا۔ شاید میں دوبارہ اپنی خواہشوں کے نرغے میں گھر گیا تھا اور خود کو کھونے لگا تھا۔ ایسے ہی کسی موقع پر ایک عجیب سی خواہش ابھری تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے۔ اب بھی وہی حال تھا، جی چاہتا تھا کہ کوئی مجھے چابک سے مارے اور جسم میں سوئیاں چبھو چبھو کر لہولہان کردے۔ میرے منہ میں کوئی پانی بھی نہ ڈالے اور میرا جسم سڑکوں پر سڑتا رہے اور کوئی مجھ پر تھوکے بھی نہیں۔ صرف یہی دن نہیں، کئی دن ہوٹل میں پڑے پڑے ہوگئے۔ ایک شام انکا ناراض

ہونے لگی۔ اس نے مجھے اٹھایا۔ اسی وقت ہوٹل کا ایک بیرا مؤدب انداز میں ایک شیروانی رکھ گیا۔ انکا نے مجھ سے غسل کی درخواست کی۔ مجھے کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے، میں نے غسل کیا اور شیروانی پہن کر جب آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو مجھے احساس ہوا، یہ میں ہوں؟ ہاں یہ میں تھا، یہ جمیل احمد خان تھا، نیا لباس پہن کر کچھ تازگی کا احساس ہوا۔ میں نے انکا سے پوچھا۔ "کیا ارادہ ہے؟"

"اب تم خاموش رہو اور چپ چاپ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں بتاؤں گی کہ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اب بھی وہی رونق، وہی چہل پہل ہے۔ تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔" انکا نے ڈپٹ کر کہا۔ میں نے کسی بچے کی طرح ہوں کی اور اس کے ساتھ ہولیا۔

انکا نے ہوٹل سے نکل کر مجھے تانگے میں بٹھایا اور تانگے والے نے پوچھے بغیر مجھے بازار حسن میں اتار دیا۔ طبلے کی تھاپ اور سازوں کی گونج دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بازار میں واقعی بڑی چہل پہل تھی۔ میں حیرت سے زندگی دیکھنے لگا۔ مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہی گلوریاں، گلیوں میں مستاتے ہوئے بانکے، وہ سواریاں، جھروکے۔ کہیں سے کسی نغمے کی آواز آجاتی ہے۔ جب اشرفی بیگم کے کوٹھے کی طرف سے گزرا تو میری نسوں میں سردی سی دوڑ گئی۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ اب بھی آباد تھا۔ انکا مجھے بازار حسن میں یوں ہی گھماتی رہی اور گویا مجھے آمادہ کرتی رہی لیکن وہاں شاید مجھے کسی نے پہچان لیا۔ اچانک اس گلی میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے، میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ نے مجھے بڑا رسوا کیا تھا۔ میں نے دیکھا، جس جس مکان سے میں گزرتا، حسین چہرے دریچوں سے باہر جھانکتے اور دریچے بند ہوجاتے۔ بازار حسن کی اس گلی میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ تمام بالا خانے کے دروازے دیکھتے ہی دیکھتے بند کردیئے گئے۔ انکا نے یہ صورت حال دیکھی تو مجھے دوسری گلی کے ایک بالا خانے پر لے گئی۔ زینے پر قدم رکھتے ہی مغنیہ کی دلکش آواز سنائی دی۔ میں تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ اندر اور معززین بھی بیٹھے تھے۔ میں چپکے سے ایک کونے میں گاؤ تکیے سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ نائکا نے مجھے دیکھ لیا تھا اور مسکراہٹ سے میرا استقبال بھی کیا تھا۔ لڑکی جوان اور دلچسپ تھی۔ انداز میں شوخیاں تھیں۔ گانا بھی خاصا گا لیتی تھی۔ البتہ ناچ میں ماہر معلوم ہوتی تھی۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا۔

شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

تو مجھے اپنے ذہن کے تار جھنجھناتے سے محسوس ہوئے، وہ گاتی رہی اور میں خیالوں میں کہاں سے کہاں تک سفر کرتا رہا۔ موسیقی میں بھی کیا کمال ہوتا ہے۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ روشنیاں نظر آنے لگیں اور پردوں کے رنگ اور رقاصہ کے بدن کے پیچ و خم دکھائی دینے لگے۔ اس کے گھنگھرو دل میں جھنکار پیدا کرنے لگے۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"میرے پاس رقم نہیں ہے۔" میں نے انکا سے کہا۔

"ابھی انتظام ہوا جاتا ہے۔" انکا نے شوخی سے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر میں اپنے قریب رکھے ہوئے گاؤ تکیے کے پیچھے ہاتھ ڈالنا۔ وہاں تمہیں روپے رکھے ہوئے ملیں گے۔"

انکا اسی وقت میرے سر سے اتر گئی اور میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ادھیڑ شخص کو اپنے انگرکھے میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈی نکالتے دیکھا۔ اس نے بہت آہستگی سے نوٹ اپنے گدے کے پیچھے رکھ دیئے۔ میں نے انہیں اٹھالیا۔ ساتھ ہی انکا بھی میرے سر پر آ گئی۔ ادھیڑ عمر شخص کو کوئی خبر نہ تھی۔ روپے خرچ کرنے میں ایک لطف آتا ہے۔ میں نے نوٹوں کی گڈی کھول کر روپے برسانا شروع کیے تو مجھے بہت مزہ آیا۔ طوائف کا بار بار آنا اور میرے سامنے بیٹھ کر گانا، سارے بالا خانے کی توجہ میری طرف مرکوز ہو جانا اور نغمے میں کچھ اور سوز پیدا ہو جانا اور محفل پر کچھ اور شباب آ جانا۔ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ میں اس پر روپے نچھاور کرتا رہا اور وہ مجھ پر اپنی ادائیں لٹاتی رہی۔ معاً نائکہ کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے لڑکی کو کوئی مخصوص اشارہ کیا۔ لڑکی نے جیسے تیسے جلدی جلدی غزل ختم کی اور نائکہ نے بصد ادب حاضرین سے معذرت چاہی۔ "مجھے افسوس ہے یہ محفل جاری نہیں رہ سکتی۔ مجھے ابھی ابھی اپنے ایک عزیز کے سانحے کی خبر ملی ہے۔"

کسی شخص نے باہر سے آکر نائکہ کو میری موجودگی کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ تمام لوگ تاسف کے ساتھ اٹھ کر جانے لگے۔ میں بیٹھا رہا اور میرے سہارے میرے برابر بیٹھا ہوا شخص بھی جما رہا۔ "چلئے جناب!" اس نے مجھ سے شائستگی کے ساتھ کہا۔ "اب یہاں کیا رکھا ہے؟"

میں نے نائکہ کو مخاطب کیا۔ "گانا جاری رہنا چاہئے۔"

"آپ نے سنا نہیں حضرت' فرماتی ہیں کہ ان کے کسی عزیز کے ساتھ خدانخواستہ کوئی سانحہ ہو گیا ہے۔" ادھیڑ عمر شخص نے لقمہ دیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔" نائکہ نے ادب سے کہا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔" میں نے غصے سے کہا۔

"گانا جاری رکھو۔" نائکہ کانپنے لگی۔ "میں نے کچھ عرض کیا ہے۔"

"میں نے کوئی حکم دیا ہے۔ جب تم سب کچھ جانتی ہو تو انجان کیوں بن رہی ہو۔ یہاں کون تمہیں کھائے جا رہا ہے؟"

"گاؤ سمن۔ گاؤ اور ناچو بیٹی! اس کا دل خوش کرو۔" نائکہ نے خوف آمیز تلخی سے کہا۔

ادھیڑ عمر شخص میرے قریب کھسک آیا۔ "اجی حضرت! کمال کر دیا آپ نے۔ سمن کو دوبارہ گھنگھرو باندھنے پر مجبور کر دیا۔ کیا میں آپ سے متعارف ہو سکتا ہوں؟"

"میرا نام جمیل احمد خان ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"خاکسار کو سلامت جان کہتے ہیں۔" اس نے مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کیا بتاؤں حضرت! اس سانولی لڑکی کے نقش و نگار ایسے دلفریب ہیں اور ایسا کمال گاتی ہے کہ لکھنؤ چھوٹتا ہی نہیں۔ یہاں آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے، ویسے میرا تعلق حیدر آباد سے ہے، کبھی ادھر تشریف لانا ہو تو غریب خانے پر زحمت کیجئے۔ ویسے اللہ کا شکر ہے، آپ خوش ہوں گے۔ موسیقی، راگ رنگ اور ان ستم بروں کا میں بھی گھائل ہوں۔ آپ وہاں میرا انتخاب دیکھئے۔" اس نے ایک ہی سانس میں اتنی باتیں کہہ دیں۔

"شکریہ جناب! کبھی ادھر گزر ہوا تو ضرور آؤں گا۔"

"کیا جناب کا تعلق لکھنؤ سے ہے؟"

"میرا تعلق ہر جگہ سے ہے اور کہیں سے بھی نہیں ہے۔ میں ایک آوارہ آدمی ہوں، میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"واہ، کیا حسن ظن ہے۔ واللہ آپ بہت پُر لطف اور بذلہ سنج شخص معلوم ہوتے ہیں۔ اپنی بھی ساری عمر آوارہ گردی میں گزری ہے۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے......"

وہ آگے نہ کہہ سکا کیونکہ سمن نے ایک المیہ گیت شروع کر دیا تھا۔ اب اس کی شوخی رخصت ہو گئی تھی۔

"وہ کیا بات ہے جو اس لڑکی کو قیامت بنائے ہوئے ہے؟" سلامت جان نے مجھے ٹوکا۔ "کیا آپ اپنے تجربے سے کچھ بتا سکتے ہیں؟"

"وہ اس کی ادائیں ہیں، وہ اس کی آنکھ ہے، آپ اس سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اجی، کیا عرض کروں حضت! بات کچھ ایسی ہی ہے۔ میں اسے حیدر آباد لے جانا چاہتا ہوں مگر یہ قتالہ آمادہ ہی نہیں ہوتی۔ گائیکی کا جواب نہیں، نرت اور سُر تال میں بہت فٹ ہے، ادائیگی کا جواب نہیں لیکن واحسرت......" وہ سرد آہ بھر کر بولا۔

میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ وہ آ گئی' میں نے کہا۔ "سلامت جان صاحب کیا کہتے ہیں، کیا قیمت لگائی ہے آپ نے؟"

"جناب والا! اپنی تو یہی بہار ہے۔" اس نے مہذب انداز میں کہا۔ "فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"اگر قیمت مناسب مل جائے تو آپ کو انکار نہیں ہونا چاہیے، لڑکی عیش کرے گی۔" میں نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بارعب آواز میں کہا۔

لیکن نائکا خوب صورتی سے بات ٹالتی رہی اور سمن ناچتی رہی۔

"جناب میں ہر طرح کوشش کر چکا ہوں۔" سلامت جان نے کہا۔

"ہمیں بھی کر لینے دیجئے۔" میں نے کہا اور نائکا سے مخاطب ہوا۔ "ٹھیک ہے آپ کی مرضی، ہم جسے پسند کرتے ہیں اسے حاصل کرنا بھی جانتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آپ یہاں تشریف لایئے، سمن کا رقص دیکھئے، گانا سنئے۔ یہ بالا خانہ آپ جیسے صاحب ذوق حضرات ہی کے دم سے قائم ہے لیکن خدارا ہمارے بازو ہم سے مت چھینئے۔"

"جمیل میں چلی جاؤں؟" انکا نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا، نائکا اٹھنے کے لئے بے چین تھی۔ وہ کسی بہانے سے اٹھ گئی۔

سلامت جان نے کہا۔ "حضت! بڑی چلتا پرزہ ہوتی ہیں۔ پچاس ہزار کہہ دیجئے۔"

اسی دوران میں سمن نے بیزاری سے میری جانب دیکھا۔ وہ اسٹیج کی رقاصہ کی طرح ہم سے بے خبر ہو کر ناچ رہی تھی۔ میں نے زور سے کہا۔ "یہ کیا طریقہ ہے؟ یہ شرفا کی توہین ہے۔"

"جناب، لکھنؤ میں ایسا کبھی سنا یا دیکھا نہیں تھا۔" سلامت جان نے کہا۔ "آیئے کسی اور بالا خانے پر چلتے ہیں۔"

"ابھی بیٹھئے، کچھ دیر توقف کیجئے، مجھے ان لوگوں سے نمٹنا آتا ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم بھی اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں۔"

"میرا خیال ہے ایک خوب صورت شام برباد ہو رہی ہے۔ اس نے ناچ میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ہے اب ہمارا بیٹھنا بھی انہیں ناگوار ہے۔"

میں نے سلامت جان کی بات سنی اَن سنی کر کے سمن کی طرف گھور کر دیکھا۔ وہ اچانک دھڑام سے گری اور فرش پر لوٹنے لگی۔ اس کا منہ بند ہو گیا تھا۔ سازندے، طبلچی اور نائکا اس کی جانب دوڑ پڑے۔ سلامت جان نے آگے بڑھنا چاہا مگر میں نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔ "یہ کیا ہے حضت؟"

"آپ کے ساتھ جانے کی تیاری ہے، لڑکیاں ماں باپ سے وداع ہوتے وقت اتنی ہی پریشان ہوتی ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں، حضت، یہ تو کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

"پھڑک رہی ہے، آپ کو کیسی لگ رہی ہے؟" میں نے چٹکی لی۔

"جناب مجھے تو ہر حال میں اچھی لگتی ہے مگر اسے اچانک کیا ہو گیا ہے؟ ذرا دریافت حال کرتے

Downloaded from Paksociety.com

ہیں۔"

نائکا اور سازندے سمن کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے، انہوں نے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں پکڑ لی تھیں۔ وہ پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ اس کا منہ اس طرح بند تھا جیسے کسی نے سی دیا ہو۔ "کسی حکیم، ڈاکٹر کو بلاؤ۔" ایک سازندے نے کہا۔

"نہیں۔" نائکا نے چیخ کر کہا۔ وہ میرے پاس چلی آئی اور عاجزی سے بولی۔ "جناب، کیا ہم اپنی بچی کے لئے انکار کرنے کا حق بھی نہیں رکھتے؟"

"انکار تو آپ جب کریں جب آپ کو قیمت کم مل رہی ہو یا آپ بالا خانے پر نہ بیٹھی ہوں۔ ہم خریدار ہیں، آپ دکاندار۔ آپ کا کام بیچنا، ہمارا کام خریدنا ہے۔ آپ نے قیمت تو لگائی ہوئی ہوگی اپنے مال کی؟" میں نے اس سے صاف صاف کہا۔

"آپ ہمیں مجبور کر رہے ہیں۔" نائکا نے رقت سے کہا۔

"ہم آپ کو قیمت ادا کر رہے ہیں، پچاس ہزار روپے۔"

"ہم اس سے بھی زائد دے سکتے ہیں، ساٹھ ہزار۔" سلامت جان بولا۔

"لیجئے انہوں نے اور بڑھا دیا۔ اب تو آپ خوش ہو جایئے۔ ہماری طرف سے آپ کی مٹھائی کے لئے پانچ ہزار روپے اور......" نائکا کسی سوچ میں پڑ گئی، ادھر سمن اپنا سر پٹک رہی تھی۔

"ٹھیک ہے جناب۔ مگر میری بچی ....."

"اسے کیا ہو گیا ہے۔" میں نے اٹھ کر کہا اور سمن کے پاس جا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سمن نے اسی لمحے آنکھیں کھول دیں اور حیرانی سے سب کو دیکھنے لگی۔

"آپ تو مسیحا ہیں۔" سلامت جان خوشی سے اچھل رہا تھا۔

"آپ کے متعلق غلط نہیں سنا تھا۔" نائکا حیرت سے بولی۔

"آپ نے بھی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اچھا بی بی، ہم چلتے ہیں، کل سلامت جان آئیں گے، آپ سمن کو تیار رکھیے گا۔ حیدر آباد میں سلامت جان صاحب کی بہت بڑی جاگیر ہے۔ یہ لیجئے بیعانے کے روپے۔" میں نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کل..... ہاں، سرِ شام...... کل ہم حیدر آباد روانہ ہو جائیں گے۔ کل ہی آپ کو باقی رقم بھی ادا کر دی جائے گی۔" سلامت جان نے وفورِ مسرت سے کہا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔

میں اور سلامت جان ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ وہ بار بار میری صورت دیکھتا تھا اور ایسا وارفتہ وشیدا تھا کہ ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس رات ہم کسی دوسرے بالا خانے پر نہیں گئے۔ واپسی کے وقت راستے میں لوگوں نے انگلیاں اٹھا اٹھا کر میری طرف اشارے کیے تو سلامت جان دنگ رہ گیا۔ اس نے

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میرا سامان اٹھوا دیا اور اپنے ہوٹل لے گیا۔ وہ ہوٹل زیادہ پُرسکون علاقے میں واقع تھا۔ ہوٹل میں اس کے بڑے سلیپنگ سوٹ میں رات تنہا نہیں گزری۔ اس کا انتظام سلامت جان نے شاید پہلے ہی کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا، اس کے شب و روز اسی طرح گزرتے ہیں۔ جیسے ہی وہ ہوٹل میں آیا، اس کے اردگرد کمیشن ایجنٹوں کا جال سا بن گیا۔ میں دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ کھانا کھا کر ہم فارغ ہی ہوئے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے، بازارِ حسن کی باتیں کہ لڑکیاں ہمارے کمرے میں بھیج دی گئیں۔ سلامت جان نے ان کا گرمی جوشی سے استقبال کیا اور قرعہ ڈال کر کہنے لگا۔ "اب دیکھئے آپ کی قسمت میں کون سی لکھی ہے؟"

جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ سلامت جان ایک خوش باش اور مستانی طبیعت کا شخص ہے۔ وہ ثمن کے سودے پر ہر دسویں منٹ اتنا شکریہ ادا کرنے لگتا تھا کہ لکھنؤ کا سارا بازار حسن اس کی خدمت میں پیش کر دینے کو جی چاہنے لگا۔ نہ جانے اسے ثمن کی کون سی ادا بھا گئی تھی؟ رات کو ہم لوگ علیحدہ علیحدہ کمروں میں چلے گئے۔ میں نے اس لڑکی سے گفتگو شروع کر دی جو سلامت جان نے میرے نفس کی اطاعت کے لئے بھیجی تھی۔ وہ ایک سوگوار لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر غم لکھے ہوئے تھے اور آواز میں سوز تھا۔ رات گئے تک وہ مجھے اپنے بارے میں بتاتی رہی۔ صبح جب میرے کمرے سے رخصت ہوئی تو اس کے پاس پندرہ ہزار روپے تھے۔ روپے کا انتظام انکا نے کسی طرح کر دیا تھا۔ میں تو ساری رات اس سے باتیں کرتا اور متاثر ہوتا رہا۔ اسے روپوں کی سخت ضرورت تھی۔ یہی ضرورت اسے ایک شریف محلے سے اس خفیہ کاروبار تک کھینچ لائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بعد وہ کبھی لوگوں کے پہلو گرمانے نہیں آئے گی کیونکہ اس رقم سے اس کے مرحوم باپ کے سارے قرضے اترنے کے بعد اس کے بھائی بھی آسانی سے تعلیم پا سکتے تھے۔ صبح سلامت جان نے مجھ سے پوچھا۔ "کہئے حضت! رات کیسی گزری؟ قرعہ تو آپ کے نام اچھا ہی نکلا تھا۔"

"میری چھوڑو۔ اپنی سناؤ دوست۔ اپنی بات تو سمجھ میں خود نہیں آئی۔"

"بس حضرت گزر ہی گئی۔ ثمن کے تصور میں ایسا کھویا رہا کہ رات گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ آیئے ناشتا کریں۔" سلامت جان نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

میں ابھی کچھ دن اور لکھنؤ میں رہنا چاہتا تھا کیونکہ یہاں کے شب و روز اور پرانی یادوں میں ایک نئی لذت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نندا کے تربیت یافتہ شخص جمیل احمد خان کو سمجھانے لگا تھا کہ بس یہ صورت عارضی ہے۔ اصل چیز تو تزکیہ نفس ہے۔ اصل چیز تو وہی ہے۔ تھوڑی دیر اجازت دے۔ پھر تیرے ساتھ چلتا ہوا، ذرا یہ روشنیاں تو دیکھ لینے دے۔ نندا کا تربیت یافتہ جمیل احمد خان ایک مضبوط آدمی تھا۔ اس نے مجھے بڑی سرزنش کی، اس حد تک کہ میں اس سے..... نظریں چرانے لگا۔ شام کو ہم

ملبوس عطر لگائے اور گلوریاں چباتے بازارِ حسن میں داخل ہوئے۔ ثمن کے بالا خانے پر پہنچے تو میرے غصے کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا کہ تسلیم نائکا آج ہی لکھنؤ سے کہیں دور چلی گئی ہیں اور یہ بالا خانہ کسی اور کو کرائے پر دے گئی ہیں۔ سلامت جان بے حد خفیف ہوا۔ میں نے اسے وہیں بیٹھنے کو کہا۔ "ہمیں کل ہی اسے لے جانا چاہیے تھا۔ آہ کیسا نادر ہیرا ہاتھ سے نکل گیا۔" سلامت جان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

میں گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے نندا کے جمیل احمد خان کو آواز دی جو مجھ سے ناراض ہونے لگا تھا لیکن اسی وقت انکا نے مجھے بتایا کہ وہ یہیں لکھنؤ میں ہے مگر بازار حسن میں نہیں ہے بلکہ ایک ساہوکار کی حویلی میں پناہ گزین ہے جس سے اس نے پہلے ہی ثمن کو دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

"میں نے آج دوپہر ریل کی نشستیں بھی محفوظ کر لی تھیں۔ گاڑی جانے میں صرف دو گھنٹے ہیں۔ خیال تھا، یہیں سے اسٹیشن چلے جائیں گے۔ میرے دونوں ملازموں نے سامان اسٹیشن پہنچا دیا ہوگا۔" سلامت جان تلخی سے بولا۔ "آیئے جناب! ہم تنہا ہی چلتے ہیں۔ لکھنؤ پر لعنت۔"

"میں کہاں جاؤں؟" میں نے کہا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا کی قسم میں نے آپ کی نشست بھی محفوظ کرا لی ہے۔ چند دن آپ غریب خانے پر میرے مہمان رہیں گے۔ دیکھئے آپ انکار نہیں کریں گے۔" سلامت جان نے بچوں کی سی ضد کی۔

"مگر مجھے پونا جانا ہے اور نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں حضت! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے۔" سلامت جان نے اصرار کیا۔

"چلے چلو جمیل! کچھ دل بہل جائے گا۔ یہ شخص کچھ اچھا لگتا ہے۔" انکا نے بھی اس کی تائید کی۔

"مگر ہمیں تو پونا روانہ ہونا ہے انکا! کیا بدری نرائن کا قضیہ اسی طرح چھوڑ دیا جائے؟" میں نے برہمی سے کہا۔

"بدری نرائن کہاں جائے گا۔ ممکن ہے وہ ہماری عدم توجہی سے کوئی چوک کر بیٹھے اور ہم اسے کسی جگہ دھر لیں۔ میں اس پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہوں۔" انکا نے مچل کر کہا۔

انکا اور سلامت جان نے میرے لیے مفر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے، تمہاری مرضی یہی ہے تو میں حیدر آباد چلوں گا لیکن ثمن کو ساتھ لے کر۔"

"ثمن کا تو اب خیال چھوڑ دیجئے حضت!" سلامت جان نے مایوسی سے کہا۔ "وہ تو اپنی قسمت ہی میں نہیں تھی۔"

"ابھی گاڑی میں دو گھنٹے ہیں، کچھ دیر یہیں بیٹھ کر گزارتے ہیں میرے عزیز دوست! کیا مجھے کچھ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دیر خاموش رہنے کی اجازت ہے؟'' میں نے سلامت جان سے کہا۔

''بخوشی حضت!'' سلامت جان چپ ہو گیا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ماحول سے بے نیاز ہو گیا۔ پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آیئے اسٹیشن چلتے ہیں۔'' ساتھ ہی میں نے انکا کو اپنے سر سے رخصت کر دیا۔

''چلئے حضت......'' سلامت جان نے بالا خانے کے در و دیوار حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چلئے اس بار لکھنؤ راس نہیں آیا۔''

میں ان دو گھنٹوں میں چچا جان کے ہاں جا سکتا تھا مگر یوں ہی اِدھر اُدھر گھومتا رہا اور ایک بڑے مکان پر پہنچ کر رک گیا۔ اس مکان کی دیوار پر میں نے انگلی سے کچھ خاص نشانات بنائے اور کچھ دیر وہاں رک کر آگے بڑھ گیا۔ سلامت جان نے میرا یہ عجیب رویہ حیرت سے دیکھا لیکن کچھ پوچھا نہیں۔ ہم دونوں وقت سے آدھ گھنٹا پہلے اسٹیشن پہنچ گئے اور اپنے ڈبے میں بیٹھ گئے۔ ملازم پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ گاڑی چلنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ہمارے ڈبے کی کھڑکیوں میں سے ایک شور سا اندر آیا۔ میں منتظر ہی تھا۔ سلامت جان ہکا بکا ہو کے دیکھنے لگا۔ تسلیم نائکا، ایک موٹا سا ہندو بنیا اور اس کے چند ملازم کھڑکیوں سے آہ و زاری کر رہے تھے سمن بھی تھی مگر وہ سب سے علیحدہ کھڑی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' سلامت جان نے وحشت میں مجھ سے پوچھا۔ میں مسکرانے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ سب اندر آ گئے، سب سے پہلے ساہوکار اندر آیا اور آتے ہی میرے پیر چھونے لگا۔

''مہاراج! داس کو شما کر دیجئے۔ مہاراج، میں کچھ نہیں جانتا۔ اس پاپن نے......'' اس نے تسلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے وعدہ کیا تھا اور صبح یہ خود میرے پاس چلی آئی تھی۔ سمن آپ کے حوالے ہے مہاراج! میرا گھر بچا لیجئے میں تباہ ہو جاؤں گا مہاراج! سمن کے روپے بھی نہ دیجئے۔'' ساتھ ہی تسلیم نے بھی اسی انداز میں گڑگڑانا شروع کر دیا۔ سمن بھی ڈبے کے اندر آ گئی تھی اور اداس بیٹھی تھی۔ آہستہ آہستہ ڈبا بہت سے لوگوں سے بھر گیا اور اس کے اردگرد ایک بھیڑ جمع ہو گئی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی پر ساہوکار نے اور گڑگڑانا شروع کر دیا۔

''قدموں سے ہٹو۔'' سلامت جان نے کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس نے ساہوکار کو ڈانٹا۔ ساہوکا لرزتا ہوا پیچھے ہٹا۔ نائکا تسلیم بھی دور ہو گئی۔ وہ بار بار اپنی گستاخی کی معافی مانگ رہی تھی۔ میں نے سلامت جان سے کہا۔ ''اسے روپے دے دو۔''

''نہیں نہیں۔ ہمیں ایک پیسہ نہیں چاہیے، ہمارا مکان جل رہا ہے مہاراج، اسے بچا لیجئے۔''

''نہیں۔'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔

ساہوکار نے دم سادھ لیا۔ سلامت جان نے نوٹوں کی ڈھیری نائکا کی جھولی میں ڈالی اور سمن کی

طرف دیکھا۔ گاڑی نے وسل دے دیا۔ میں نے ساہوکار کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''جا جو کچھ بچ گیا ہے، اسے سمیٹ لے۔''

ساہوکار، نائکا تسلیم اور باقی لوگ جلد ہی ڈبے سے اتر گئے۔ انکا گاڑی چلتے ہی میرے سر پر آئی۔ سمن علیحدہ علیحدہ گم صم بیٹھی تھی۔ سلامت جان اس واقعے پر ششدر رہ گیا تھا۔ ''یہ میری خوش قسمتی ہے حضت کہ مجھے آپ کی رفاقت میسر آئی۔'' سلامت جان نے عقیدت سے کہا۔

''نہیں دوست! دوستی کے لہجے میں باتیں کرو۔ تمہارا یہ احترام کا رویہ مجھے تم سے دور کر دے گا۔''

''تو پھر یوں کہوں کہ آج تک اپنے نصیب میں آنے والی لڑکیاں ایک طرف اور آپ ایک طرف۔ یہ کتنی بڑی خوشی ہے۔'' سلامت جان نے ہنس کر کہا لیکن اس ہنسی میں خوف شامل تھا۔ میں نے نشست پر پیر پھیلا دیے اور انکا کی جانب دیکھا۔

انکا نے مسکرا کر کہا۔ ''سلامت جان کو سلا دوں؟''

''سمن سلامت جان کی امانت ہے۔'' میں نے درشتی سے کہا۔

''تم اب کچھ اوقات میں آئے ہو۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ میں نے انکا کو پکڑنا چاہا لیکن میرے ہاتھ اپنے بالوں میں الجھ گئے۔ ٹرین تیز رفتاری سے دہلی کی طرف بھاگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

حیدر آباد شہر کے کنارے بلکہ کچھ دور...... سلامت جان نے اپنی ایک دنیا بسائی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے وہیں ٹھہرایا۔ اس عظیم الشان عمارت میں دنیا کی ہر چیز موجود تھی۔ اس بہتر زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ سلامت جان نے ادھیڑ عمری کے باوجود باقاعدہ شادی نہیں کی تھی لیکن وہ کسی عرب شیخ کی طرح ایک حرم رکھتا تھا۔ اس کی آمدنی بے تحاشا تھی، ہر طرف سے روپیہ برستا تھا۔ ملازموں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اس کا کوئی قریبی عزیز نہیں تھا جو سلامت جان کی اس خوشحال زندگی میں ساجھے دار ہوتا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا فرزند تھا۔ اس کے والد کا ایک مدت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی ماں شہر میں رہتی تھیں۔ میں نے بھی انکا کے آنے کے بعد شہزادوں جیسی زندگی بسر کی ہے، پھر اس کے بعد مجھے روپے سے کوئی رغبت نہیں رہی۔ مال و دولت کی چمک دمک دیکھ کر مجھے روپے حاصل کرنے کا خیال نہیں آتا تھا۔ میں روپے کس کے لئے جمع کرتا؟ مکان کس کے لئے بناتا؟ سلامت جان کے محل میں میری حیثیت شروع شروع میں تو ایک معزز مہمان اور عزیز دوست کی رہی لیکن پھر یہ حجاب بھی ختم ہو گیا۔ ہم دونوں، ایک یار ایک بھائی کی طرح رہنے لگے۔ محل پہ میرا حکم بھی اسی طرح چلتا تھا جس طرح سلامت جان کا۔ یہاں آ کر میں نے ایک سال گزار دیا اور پتا ہی نہیں چلا۔ میں ایک سال میں پوری طرح تو نہیں، کسی حد تک ضرور اپنے آپ کو فراموش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سلامت جان کے محل میں کوئی زندگی سے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔ وہاں خوب صورت عورتوں کا ازدحام تھا۔ رات کے وقت ہندوستان کی دو ماہر فن لڑکیاں جنہیں سلامت کی جوہر شناس نگاہ نے اپنی حویلی کی زینت بنایا تھا، نرت کے بھاؤ بتاتیں اور رقص ونغمہ کا جادو جگاتیں۔ چند خاص معززین بھی رقص وسرود کی اس بزم میں شریک ہوتے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی تقریب منعقد ہوتی تھی۔ ان میں سمن بھی تھی جس کے فن میں کمال پیدا ہو چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھی کیوں کہ اپنی محبوب عورتوں کو سلامت جان، جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کا یہ عجائب گھر ہندوستان، ایران اور مصر کی حسین عورتوں سے مزین تھا۔

سال میں کئی مرتبہ سلامت جان کو میری باطنی قوتیں آزمانے کی ضرورت پڑی۔ وہ مجھے جادوگر کہتا تھا۔ ہم دونوں شہر کی بڑی تقریبات میں ایک ساتھ شریک ہوتے۔ سلامت جان کا حلقۂ احباب میرا حلقۂ احباب بن چکا تھا۔ اس عرصے میں سلامت جان نے دو چار بار ہی مجھ سے میری پہلی زندگی کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ بعض اوقات میرے کرشموں سے حیران ہو جایا کرتا تھا۔ انکا نے بھی اپنا کام خوب نبھایا تھا۔ جب سلامت جان کہیں کسی اچھی دوشیزہ کو دیکھتا تو مچل کر مجھ سے اصرار کرتا۔ ''جمیل! تم نے اسے دیکھا۔ تم نے دیکھا۔'' میں سمجھ جاتا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔

میں انکا کو حکم دیتا۔ وہ کسی تاخیر کے بغیر مطلوبہ لڑکی سلامت جان کے محل میں لے آتی۔ ان گنت گھر ہماری ہوس کا نشانہ بن چکے تھے۔ کبھی کبھی جب دل بہت گھبراتا تو میں مراقبے کی مشق کرتا لیکن کچھ ہی دیر میں اکتا کر اسے چھوڑ دیتا، پھر رفتہ رفتہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں اپنے عمل بھول سا رہا ہوں اور میری طاقتوں میں کمی آنے لگی اور مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا ہے۔

ویسے میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب سلامت جان کے محل ہی سے اپنا جنازہ اٹھے گا لیکن میرا جنازہ نکلنے سے پہلے بدری نرائن کی ارتھی نکل چکی ہوگی۔ میں جب کبھی باہر جانے کا ارادہ کرتا، انکا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے، کوئی نہ کوئی ترغیب دے کر مجھے کہیں لے جاتی جہاں کسی کی آغوش میں میرا وجود گم ہو جاتا۔ انکا نے ایک زمانے سے اپنی غذا، انسانی خون کے لئے مجھے پریشان کرنا بند کر دیا تھا۔ اب وہ خود ہی کسی کے سر پر چلی جاتی اور سیراب ہو کر واپس آ جاتی۔ خاصا وقت گزر چکا تھا لیکن ایک دن جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری انگلیوں اور میری نگاہوں اور میرے باطن میں اب پہلے جیسی قوت اور صلاحیت نہیں رہی ہے تو سلامت جان کے محل سے میرا دل اکتا گیا۔ اسی دن انکا نے مجھے شہر کے ایک رئیس کی لڑکی پیش کی۔ میں نے اسے واپس کرا دیا۔ سلامت جان بھی بجھ گیا تھا۔ اس نے پہلے سے زیادہ اہتمام سے روز ایک نئی بزم سجانی شروع کر دی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ ''اگر تم چلے گئے تو میں خودکشی کر لوں گا۔''

''پاگل!'' میں نے کہا۔ ''میں جا کر واپس آ جاؤں گا لیکن اب میرا جانا ضروری ہے۔''

''تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟''

''ایک کانٹا ابھی باقی رہ گیا ہے۔''

''وہ کیا ہے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''میں ایک شخص کا خون پینا چاہتا ہوں۔''

''خون؟ کس کا خون؟ کہو تو میں اس کا انتظام کرا دوں؟ میں نے اپنے آدمیوں سے یہ کام کبھی نہیں لیا ہے مگر ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مجھے بتاؤ کون ہے وہ بدبخت؟'' اس نے غصے سے کہا۔

میں نے اسے سمجھایا۔ ''وہ راون کسی کے بس کا نہیں ہے، وہ ایک پنڈت ہے جس نے میری زندگی میں کانٹے بوئے ہیں۔''

''تمہارے لیے کیا مشکل ہے؟'' اس نے تیزی سے کہا۔

''میری جان۔ جو باتیں تم نہیں سمجھتے، نہیں سمجھ سکتے تو پھر اصرار کیوں کرتے ہو؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

سلامت جان ہر وقت مجھ پر نگاہ رکھتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی دن میں واقعی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آخر ایک دن میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے سلامت جان کو سمجھانے کے لئے انکا کو اس کے سر پر چھوڑ دیا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ بدری نرائن ایک ہندو پجاری کے ہاں غازی آباد میں موجود ہے۔ غازی آباد دہلی کے قریب ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اب تک میں نے پنڈتوں، پجاریوں اور دوسری بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لئے خود کو حصار میں رکھا تھا۔ میں نے سلامت جان کے محل کے گرد بھی حصار قائم کر دیا تھا۔

انکا سلامت جان کو مطمئن کر کے اور اس کے دل میں میری واپسی کا خیال ڈال کر میرے سر پر آ چکی تھی۔ دہلی سے میں غازی آباد روانہ ہو گیا۔ راستے میں ہی انکا نے مجھے بتا دیا کہ بدری نرائن غازی آباد سے بھی روانہ ہو گیا ہے۔ اس خبر پر میں نے اپنا سفر ملتوی نہیں کیا۔ اسٹیشن سے اتر کر میں سیدھا اس پجاری کے گھر پہنچا جہاں بدری نرائن ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ بدری نرائن کو میری نقل وحرکت کی خبر کیسے ہو جاتی ہے؟ جب کہ میں اپنے آپ کو اس سے روپوش رکھنے کے لئے ہر ممکن جاپ کرتا ہوں۔ یقیناً اب بھی اسے کسی مہان سادھو کا تعاون حاصل ہے حالانکہ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ خیر اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

پجاری رام سہائے کے گھر جانے سے پہلے میں نے اس کے گھر کے سامنے پیپل کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کے خود کو مراقبے میں غرق کرنے کی کوشش کی۔ مجھے اپنی توجہ ایک سمت مرکوز کرنے میں بڑی دشواری ہوئی لیکن میں جما بیٹھا رہا۔ شام تک اسی جگہ بے حس وحرکت بیٹھ کر میں نے مراقبے کا عمل ختم کیا اور رام سہائے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ گھر پر موجود تھا۔ اس نے میرے استفسار پر بدری نرائن

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ ''مہاراج بہت دن ہوئے آئے تھے، اب پتا نہیں کہاں ہیں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''ہاں جی مہاراج کا کیا کہنا۔ بہر حال اب بدری نرائن جی کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے پیچھے ان کا چیلا بھی یہاں آیا تھا۔ کیا تم ان کے چیلے کو اندر پدھارنے کی آگیہ نہیں دو گے؟''

''آپ مسلمان ہیں۔ میرے گھر میں آج تک کوئی مسلمان نہیں آیا۔ آپ یہیں باہر بیٹھ کر بات کیجئے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ ہم لوگ پوترتا کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔'' رام سہائے نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

میں نے دروازے پر دھکا مارا۔ رام سہائے اور اس کے متعلقین میرا راستہ روکنے کے لئے آگے بڑھے مگر وہ صرف ایک لمحے میں یکے بعد دیگرے زمین پر تڑپنے لگے پھر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا۔ میں طنطنے سے اس بڑے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ میرے پیچھے رام سہائے، اس کے بیٹے اور دوسرے متعلقین چلا رہے تھے مگر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اندر گھر میں پانچ چھ عورتیں موجود تھیں۔ ایک جگہ جا کر میری نظر ٹک گئی۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی اور خاصی دلکش تھی۔ اتنی دلکش ضرور تھی کہ میری نگاہ اس پر دیر تک ٹھہری رہی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اچانک لڑکی اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر میری طرف آئی اور میرے پہلو سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ انکا اس کے سر پر جا چکی تھی۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ سلامت جان کے عجائب خانے میں ایک اور نازنین کا اضافہ کرنے کے لئے اسے حیدر آباد لے جائے، سلامت جان اسے دیکھ کر خوش ہو گا اور اسے میری مصروفیات کا علم بھی ہو جائے گا کہ میں بے کار نہیں پھر رہا ہوں۔ لڑکی خود بخود گھر سے باہر جانے لگی۔ اس کے بھائیوں اور ماں باپ نے اسے بہت روکا مگر وہ ان سب کو دھکے دیتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔ لڑکی کی اس طاقت اور دیدہ دلیری پر سب حیران تھے۔ رام سہائے اور اس کے متعلقین مجھ سے ایک ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے میرا گریبان چاک کرنا چاہا مگر وہ یکا یک اس طرح دور جا گرے جیسے کوئی پتنگا شمع کی تپش کی زد میں آ کے زمین پر گرتا ہے۔ میں ان کے لئے آگ تھا۔ میں اس بدقسمت گھر کا پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا۔ میں باہر آ گیا اور میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تاکہ رحم اور افسوس کا کوئی جذبہ مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہاں میں ان کی چیخیں نہیں روک سکتا تھا، ایسی دردناک آوازیں جو ملبے میں دبے ہوئے آدمیوں کے منہ سے نکلتی ہیں، آخری آوازیں۔

☆......☆......☆

غازی آباد سے میں فوراً دہلی آ گیا۔ یہاں انکا کے انتظار میں چار دن گزر گئے۔ ان چار دنوں میں، میں نے دوبارہ آبادی سے دور سنسان جگہوں پر بیٹھ کر نندا کی بتائی ہوئی کئی مشقوں کا عمل جاری

رکھا۔ اب ایسے عملیات میں بڑی اذیت ہوتی تھی، دل لگتا ہی نہیں تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح میں نے دل لگا لیا۔ ویران مقام پر آنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ میرے ارتکاز میں کوئی مخل نہ ہو سکے۔ ان چار دنوں میں بھوکا رہنا اور بھی تکلیف دہ کام تھا۔ میں عرصے تک کچھ کھائے پئے بغیر رہ سکتا تھا لیکن اس بار صرف چار دنوں میں بھوک اور پیاس نے مجھے ستا ڈالا۔ پانچویں دن انکا آ گئی۔ اس نے مجھے رام سہائے کی نوجوان لڑکی کو صحیح سلامت، سلامت جان کے محل میں پہنچانے کا مژدہ سنایا۔ انکا بعض اوقات کتنے کام آتی تھی؟ ''سلامت جان نے اسے دیکھ کر کیا کہا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ میں لڑکی کے سر پر موجود تھی۔ اس کی زبانی میں نے اشارتاً اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ میں اس کے سامنے نہیں آئی۔ نہیں تو وہ خوف زدہ ہو جاتا۔ لڑکی کی زبان سے میں نے کہا........ مجھے باندھ کر رکھیے۔ میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں۔ کسی وقت بھی واپس جا سکتی ہوں کیونکہ کسی وقت بھی جمیل احمد خان کا جادو دم توڑ سکتا ہے۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''اور سلامت جان غریب یہ سمجھا کہ لڑکی خود اپنی زبان سے یہ سب کچھ بیان کر رہی ہے۔''

''پھر اس نے کیا جواب دیا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

اس نے کہا۔ ''میں تمہیں سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ جب تک جمیل بھائی نہیں آ جائیں گے، میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا مگر وہ کب آئیں گے؟''

''بس کسی دن آ ہی جائیں گے۔'' میں نے لڑکی کے سر پر بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

''سلامت جان کو لڑکی پسند آئی؟''

''پسند آئی؟ ارے وہ تو دیوانہ ہو گیا۔ وہ بڑا ندیدہ ہے۔'' انکا نے میرے سر پر دھپ مار کے کہا۔

صرف رام سہائے کی نوجوان اور خوب صورت لڑکی ریکھا ہی نہیں، کچھ اور لڑکیاں بھی میری وحشت کا نشانہ بنیں۔ میں کوئی تین مہینے تک بدری نرائن کی تلاش میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھومتا رہا اور وہ شہر بہ شہر بھاگتا رہا۔ جہاں جہاں وہ ٹھہرا تھا، وہاں وہاں سے میں اس کے نشانات مٹاتا رہا۔ یہ بھی انتقام کی ایک صورت تھی۔ وہ تمام گھر تباہ ہو گئے جنہوں نے اسے پناہ دی تھی۔ وہ تمام لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے روپوشی میں بدری نرائن کی معاونت کی تھی۔ ایک کے بعد ایک شہر، گاؤں، قصبہ، مکانات جلتے رہے۔ کبھی ملبے کی شکل میں تبدیل ہوئے اور کبھی آگ کی نذر ہو کے خاکستر ہو گئے۔ ان منحوس مکانوں کے مکین کبھی ملبوں میں دب گئے، کبھی انہیں آگ نے نگل لیا۔ جہاں کہیں نوجوان لڑکیاں ملیں، انہیں ریکھا کی طرح سلامت جان کے محل میں پہنچا دیا گیا۔ تقریباً تین لڑکیاں اور حیدر آباد پہنچ گئی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ پولیس دوبارہ مجھ پر ہاتھ رکھ سکتی ہے مگر میں اپنی آمد اور روانگی کا کوئی نشان نہیں چھوڑتا تھا۔ صرف بدری نرائن اور ہندو پنڈتوں کو معلوم ہو گا کہ کون کون سا گھر میرے عتاب کا نشانہ بن

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

چکا ہے۔ بدری نرائن اور ہندو پنڈت، پجاری اور کتنے گھر تباہ کرائیں گے؟ میرے یہ سارے دن یا سفر میں، یا پھر مراقبے اور ارتکاز میں گزر گئے لیکن ایک مسلسل تگ ودو کے بعد بھی بدری نرائن ہاتھ نہ آیا۔ پھر ایک دن جب میں ہزارے کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہوا تھا، مجھے انکا نے ایک عجیب اطلاع دی۔ اس نے بتایا کہ وہ بدری نرائن کو ایک جگہ نہیں، تین چار جگہوں پر دیکھ رہی ہے۔ ہندوستان کے چار مختلف شہروں میں۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''ہاں چار جگہ۔'' انکا نے مجھے شہروں کے نام بتائے۔

''اوہ۔ پنڈت پجاری دوبارہ اس کی مدد کو آ گئے؟'' میں نے غصے میں اٹھ کر کہا۔

''کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔'' انکا نے آہستگی سے جواب دیا۔

''مثلاً؟''

''مثلاً جن بھی ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے زرافشاں اور درخشاں کا بدلہ لینے کے لئے یقیناً کئی بار تم پر حملہ کیا ہوگا مگر تم نے چونکہ انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دیا اس لیے انہوں نے یہ ترکیب سوچی ہوگی۔'' انکا نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

''تو ان میں اصل بدری نرائن کی تلاش کیا مشکل ہے؟''

''جن طاقتوں نے یہ قدم اٹھایا ہے، انہوں نے پہلے ہی یہ انتظام کرلیا ہوگا کہ تمہاری نظر میں اصل بدری نرائن کی شناخت مشکل ہو جائے۔ کم از کم مجھے تو ناکامی ہو رہی ہے۔''

''اچھا۔ میں کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے اپنی بصارت وسیع کرنے کے لئے ایک طویل عمل کیا۔ انکا کی طرح مجھے بھی اصل بدری نرائن کو پہچاننے میں ناکامی ہوئی۔ بدری نرائن چار سمتوں میں موجود تھا۔ یہ ایک تشویش ناک بات تھی۔ میں نے ہزارہ چھوڑ دیا اور لاہور ہوتا ہوا مختلف شہروں میں اصل بدری نرائن کو سونگھتا پھرا۔ موجودہ صورت اتنی اشتعال انگیز تھی کہ میں نیم پاگل سا ہوگیا تھا۔ آخر چھ ماہ کی پُر مشقت مسافت کے بعد بھوپال سے حیدر آباد جانے والی گاڑی میں سوار ہوگیا۔ انکا اکثر مجھ سے سلامت جان کا تذکرہ کرتی رہتی تھی۔

میں جس وقت حیدر آباد پہنچا، سلامت جان مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔ میرا حال بڑا ابتر تھا۔ میں عمداً اس کے چمن زار کی طرف نہیں گیا لیکن جب میں نے ریکھا اور بدری نرائن کی بازیافت کے سلسلے میں حاصل ہونے والی لڑکیوں کو دیکھا تو میرا جسم انگڑائیاں لینے لگا۔ ریکھا اور دوسری لڑکیوں کا رنگ نکھر آیا تھا۔ وہ اس ماحول میں خوش معلوم ہوتی تھیں کیونکہ یہاں دنیا کا کوئی غم نہیں تھا۔

چند دنوں تک میں اپنے آپ پر جبر کرتا رہا پھر یہ سلسلہ خود

حسین راتوں میں موسیقی کی لہریں دوبارہ میرے اعصاب پر چھانے لگیں اور ہم دونوں نے زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا...... بلکہ یوں کہیے کہ نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔

کسی تقریب میں سلامت جان کی نظر ایک ماہ پارہ، ایک سیمیں بدن پر پڑ گئی۔ وہ بے چین ہوگیا۔ یہ حیدر آباد کے ایک بڑے رئیس کی اکلوتی لڑکی تھی۔ میں نے انکا کو بھیج کر اسے اپنی خلوت میں بلانا چاہا۔ انکا مایوس ہو کر واپس آئی۔ جب وہ اس لڑکی کے سر پر گئی تو اس کا کوئی داؤ نہیں چلا۔ نتیجتاً مجھے خود زحمت کرنا پڑی۔ میں نے ایک رات اندھیرے میں بڑے مضبوط عزم کے ساتھ رئیس کے محل نما مکان میں قدم رکھا۔ میں اس مکان میں گھس کر انکا کی ناکامی کی وجہ جاننا چاہتا تھا اور موقع لگنے پر دوشیزہ صبا کو ساتھ لے جا کے سلامت جان کو دنگ کر دینا چاہتا تھا۔ مجھے وہاں کسی مزاحمت کے آثار نظر نہیں آئے لیکن انکا کی ناکامی کی نامعلوم وجہ مجھے پریشان کر رہی تھی۔ اپنی اور انکا کی طاقتوں کی مدد سے میں عمارت کے اس حصے میں پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں وہ چنبیلی کا پھول کھلا ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر رات گئے کا وقت منتخب کیا تھا۔ عمارت خاموش تھی۔ اندر مسہری پر حسن بکھرا پڑا تھا۔ سلامت جان نے یوں ہی بے چینی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ میں نے انکا کو اس کے سر پر بھیجا۔ وہ چلی گئی مگر تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر واپس آ گئی۔

پھر مجھے اپنے ہاتھوں اور آنکھوں کو جنبش دینا پڑی۔ لڑکی بے خبر سو رہی تھی مگر میرا کوئی عمل کامیاب نہیں ہوا۔ میں جھنجلا کر اس کی مسہری کے قریب گیا۔ میں نے اس کا بدن چھونا چاہا۔ اچانک پیچھے سے ایک غضب ناک آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ سید مجذوب غیظ و غضب کی حالت میں لاٹھی زمین پر ٹیکے کھڑا تھا۔ انکا چپکے سے میرے سر سے رینگ گئی۔

سید مجذوب کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر میرے ذہن کو شدید دھچکا لگا۔ مجھے محسوس ہوا میں اس سرمست قلندر کے سامنے عریاں ہوگیا ہوں۔ میں رئیس کے محل نما مکان میں اس ماہ جبین کے حصول کے لئے داخل ہوا تھا جو انکا کی پُراسرار قوتوں کے نرغے میں نہیں آئی تھی۔ خود میری ریاضتیں بھی اس سیمیں بدن کو اپنے نشاط کدے میں لانے سے قاصر رہ گئی تھیں۔ وہ لڑکی نیم وا کلی کے مانند کھلنے کے لئے بے قرار تھی۔ شباب امڈ امڈ کر آ رہا تھا، سلامت جان کی نظر میں حسین تھا۔ اب تک میرے اس عزیز دوست نے جس لڑکی کی طرف بھی اشارہ کیا تھا، وہ میں نے اس کے عجائب خانے میں پہنچا دی تھی مگر دوشیزہ صبا کے بارے میں میری ہر سعی ناکام ہوگئی تھی۔ نتیجتاً خوشۂ انگور توڑنے کے لئے خود مجھے رئیس کے محل تک آنا پڑا۔ میں نے اسے چھونے کے لئے اپنا ہاتھ دراز کیا ہی تھا کہ سید مجذوب کی غضب ناک آواز نے مجھے لرزہ براندام کر دیا۔ ان کے چہرے پر جلال تھا۔ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں، لاٹھی زمین پر ٹیکے وہ مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں میرے جسم پر سوئیاں چبھو گئیں۔ اس محل کے رئیس کا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تعلق یقیناً کسی نہ کسی طرح سید مجذوب سے تھا۔ میں نے انگاروں میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔

''تم پیرومرشد!'' مجھے اپنے لہجے پر قابو نہ رہا۔ سید کا احترام میرے دل میں پیوست تھا۔ میں اپنی تمام تر خفیہ قوتوں کے باوجود اس کے خطرناک تیوروں کے سامنے جم نہیں سکا۔ اس کی خاموشی نے میرا وجود جھنجھنا دیا تھا۔ پہلے میں نے اسے اتنے جلال کے عالم میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں ایک مجرم کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً سید کے چہرے کا کھنچاؤ کم ہوا، اس کے ہونٹوں پر ایک گہرا تبسم ابھرا اور اس نے مسہری پر دراز خوابیدہ لڑکی کو دیکھتے ہوئے مجھے مشتعل لہجے میں مخاطب کیا۔

''لٹیرے! آستین کے سانپ، دائیں بائیں دیکھ کر چلا کر۔''

''میں شرمندہ ہوں سید۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''مجھے علم نہیں تھا کہ یہ گھر اپنا ہے، یہاں تمہارا سایہ ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔''

''اپنی بیٹی کو ساتھ لیے بغیر جا رہا ہے؟'' وہ دیدے نچاتا ہوا بولا۔

''میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے جو چاہے سزا دے لو۔'' میں نے لجاجت سے جواب دیا۔

''نہیں نہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کھیلنے کودنے سے صحت اچھی رہتی ہے، جا اسے لے جا۔''

''مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا پیرومرشد! میں بالکل مفلوج ہو گیا تھا۔ تم سے کتنی بار کہا ہے کہ ہاتھ پکڑ لو۔ یہ لاٹھی مجھے دے دو، مجھے سہارے کی ضرورت ہے۔ تم نے ایک بے سہارا آدمی کو سہارا نہیں دیا اور نتیجہ دیکھ لیا۔''

''بتوڑے! باتیں بناتا ہے، رنگ جماتا ہے! ابھی اور گھوم پھر کر دیکھ لے مردار! سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' سید نے تنک کر کہا۔ ''جا گھر لوٹ جا، وہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ تو بھی ڈوب جا۔ اور اسے بھی ساتھ لیتا جا۔''

''سید پیرومرشد! مجھے اور ذلیل نہ کرو۔ میں یہیں سے تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' میں نے عزم سے کہا۔

''مچھلیاں جال میں ڈال اور بھون کر کھا جا۔ ساری دنیا تیری ہے۔ میرے ساتھ جاتا ہے اور وہ تجھے ڈھونڈ رہا ہے۔ سلامت جان، نزاکت جان، بے ایمان!'' سید نے لاٹھی زمین پر مار کر کہا۔

''مجھے میرے گناہ یاد مت دلاؤ سید!'' میں نے چلا کر کہا۔ ''مجھے مارو، مجھے سزائیں دو، مجھے کوڑے لگاؤ۔''

''گرجتا برستا ہے؟ ابھی جسم میں خون ہے، گندا خون۔ جو کپڑے باقی رہ گئے ہیں، انہیں بھی اتار پھینک۔ نگارہ، ننگا ناچ، ننگا گا، سمجھ

''میں خودکشی کر لوں گا۔'' میں نے سید کی تمہید سے عاجز آ کر کہا۔

''نہیں، موسم ابھی رنگین ہے۔ سامنے مہ جبین ہے، بہکی بہکی باتیں کر۔ جو حصہ خشک رہ گیا ہے، اسے بھی تر کر دے۔'' میری منتوں اور عاجزانہ انداز کا سید پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح اپنے مخصوص انداز میں میرا مضحکہ اڑاتا اور معنی خیز جملے ادا کرتا رہا۔ میں نے سوچ لیا تھا، آج سید سے فیصلہ کن بات ہو گی۔ ''یہ دیکھو۔ یہ زلفیں دیکھو!'' میں نے اپنے بال بکھراتے ہوئے کہا۔ ''اب بھی میرے ارادے میں کوئی شبہ ہے؟''

''بھڑکتے ہوئے شعلوں میں روشنی تلاش کرتا ہے؟''

''میں اور کھیل کھیلوں گا۔ یہ گھر بچ گیا تو کیا ہوا۔ تم کہاں کہاں آؤ گے؟'' میں نے ایک بچے کی طرح مچل کر کہا۔

''مچھلیاں...... مچھلیاں پکڑ۔'' سید نے اپنے دونوں ہاتھوں سے مچھلی کی شکل بناتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، تمہاری مرضی۔ اب شکایت مت کرنا۔ میں یہاں سے تمہارے احترام میں چلا جاؤں گا۔ تم مجھے اپنے ہمراہ مت لے چلو۔ پھر یہ چکر ختم نہیں ہو گا۔ یہ تو یوں ہی چلتا رہے گا۔ اب اس کا کوئی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''میرا احترام مت کر قسائی! اس زندہ گوشت کو لے جا اور ذبح کر دے۔ یہ تیرے باپ کی جاگیر ہے۔'' سید طیش میں بولا۔ ''بادِ صبا کو مسموم کر دے، تجھے روکنے والا کون ہے؟''

لڑکی کا نام صبا تھا اور سید کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔ میں نے دوڑ کر سید کے ہاتھ پکڑ لیے جو اس نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیے۔ اس بوڑھے کے ہاتھوں میں بڑی طاقت تھی۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر اس کا دامن پکڑنا چاہا مگر وہ اور ناراض ہو گیا۔ زور زور سے نعرے لگانے لگا اور ہو حق کرتا ہوا محل سے واپس ہونے لگا۔ میں اس کے پیچھے چلنے لگا۔ آگے جا کر میں نے اس کی لاٹھی پکڑ لی۔ وہ اور بھی برافروختہ ہو گیا۔ انکا سید کو دیکھتے ہی میرے سر سے اتر گئی تھی۔ محل کے باہر تک میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے اس کے پیچھے تقریباً بھاگنا پڑا۔ وہ محلے کی گلیوں میں گھومتا ہوا تیزی سے چلنے لگا۔ اس کے تعاقب میں بھاگتے بھاگتے میرا سانس پھول گیا۔ ایک بوڑھے شخص کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں تھی۔ وہ مجھ سے آگے نکل گیا اور ایک گلی کے موڑ پر نظروں کی حد سے باہر ہو گیا۔ میں گلیوں گلیوں اسے ڈھونڈتا رہا پھر مجبوراً واپس ہونے لگا۔ سید کے اس طرح پھر غائب ہو جانے کے بعد میں نے اپنے بال نوچ لیے اور دیوانگی میں چلتے چلتے شارع عام پر آ گیا۔ یہاں انکا بھی میرے سر پر آ گئی۔

''کہاں، کہاں وہ چلا گیا؟ تم اس کے پیچھے اس قدر کہاں بھاگتے ہو۔۔۔ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

انکا میرے سر میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''جمیل!'' اس نے پیار سے مجھے مخاطب کیا۔ ''شکر کرو کہ اس نے تم سے اس گستاخی کا انتقام نہیں لیا۔ تم سلامتی کے ساتھ اس گھر سے واپس آ گئے۔''

''چپ رہو، میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ اسے اپنی لاٹھی مجھے دینا ہوگی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میں تو کہتی ہوں، تم اس کے پیچھے مت پڑو، وہ من موجی شخص ہے۔ اس سے دور رہنا ہی ٹھیک ہے۔'' انکا نے مشورہ دیا۔

''ٹھہرو!'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہم پھر رئیس کے محل میں چلتے ہیں اور صبا کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے گھر واپس چلنے پر اصرار کروں گی۔''

''میں تمہیں اپنے سر سے اترنے کا مشورہ دوں گا۔''

''میں تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔''

''میری بھلائی؟'' میں نے طنزاً کہا۔ ''اے شریر چھوکری۔ اگر تجھے بھلائی اور برائی کی تمیز ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اس طرح کوچہ در کوچہ، گلی در گلی مارے مارے نہ پھرنا پڑتا۔''

''تمہارے سر پر جنون سوار ہے۔ یہ بوڑھا جب بھی تمہیں ملتا ہے، تمہاری نظریں بدل جاتی ہیں۔'' انکا نے تلخی سے کہا۔

''میں اس بوڑھے کے لئے ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے سننا نہیں چاہتا۔ تم اگر خاموش نہیں رہ سکتیں تو میرا سر ہلکا کر دو۔''

''تم طوطا چشم ہو، تمہاری آنکھ میں مروت نہیں۔''

انکا سے تلخی بڑھانے سے ذہن کا تکدر اور بڑھ جاتا۔ میں پھر اس گلی میں پہنچ گیا جہاں رئیس کا محل تھا اور آسانی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ لڑکی اسی طرح سوئی ہوئی تھی۔ اس کا حسین سراپا دیکھ کر میں ٹھٹک گیا اور تھوڑی دیر تک یوں ہی کھڑا رہا کہ شاید سید دوبارہ نمودار ہو مگر سید کے آنے کے کوئی آثار نظر نہ آئے، دفعتاً دروازے میں کھٹکا ہوا۔ میں ایک گوشے میں چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ ایک خادمہ تھی جو صبا کو دیکھنے آئی تھی۔ انکا میرے کہے بغیر اس کے سر پر چلی گئی۔ وہ صبا پر تو شک ڈال کر اطمینان کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ میں سوچتا رہا پھر ایک فیصلہ کر کے صبا کے پلنگ تک گیا۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی پھیر کر اس کی گویائی سلب کر لی اور کھڑا انتظار کرتا رہا۔ انکا بھی ملازمہ کے سر سے واپس آ گئی تھی۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ صبا کے سر پر چلی جائے اور میرے عقب میں چلتی رہے۔ انکا نے درمیان میں دخل دینے کی جسارت نہیں کی بلکہ اس نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی۔ صبا ایک انگڑائی لے کر

پلنگ سے اتری اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس نے اپنے سر پر دوپٹہ ڈالا۔ برقع اوڑھ کر مجھ سے کہنے لگی۔ ''چلو، اب کس کا انتظار کر رہے ہو؟''

''ابھی ٹھہرو......'' میں نے اسے حکم دیا۔ میرا خیال تھا کہ میری اس جسارت پر سید ضرور آ جائے گا۔ یہ بات میں نے انکا سے بھی کہی۔ انکا صبا کے سر پر سوار تھی۔ صبا ٹھہر گئی پھر میں نے کچھ توقف کر کے کہا۔ ''چلو، مگر بہت احتیاط کے ساتھ اور سنو، جب سید نظر آئے تو تم فوراً اس کے سر سے اتر جانا۔''

مکان عبور کر کے ہم گلی میں آ گئے۔ مجھے تعجب تھا کہ اب تک سید کیوں نمودار نہیں ہوا۔ میرا ارادہ اس لڑکی کو سلامت جان کی حویلی میں لے جانے کا نہیں تھا۔ مجھے صرف سید کا جلوہ مطلوب تھا۔ میں لڑکی کو لیے بہت دور چلا آیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اِکا دُکا چوکیدار ہانک لگاتا ہوا نظر آ جاتا تھا۔ اس کی نظروں سے بچنا میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ شارع عام پر مجھے دور سے ایک موٹر آتی نظر آئی۔ میں نے اسے ہاتھ دیا۔ وہ رک گئی شاید اس وجہ سے کہ میرے ساتھ ایک عورت تھی۔ ڈرائیور نے میری درخواست پر ہم دونوں کو اپنی موٹر میں بٹھا لیا۔ میں نے اسے غلط پتا بتایا تھا۔ وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ میں نے اسے گاڑی روکنے کو کہا۔ میں اس کے برابر بیٹھا تھا۔ پچھلی نشست پر صبا بیٹھی تھی۔ ڈرائیور سے میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا کہ وہ اسٹیئرنگ چھوڑ دے اور میری نشست پر آ جائے۔ وہ ایک ہی دھمکی سے گڑبڑا گیا۔ میں نے اپنے واحد ہاتھ سے بہت دنوں بعد ڈرائیونگ کی۔ ڈرائیور میری نگاہوں کی تاب نہ لا کر پہلے ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔ سلامت جان کی حویلی شہر سے کافی دور تھی۔ وہاں تک پہنچنے میں دیر لگ گئی۔ میں بہت سنبھال سنبھال کر گاڑی چلا رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا، سید مجذوب یہ سب کچھ کیسے برداشت کر رہا ہوگا؟ اور شبہ تھا کہ وہ بیچ سڑک پر کہیں کھڑا ہوا نظر آ جائے گا۔ مگر حویلی آ گئی، سید نہیں آیا۔ سلامت جان کی حویلی میں ابھی تک راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی۔ طبلے کی تھاپ کی گونج زور سے سنائی دے رہی تھی۔ میں نوکروں کی بھیڑ سے چھپتا چھپاتا خاموشی کے ساتھ حویلی میں داخل ہوگیا۔ پھر میں نے اوپر ایک کمرے میں صبا کو ٹھہرا دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ بے ہوش ڈرائیور کو کس طرح حویلی سے دور کیا جائے؟ انکا صبا کے سر پر بیٹھی تھی۔ اس مسئلے کا یہی بہترین حل تھا کہ میں انکا کو ڈرائیور کے سر پر بھیجوں اور خود صبا کی نگرانی کروں۔ صبا کو ایک آرام دہ پلنگ پر لٹا کر میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ صبا کے جسم سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ شباب کی ایک مسحور کن خوشبو...... دوشیزگی کی مہک۔ اگر سلامت جان اسے سونگھ لے تو دیوانہ ہو جائے۔ انکا کے آ جانے کے بعد مجھے فوراً بڑے ہال میں جانا چاہیے تھا تاکہ سلامت جان میری موجودگی سے باخبر ہو کر اوپر نہ آ جائے۔ اگرچہ صبا کے لئے سلامت جان ہی نے ضد کی تھی مگر صبا سید مجذوب کی امانت تھی۔ میں اس کی ایک جھلک بھی سلامت جان کو نہیں دکھا سکتا تھا اور سلامت جان جیسے رفیق سے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ وہ تو پاؤں پڑ جاتا۔ ڈرائیور کو انجانے راستے پر چھوڑ کر انکا جلد ہی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

واپس آگئی۔ میں اسے صبا کے سر پر بھیج کر نیچے آیا، جہاں سمن ناچ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی سلامت جان اٹھ گیا۔ ''تم کہاں تھے جمیل بھائی؟'' وہ نشے میں لہکتا اور لڑکھڑاتا ہوا بولا۔

میں نے اسے بتایا کہ میں اسی کے کسی کام سے گیا تھا مگر ناکامی ہوئی۔ سلامت جان خود بھی بیٹھ گیا اور مجھے بھی اپنے پاس بٹھا لیا۔ سازندے، رقاصائیں اور آواز کا جادو جگانے والیاں...... ہر شخص موسیقی اور مستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لکھنؤ کی سمن خوب ناچ رہی تھی۔ وہ رقص میں کافی مشاق تھی۔

سلامت جان نے اپنے طور پر ان کے بڑے دلچسپ نام رکھے تھے۔ مدراس سے آئی ہوئی ایک لڑکی کا نام نیلما تھا۔ سلامت جان نے اس کا نام جوہی رکھا تھا۔ جوہی ایک خوش گلو لڑکی تھی۔ اس کے گلے میں بڑی جان تھی۔ گاتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے در و دیوار بھی اس کے ساتھ رقص کرنے لگیں گے۔ اس وقت وہی گا رہی تھی اور سمن جوانی بکھیر رہی تھی۔ سلامت جان کا دل رکھنے کے لئے نیچے آ گیا۔ آج اس محفل میں میرا دل نہیں لگا۔ سلامت جان کو اپنا چہرہ دکھا کے اور اس سے سر درد کا بہانہ کر کے میں پھر دوسری منزل پر آ گیا۔ صبا کے سر پر انکا موجود تھی۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ یعنی سید مجذوب ادھر نہیں پھٹکا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ سید کی یہ بے نیازی کوئی بڑی مصیبت کھڑی کر سکتی تھی۔ میں ادھر صبا کے کمرے میں آیا۔ ادھر مجھے زینے پر سلامت جان کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے پکار رہا تھا۔ گویا اس نے میری عدم موجودگی کی وجہ سے محفل درہم برہم کر دی تھی۔ سلامت جان میری رفاقت اور صحبت کا اس حد تک عادی ہو چکا تھا کہ میری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتا تھا۔ سید غوث کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جو میرا مزاج آشنا اور غم گسار تھا۔ میں نے زینے پر اسے جا لیا۔ ''کیا بات ہے سلامت جان؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔ ''تم محفل سے اٹھ کر چلے آئے...... ابھی تو رات باقی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے بغیر مزہ نہیں آیا۔ میں نے سوچا آج تعطیل۔ وہ بھی تھک گئی تھیں، کھیل ختم ہو گیا۔''

سلامت جان نشے میں چور تھا اور اس کی زبان سے الفاظ لڑکھڑاتے ہوئے ادا ہو رہے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے، کبھی کبھی ایسا بھی سہی۔ اب تم اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

''جمیل بھائی! صبا کا خیال دل سے نہیں جاتا۔ جب تک وہ نہیں آئے گی، ایک اداسی سی رہے گی۔ آپ نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

سلامت جان نے صبا کا ذکر چھیڑا تو مجھے احساس ہوا کہ صبا کو یہاں ہرگز نہیں لانا چاہیے تھا۔

''وہ...... وہ بھی...... ہاں وہ بھی۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''پیارے، ضروری نہیں کہ زندگی میں ہر چیز مل جائے۔ ہمارے پاس ایک سے ایک نادر لڑکی موجود ہے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ

Downloaded from Paksociety.com

کھڑی ہو جائیں تو اہل نظر کے لئے انتخاب دشوار ہو جائے۔''

''یہ سب تو ہیں مگر صبا، آپ یقین کریں تو وہ ایک حور ہے، اسے دیکھنے کے بعد یہ نگار خانہ ادھورا معلوم ہوتا ہے۔ آپ ایسا کیجئے، یہ نگار خانہ صبا کے گھر والوں کو اس کے بدلے دے دیجئے۔''

''اچھا اچھا، میں کوشش کروں گا کہ وہ بھی یہاں آ جائے۔'' میں نے سلامت جان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں جمیل بھائی! نہیں، وعدہ کیجئے۔''

''وعدہ...... بالکل پکا وعدہ۔ اب جاؤ، جوہی انتظار کر رہی ہوگی۔''

سلامت جان بہت مشکل سے اپنی خواب گاہ میں جانے پر راضی ہوا۔ وہ ابھی اکھڑا اکھڑا سا تھا اور آج بہت دل گرفتہ نظر آتا تھا۔ میں اس کے سامنے ہی اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر کے جلد ہی اندھیرا کر لیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ سلامت جان بستر پر لیٹ چکا ہوگا تو میں پھر اوپر کی طرف گیا اور اطمینان کر کے نیچے آ گیا۔ صبا موجود تھی اور انکا بھی اس کے سر پر اونگھ رہی تھی۔ میں اس صورتحال سے سخت پریشان تھا۔ اس وقت صبا کی واپسی بھی آسان نہیں تھی۔ حویلی کی چھت پر ایک پُرسکون جگہ تھی۔ وہاں میں اکثر رات کو چلا جاتا تھا اور گھنٹوں کھلا آسمان تکا کرتا تھا۔ سید سے ملاقات کے بعد اس کی معنی خیز باتوں نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔ میں چھت پر چلا آیا۔ ابھی مجھے آئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ انکا سراسیمہ وحواس باختہ میرے سر پر آ گئی۔ میں سمجھ گیا۔ سید آ گیا ہے۔ میں نے اس سے وحشت میں پوچھا۔ ''کہاں ہے وہ؟''

''کون؟'' انکا جز بز ہو کر بولی۔

''وہی پیر و مرشد سید، وہ آ گیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا، گویا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' میں نے پُر امید لہجے میں کہا۔

''وہ نہیں۔ سلامت جان اوپر آ گیا ہے۔''

''سلامت جان؟ وہ تو اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تھا۔ یہ بہت برا ہوا۔'' میں تیزی سے نیچے اترا اور ایک طوفان کی طرح صبا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سلامت جان صبا کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے خوب صورت ہاتھوں کو بری طرح بوسے دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اپنے جامے میں نہیں رہا تھا۔

''سلامت جان۔'' میں پوری قوت سے دہاڑا۔ ''ہٹ جاؤ۔'' وہ حیرت سے ایک دم پلٹا۔ ''جمیل بھائی، آپ! آپ نے ہم سے چھپایا اور دیکھئے ہم نے دیکھ لیا۔''

''تم یہاں کیوں آ گئے؟ اس سے دور ہٹ جاؤ۔'' میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"آج خواب گاہ میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ میں آپ کی خواب گاہ میں گیا تو وہاں موجود نہیں تھے۔ اوپر آنے کے لئے میں ادھر سے گزرا تو خوش قسمتی سے کھڑکی میں سے مجھے یہ چاند نظر آ گیا اور میں پاگل ہو گیا۔ کیا میں جاگ رہا ہوں؟ سچ بتایئے، کیا میں زندہ ہوں؟" سلامت جان نے بڑی سادگی سے پوچھا اور صبا کی زلفوں کا بوسہ لے لیا۔ "مگر آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا؟ کیا...... کیا آپ......" وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"بدگمانی مت کرو۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "یہ ایک امانت ہے۔"

"امانت؟" سلامت جان نے مستانہ نظروں سے صبا کو دیکھا۔ صبا اس چیخ پکار سے جاگ گئی تھی اور کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر سلامت جان نے اسے پلنگ سے اٹھا لیا اور اپنی آغوش میں لے کر اچھلنے لگا۔ صبا نے ایک لرزہ خیز چیخ ماری اور سلامت جان کی آغوش میں بے ہوش ہو گئی۔ "نہیں نہیں، یہ میری ہے۔ یہ میرے لیے ہے۔ آپ یہ کھلونا میرے لیے لائے ہیں۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر زور سے طمانچہ مارا اور صبا کو اس سے چھین کر پلنگ پر ڈال دیا۔ زندگی میں شاید یہ پہلا طمانچہ ہوگا جو سلامت جان نے کھایا تھا۔ اس نے بڑے ناز و نعم میں دن گزارے تھے۔

وہ لڑکھڑا گیا اور سکتے کے عالم میں میرا چہرہ دیکھنے لگا۔ ویسے وہ پہلے ہی لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ اپنے حواس میں تھا ہی کب؟ شام سے پی رہا تھا۔ اپنی طرف سے اس کے اس طرح دیکھنے سے میں بڑا شرمسار ہوا۔

"آپ......" اس نے صرف اتنا کہا اور اپنا گال سہلانے لگا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو سلامت جان! تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔ صبح تک کے لئے انتظار کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ مجھے شرمندگی ہوگی۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں اسے کسی بری نیت سے نہیں لایا۔ میں اس کا پاسبان ہوں۔"

صبا کے متعلق بہت سی باتیں ہو چکی تھیں اس لئے سلامت جان میری موجودہ منطق پر کس طرح یقین کر لیتا؟ اس کے دل میں پھانس سی اٹک گئی۔ "نہیں......" اچانک وہ چیخا۔ "میں اس کے لئے اپنا خون کر سکتا ہوں۔" وہ مسہری پر بے ہوش صبا کے بدن پر گر گیا اور اسے نوچنے لگا۔

میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اٹھایا اور انکا سے کہا۔ "اس بدبخت کو نیچے لے جاؤ۔ یہ صرف تمہارے قابو میں آئے گا۔ میں اس پر اپنی قوت کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔"

انکا کے جانے کے بعد سلامت جان کی درندگی اور سرکشی ماند پڑ گئی۔ وہ کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح کمرے سے نکلا جیسے ابھی کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ میں صبا کے ...

جان کی دست درازی سے صبا کا گریبان چاک ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی نظریں پھیر کر اسے درست کیا۔ سید نے مجھے عجیب شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ "سید! کب تک پردہ پوشی کرو گے؟ میں اسے نہیں چھوڑوں گا اور دیکھوں گا کہ تم کب تک بے نیاز رہتے ہو۔"

میں نے مسہری کے قریب ہی آرام کرسی پر دراز ہو کے آنکھیں موند لیں۔ میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب انکا میرے سر پر وارد ہوئی۔ اس نے بتایا کہ وہ سلامت جان کو سلا کر آ رہی ہے۔ میں خاموش رہا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کو دیکھا، وہ بار بار کرب سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس کے انداز سے خوف و دہشت مترشح تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے سرخ ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"کیوں......؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "کچھ بدلی بدلی نظر آتی ہو۔"

"جمیل! میں وہ......" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی پھر چونک کر مجھے یوں گھورنے لگی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہو۔ میں اس کی عادتوں سے واقف تھا۔ میں نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا، وہ سخت مضطرب تھی۔

"کیا تلاش کر رہی ہو، انکا؟ میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"جمیل! مجھے ہر طرف گرد و غبار نظر آ رہا ہے۔ میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔"

"سر سے نیچے اتر کے میرے پہلو میں آ جاؤ۔ میرے سینے سے لگ کر آنکھیں موند لو۔ تمہاری بے چینی کو قرار آ جائے گا۔"

"جمیل!" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس لڑکی کو واپس اس کے گھر پہنچا دو۔"

"یہ یہاں محفوظ ہے، میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ بوڑھا......!" انکا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"تمہاری نظریں اسے نہیں پہچان سکیں گی، سوچنا چھوڑ دو۔ اور وقت کا انتظار کرو۔"

"کیا تم یہ اندھیرا محسوس نہیں کر رہے ہو جو چاروں طرف پھیل رہا ہے۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتاؤ، تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے؟"

"تاریک اور گھپ اندھیرے میں چنگاریاں سی چٹک رہی ہیں۔"

انکا کے لہجے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے نندا کی تربیت کا سہارا لیا لیکن مایوسی ہوئی۔ مجھے خود بھی حبس اور گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ میں تیزی سے اٹھا۔ انکا بار بار پلکیں جھپکا کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں زینے سے نیچے اتر کر فوراً سلامت جان کی خواب گاہ کی طرف لپکا۔ سلامت

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جان کی خواب گاہ کا دروازہ خلاف توقع کھلا ہوا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ سلامت جان کا لباس تار تار تھا۔ شراب کی بلوریں پیالیاں اور بوتلیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ اس کے چہرے پر دیوانگی برس رہی تھی۔ اسے اس عالم میں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ ایک بڑا کنستر ہاتھ میں لیے کسی محلول سے فرنیچر تر کر رہا تھا۔

"سلامت جان! یہ کیا دیوانگی ہے؟" میں نے چیخ کر اسے مخاطب کیا۔

"تم، جمیل احمد خان۔" وہ تیزی سے میری سمت پلٹا۔ وہ اور غضب ناک لہجے میں بولا۔ "میرے حجلۂ عروسی سے چلے جاؤ۔ تم نے صبا کی سہاگ رات میں مخل ہونے کی کوشش کی ہے، میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

میں انکا کو سلامت جان کے سر پر بھیجنے کا حکم دے ہی رہا تھا کہ اس نے ایک جھٹکے سے شمع دان گرا دیا۔ ایک چنگاری لپکی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے شعلے بھڑک اٹھے۔ انکا سلامت جان کے سر پر جانے کے بجائے میرے سر پر زور سے چیخی۔ "جمیل! حویلی سے باہر نکلو، سب کچھ ختم ہونے والا ہے، میں یہاں دھواں ہی دھواں دیکھ رہی ہوں۔"

میں نے سلامت جان کو شعلوں سے نکالنا چاہا مگر وہ خود اپنے کپڑوں میں آگ لگا رہا تھا۔ اس پر بھی میں نے اس کی آستین پکڑ لی مگر انکا نے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ میں سلامت جان کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ سارا کمرا آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ سلامت جان قہقہے لگاتا ہوا مڑ مڑ کر کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ زور سے اپنا ہاتھ چھڑا کر دوبارہ جلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اب اسے باہر نکالنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے آگ سرد کرنے کے لئے اپنی باطنی صلاحیتیں آزمانے کی کوشش کی۔

اس کوشش میں یہ ہوا کہ آگ اور بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے اس نے یہ عظیم حویلی اپنی وسیع آغوش میں لے لی۔ ہر طرف چیخ پکار شروع ہو گئی تھی۔ میرا عزیز دوست میرے سامنے جل رہا تھا اور میں اپنی غیر معمولی پُراسرار طاقتوں کے باوجود اسے بچا نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف صبا تھی۔ زینے پر، اوپر نیچے ہر سمت آگ لگ رہی تھی اور صبا تک پہنچنا دشوار تھا لیکن میں سید کے خیال میں پھنکارتے شعلوں کے ہجوم میں راستہ تلاش کرتا اور خود کو بچاتا ہوا اوپر پہنچا۔ صبا کی مسہری خالی پڑی تھی، میں چھت پر گیا، اِدھر اُدھر کے جھلتے کمرے میں دیکھے۔ صبا کا کہیں پتا نہ تھا۔ سلامت جان کی دو منزلہ عالی شان حویلی دھماکوں کے ساتھ منہدم ہو رہی تھی اور خوف ناک چیخیں شعلوں کے ساتھ مل کر ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ رنگ و نور کا شبستان جل رہا تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ مجھے بھاگتے ہوئے ملازم دکھائی دیے اور بھاگتی ہوئی لڑکیاں نظر آئیں۔ ہر شخص کو اپنی زندگی کی فکر تھی۔ میں بھی اِدھر اُدھر بھاگتا پھر رہا تھا۔ کئی

اپنے کاندھے پر اٹھا کر بچا لے آیا اور انہیں باہر چھوڑ کر پھر اندر آگ میں گھس گیا۔ آخر میں اندر جانا بھی ناممکن ہو گیا کیونکہ بڑی بڑی دیواریں اپنی بنیادوں سے جدا ہونے لگی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں کوئی دھکیل رہا ہو، کوئی گرا رہا ہو۔

"انکا!" میں نے اپنا ماتھا پونچھتے ہوئے کہا۔ "صبا کا پتا لگاؤ، میں ادھر لڑکیوں کو دیکھتا ہوں۔ جلدی جاؤ، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

انکا پھدک کر میرے سر سے اتر گئی۔ اس کی واپسی فوراً ہوئی۔ وہ مایوس لوٹی تھی اور کچھ بتانے سے قاصر تھی۔ میں نے پھر آگ میں کودنا چاہا لیکن انکا نے مجھے روک لیا۔ "اب وہاں کچھ نہیں رہا۔" وہ اداسی سے بولی۔

سلامت جان نے حویلی شاید اسی لیے آبادی سے کچھ دور بنائی تھی تا کہ وقت پڑنے پر کوئی مدد کو بھی نہ آ سکے اور جو کچھ ہونا ہو فوراً ہو جائے، کچھ بھی نہ بچے، کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اس نے اپنی موت کا جشن خوب دھوم دھام سے منایا۔ خوب پھلجھڑیاں چھوٹیں۔ میری آنکھوں کے سامنے میرا آشیانہ راکھ ہو رہا تھا۔ حویلی کے کھنڈر سے دور کھردری زمین پر نازک بدن لڑکیاں کراہ رہی تھیں۔ آگ بجھنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ صبح سویرے کئی امدادی پارٹیاں آگ بجھانے آ گئیں اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ میرے زخم معمولی تھے اور میں زخموں کا عادی بھی ہو گیا تھا۔

میں نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا اور وہ مسخ لاشیں دیکھتا رہا جو حویلی سے برآمد کی جا رہی تھیں۔ شام تک میں ملبے کے قریب بیٹھا رہا۔ آگ بجھ چکی تھی مگر اس نے سب کچھ نگل لیا تھا۔ ہر سمت شیشے بکھرے ہوئے تھے۔ اسی ملبے سے سلامت جان کی لاش نکلی جو پہچانی نہیں جاتی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ کل رات یہی شخص زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں اسی لیے ٹھہرا ہوا تھا کہ آخری بار اس کی صورت دیکھ سکوں۔ جب لاش چلی گئی تو میں اس کھنڈر سے اٹھا۔ میرے لیے سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پیدل چلتا ہوا میں شہر تک آ گیا۔ اس حادثے پر انکا کے منہ سے بھی کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ بولا ہی نہیں جا رہا تھا، چلا ہی نہ جاتا تھا...... پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے اور جسم پیروں پر اپنا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

چیختے ہوئے جسم، جلتی ہوئی عمارتیں، خون، خوف، اندھیرے بلکتے ہوئے چہرے اور سلگتی ہوئی آنکھیں۔ میری آنکھیں انہیں دیکھتے دیکھتے بجھنے لگی تھیں اور میرے کان انہیں سنتے سنتے پھٹنے لگے تھے۔ خود سے کئی بار شدید نفرت کی تھی مگر دنیا نے اس نفرت کی اجازت نہیں دی۔ کئی بار یہ قصہ میں نے تمام کرنا چاہا مگر لکیریں مٹتی ہی نہیں تھیں۔ انکا اور میں چپ، گم صم پھر اَن دیکھی منزل کی طرف جا رہے تھے۔

"اب کہاں چلو گے؟" انکا نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''کہاں جائیں؟'' میں نے مردہ آواز میں پوچھا۔

''بمبئی چلیں، تزئین اور سید غوث وغیرہ کو دیکھیں، کچھ دل بہل جائے گا۔ یہاں تو سارے چراغ بجھ چکے۔'' انکا کی آواز میں بڑی کسک تھی۔

''نہیں وہ لوگ خوش ہیں۔ ہم بڑے منحوس ہیں۔ جدھر جاتے ہیں وہاں تباہی آ جاتی ہے۔ انہیں کیوں پریشان کریں، چلو کسی قبرستان میں چل کر رہتے ہیں۔ کسی قبر میں آشیانہ بناتے ہیں۔'' میں نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

''تم تو مر سکتے ہو، مجھے اپنی موت پر بھی اختیار نہیں۔''

چار مینار، حیدر آباد کی مشہور عمارت ہے۔ میں اس کے ایک دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، جس کا رخ مشہور مکہ مسجد کی طرف تھا۔ عشا کی اذان ہوئی تو میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ مجھ سے وہاں بیٹھا نہ گیا۔ میں مخالف سمت، چار کمان جانے والی سڑک پر ہولیا۔ چار کمان سے کچھ دور ایک ندی ہے۔ غالباً موسیٰ ندی۔ اس کے اوپر ایک پل بنا ہے جو شہر کا یہ حصہ دوسرے حصے سے ملاتا ہے۔ وہیں جنگلے کے سہارے کھڑا رہا اور جب کھڑا ہونا بھی مشکل ہو گیا تو حیدر آباد کی تاریخی لائبریری کے لان میں لیٹ گیا۔ ہوا خنک تھی۔ لیٹا رہا، صبح ہو گئی۔ پھٹے ہوئے جلے ہوئے اور گندے لباس نے لوگوں کی توجہ جلد ہی مبذول کر دی۔ وہ مجھے پریشان کرنے لگے۔

''کون ہو؟ کیا نام ہے کیا کرتے ہو؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟'' میں نے جھڑک دیا۔ ''اپنا کام کرو بھائی!'' کوئی پاگل کہتا اور کوئی کہتا کہ پہنچا ہوا شخص ہے۔ انہی خطابات کی گونج میں اور اسی ادھیڑ بن میں مجمع چیرتے ہوئے پولیس کے چند جوان آ گئے اور انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے باز پرس شروع کر دی۔ میرا جلا ہوا لباس چغلی کھا رہا تھا۔ وہ میری تلاش میں تھے اس لیے کہ سلامت جان کے ہاں سے برآمد ہونے والی لڑکیوں نے پولیس کو سلامت جان کے نشاط کدے کا سارا حال بتا دیا تھا۔ اس میں، میرا نام بھی آیا تھا۔ پولیس والے کے تخاطب سے اندازہ ہوا کہ سلامت جان کی حویلی سے متعلق خاصے چرچے ہو رہے تھے۔ انکا نے ایک دن کی خاموشی کے بعد کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ پولیس والے مجھے جبراً اٹھا کر تھانے کی طرف لے جانے لگے۔ پیچھے ایک خلقت تھی، لوگ اشارے کر رہے تھے اور عجیب عجیب قصے اس حویلی کے متعلق ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ تھانے تک بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ میں سر جھکائے تھانے میں داخل ہوا۔ مجھے سوالات کے کمرے میں لے جایا گیا۔ انسپکٹر سوالات کرتا رہا، میں بالکل خاموش رہا۔ میری خاموشی سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حویلی کے حادثے نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس وقت تو ان سے چھوٹ مل گئی مگر زیادہ دیر تک تھانے میں قیام کرنا کسی صورت مناسب نہیں تھا۔ پولیس سے میری آشنائی پرانی تھی۔ جلد ہی رہائی کے لئے کوئی قدم

اٹھانا تھا۔ میں تفصیل سے بچوں گا کیونکہ اس سے پہلے کئی مرتبہ اسی قسم کے حالات کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ انکا ایسے موقعوں پر بڑی فعال ہو جاتی تھی۔ دوپہر کے وقت جب زندگی کے ہنگامے عروج پر تھے، میں تھانے کے خاص دروازے سے بے جھجک باہر آ گیا اور جہاں تک بھاگ سکتا تھا، بھاگتا رہا۔ انکا تھانے میں اعلیٰ افسر کے سر پر بیٹھی تھی، جس نے میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا اور تھانے کے عملے نے بھی مجھے اپنے افسر کے حکم پر حیرت کے ساتھ باہر جانے دیا تھا۔ انکا کو کم از کم اتنی دیر تک ضرور اس اعلیٰ افسر کے سر پر رہنا تھا، جب تک میں حیدر آباد سے دور نہ نکل جاؤں اور یہی ہوا۔ میں گلبرگہ جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا اور ٹرین حیدر آباد کی حدود سے نکل گئی تو انکا میرے سر پر آئی۔

سید مجذوب سے میری پہلی ملاقات گلبرگہ میں ہوئی تھی۔ اس کا سلسلہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ سے ملتا تھا۔ میں نے آخر کار گلبرگہ ہی میں سید مجذوب کو تلاش کرنے اور حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن میں تین ماہ تک گلبرگہ کے قریب بھٹکتا رہا اور شہر میں داخل نہیں ہو سکا۔ ہر بار کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آ جاتا تھا۔ کبھی پولیس کی وجہ سے مجھے راستہ بدل دینا پڑتا تھا۔ کبھی میرے سینے میں سخت درد ہونے لگتا تھا۔ کبھی میں غلط گاڑی میں بیٹھ جاتا تھا اور کسی دوسرے اسٹیشن پر اتر جاتا تھا۔ کبھی بس کا حادثہ ہو جاتا تھا، ایک سے ایک افتاد لیکن کسی حادثے کے بعد میں نے ہمت نہیں ہاری۔ میں گلبرگہ کی سمت پیدل ہی چلا لیکن گلبرگہ نہ پہنچ سکا۔ راستے میں بہک جاتا اور کسی دوسری بستی میں نکل جاتا۔ آخر تین ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد گلبرگہ شہر میں داخل ہو گیا لیکن شہر میں داخل ہوتے ہی پولیس نے مجھے گھیر لیا اور گداگروں کی ایک ٹولی نے پتھروں سے مجھ پر یلغار کر دی۔ میرا ماتھا کھل گیا اور جسم سے خون اتنا بہا کہ میں چلنے پھرنے میں بھی کمزوری محسوس کرنے لگا۔ پولیس سے تو میں نے کئی جگہ چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ انکا لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس لاتی اور تیمارداری کراتی۔ وہ مجھے پولیس سے نجات دلاتی اور اپنی بساط کے مطابق جگہ جگہ بچاتی رہی۔ میں ایک بچہ تھا جو انکا کی لاٹھی کے سہارے مقام بہ مقام بدل رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے گلبرگہ چھوڑ دیا۔ اعصاب جواب دے رہے تھے۔ میں ٹمٹما رہا تھا اور خود کو اِدھر سے اُدھر گھسیٹے لیے پھرتا تھا۔ صبح، سفر، شام سفر، رات کو کسی سرائے میں یا پھر یوں ہی کسی دکان کے تھڑے پر۔ دیہات میں کسی درخت کے نیچے۔ انکا موجود تھی اور اشارے پر وہ میرے لیے دولت اکٹھی کر سکتی تھی۔ دولت کا جو مظاہرہ سلامت جان کی حویلی میں دیکھا تھا وہ اور کہاں نظر آتا؟ دولت سے جی بھر گیا تھا۔ دنیا میں نے کون سا غم، کون سی خوشی نہیں دیکھی تھی؟ اب نہ خوشی میں لذت تھی، نہ غم کوئی دکھ پہنچاتا تھا۔ ایسی منزل آ گئی تھی جہاں ہر رنگ پھیکا نظر آئے اور بُو اور ذائقے کی تمیز ختم ہو جائے۔ دنیا بڑی ظالم شے ہے، آدمی کو جکڑتی ہے۔ بہت دنوں بعد کہیں طبیعت سنبھلی اور وہ بھی یوں جب متھرا کا اسٹیشن آیا اور ... بال سر منڈائے ہوئے پنڈتوں کی ایک ٹولی دیکھی۔ انہیں دیکھ کر مجھے بدری نرائن یاد آ گیا اور احساس ہوا، ابھی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اور زندہ رہنا ہے۔ مرنے سے پہلے ایک فرض انجام دینا ہے۔ اسی لمحے میں نے انکا سے کہا۔ ”کچھ اور نہیں تو اسی کو تلاش کیا جائے۔“

”اس کا خیال چھوڑ دو، میری مانو تو بمبئی چلو۔“ انکا نے مجھے ٹالتے ہوئے کہا اور بمبئی چلنے پر ضد کرنے لگی۔

انکا کا خیال تھا، میں نے ایک عرصے سے مراقبے، تزکیہ نفس ارتکاز اور تنفس وغیرہ کی مشقیں نہیں کی ہیں اس لیے فی الحال میرا بدری نرائن سے ملنا مناسب نہیں ہے۔ گھومتا گھومتا میں بلدوانی تک پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایک سرسبز اور ویران مقام پر کوئی پچاس دن تک سخت سے سخت مشقیں کیں۔ میں ایک ایک ہفتے تک مراقبے میں ڈوبا رہا۔ ان کیفیتوں میں میری ابتر حالت معمول پر آنے لگی اور جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔ انکا کے لئے یہ ایک غیر دلچسپ کام تھا مگر وہ بڑی تن دہی سے ساتھ نبھا رہی تھی۔ پچاس دن کی اس محنت شاقہ کے بعد میں ہلدوانی سے چل پڑا۔ مجھے انکا نے بتایا تھا کہ بدری نرائن بنارس میں ہے۔ میں نے انکا کو خود سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ میرے سر پر انکا ہونے کے سبب سے بدری نرائن کو میری سمت کا پتا چل جاتا تھا اور وہ جگہ بدل دیتا تھا۔ خود میری نقل و حرکت سے وہ اس وقت تک لاعلم رہتا جب تک میں اس بستی کے قریب نہ پہنچ جاؤں، جہاں وہ موجود ہے۔ انکا کو یہ جدائی بڑی شاق گزر رہی تھی۔ وہ میرے بنارس جانے پر ناراض تک ہوگئی اور اس نے اپنی سمت بنارس کے مخالف کر دی، یعنی وہ بمبئی چلی گئی اور میں تنہا بنارس روانہ ہوگیا۔

بنارس قریب آ رہا تھا اور میری آنکھیں چہار سمت دیکھنے پر قادر تھیں۔ میں ایک طرح سے مسلسل ارتکاز میں تھا۔ بدری نرائن ابھی تک بنارس میں مقیم تھا۔ میں اپنے اس دشمن کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور اس خیال سے میرا دل عجب خوشی اور ولولے سے معمور تھا کہ اس بار وہ میری دست برد سے بچ کر نہیں جائے گا اور میں سکون کے ساتھ مر سکوں گا۔ اس بار بدری نرائن کے تعاقب میں آنکھ مچولی کا کھیل نہیں ہوا۔ بنارس میں داخل ہوتے وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ بنارس ہی میں ہے۔ میں اس کے بہت نزدیک تھا۔ میں نے احتیاطاً انکا کو بلا لیا۔ انکا نے آتے ہی مجھے بمبئی میں تزئین، سید غوث، پریم اور مالا کے قصے سنانے چاہے لیکن سنا نہیں سکی۔ میں اپنی تمام تر توجہ بدری نرائن پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔ انکا نے مجھے ایک نئی اطلاع فراہم کی تھی۔ بدری نرائن کا قیام ایک مقامی پنڈت امر لال کے ہاں تھا۔ میں تنہا تھا، ساز و سامان کے بکھیڑوں سے آزاد۔ اسٹیشن سے سیدھا بدری نرائن کی طرف روانہ ہوگیا۔ دیر لگانے کی صورت میں اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا احتمال تھا۔ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ مجھے اور انکا کو بنارس میں اپنے قریب محسوس کرنے کے باوجود بدری نرائن نے کسی قریبی مندر میں چھپ کر راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی۔

”وہ ایک بڑے گشتی مندر کی پناہ میں ہے۔“ انکا نے میرے استفسار پر جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“

”امر لال چالیس سال تک ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں اور ویران گپھاؤں میں کٹھن تپسیا کے بعد واپس آیا ہے۔ بدری نرائن نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اسی لیے اس کے ہاں پناہ لی ہے اور اس نے اسے تمہارے خلاف پوری طرح تیار کر دیا ہے۔“ انکا نے کہا۔

”تو اس کا مطلب ہے امر لال سے معرکہ دلچسپ اور شان دار رہے گا۔ آخری معرکہ تو اسی دھوم سے ہونا چاہیے۔“

”جانے سے پہلے کہیں بیٹھ کر کچھ دیر سوچ لو۔“

”کیا تم نہیں چاہتیں کہ وہ کمینہ اپنے انجام کو پہنچے۔ کیا تمہیں اس کا خون پینے کی خواہش نہیں ہے؟“

انکا نے میرے تیور دیکھ کر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جب بھی میرے چہرے پر تلخی دیکھتی، خاموش رہ جاتی۔ امر لال کا قیام بنارس کے آخری سرے پر واقع ایک پُرسکون مکان میں تھا جو ایک مہاجن کی ملکیت تھا۔ امر لال کے لئے اس نے اپنا مکان خالی کر دیا تھا۔ اس مکان تک پہنچنے میں مجھے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

کلدیپ نے پریتم لال کے استھان سے نیچے اترنے سے انکار کر کے میری زندگی میں جو زہر گھول دیا تھا وہ میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اب کون کم بخت زندہ رہنا چاہتا تھا؟ انکا بے چین نظر آ رہی تھی۔ وہ کہتی تھی۔ مجھے خطرہ لاحق ہے۔ میں کہتا تھا خطرہ تو اسے لاحق ہوتا ہے جو جینے کی آرزو کرے۔ فیصلہ تو کسی طور ہونا ہی چاہئے۔ میں آسانی کے ساتھ مکان میں داخل ہوگیا۔ اس وقت میرے جوش اور غضب کا کیا عالم تھا؟ یہ ناقابل بیان ہے۔ اِدھر اُدھر کمروں سے گزر کر میں اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ بدری نرائن کی شکل نظر آتی تو سارے جسم میں خون دوڑنے لگا۔ میں نے امر لال کو غور سے دیکھا۔ انکا کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ امر لال حقیقتاً ایک بڑا گیانی دھیانی شخص معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تابانی اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ اس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ باطنی علوم کی تحصیل میں صرف کیا ہے۔ اس کے چہرے پر بلا کا اعتماد تھا۔ عمر کے اعتبار سے وہ ساٹھ سال کے لگ بھگ نظر آ رہا تھا۔ قویٰ خاصے مضبوط تھے۔ سر انڈے کے چھلکے کی طرح بے داغ تھا۔ بدن پر گیرو رکھا تھا۔ وہ ایک اونچی مسہری پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا اور بدری نرائن پوری عقیدت سے اس کے پائنتی بیٹھا پاؤں دبا رہا تھا۔ نرگس اور مالا کے چہرے، جگہ جگہ کی اذیتیں، کالی کے پرانے مندر کا تہ خانہ، خونخوار چو ہے۔ بدری نرائن کو دیکھ کر مجھے ہر بات ہر اذیت یاد آ گئی۔ میں ہندوستان کے بہت سے پنڈتوں،

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

پجاریوں کو ختم کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور اب میرا دشمن میرے سامنے تھا۔

انکا نے میرا سر جھنجوڑ کر کہا۔ ''جمیل! اس پر فوراً حملہ کر دو، رعایت سے گریز کرو۔''

''دیکھتی رہو، میں اسے للکارے بغیر نہیں ماروں گا۔''

''وار کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔'' انکا ہیجانی انداز میں بولی۔

''تم دخل اندازی کر رہی ہو۔ میں کہتا ہوں چپ رہو۔''

''میری بات مان لو۔'' انکا عاجزی کے ساتھ گویا ہوئی۔

میں دروازے کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ جب دروازہ کھول کر میں اندر پہنچا تو بدری نرائن نے میری شکل دیکھی اور اچانک ایک فٹ اوپر اچھل پڑا۔ ''مہاراج! مہاراج!'' اس نے فوراً امرلال کے پیر پکڑ لیے۔ ''مہاراج، آنکھیں کھولو۔ وہ دشٹ آ گیا ہے۔'' اس نے گھبرائے لہجے میں امرلال کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''ارے آنے دے۔'' امرلال نے آنکھیں بند کیے کیے جواب دیا۔

''مہاراج! اب تمہارے وچن نبھانے کا وقت آ گیا ہے۔ آنکھیں کھول کر اس ملیچھ کو دیکھ لو جس نے ہمارے کئی دھرماتماؤں کا خون کیا ہے؟'' بدری نرائن بے تابی سے بولا۔

''کیا ہے؟'' امرلال نے بے دلی سے کہا۔ ''مہمان ہے سواگت کر۔''

بدری نرائن کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ اس کے چہرے پر دہشت طاری تھی۔ امرلال نے کروٹ بدل کر مجھے بڑی بے پروائی سے دیکھا اور اچانک اس کی نگاہوں میں تجسس کی رمق نمودار ہوئی۔ میں نے پلکیں نہیں جھپکائیں۔ وہ میرے اندر دیکھ رہا تھا مگر میں نے پہلے ہی اپنے گرد ایک مضبوط دائرہ کھینچ لیا تھا۔ انکا کی حالت ہم دونوں سے مختلف تھی۔ وہ میرے سر پر بت بنی بیٹھی تھی۔ بدری نرائن اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ہر شے گنگ نظر آ رہی تھی۔ ایک گہرا سکوت طاری تھا؛ جس وقت میں نے پتلیاں حرکت دے کر کھینچیں امرلال کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ میں نے اس کے بجائے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔

''مہاراج امرلال نے کیا کہا، سنا تم نے؟ سواگت کرنے کو کہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے غور سے دیکھو۔ یہ میں ہوں جمیل احمد خان، تیرا پرانا متر۔ پورے بھارت میں گھمایا اور ہاتھ نہ آیا۔ اب سامنا کرنے سے کیوں کترا رہا ہے۔''

''پاپی!'' بدری نرائن نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''مجھے تیری ہی تلاش تھی، پر تو سامنے نہیں آیا تھا۔''

''سو آ گیا۔ خوب بدری نرائن خوب، تجھے تو کسی ناٹک میں ہونا چاہیے۔ تو نے بھارت کے کتنے مہان پنڈتوں پجاریوں کو دھوکا دیا، ان کا خون کرایا اور تو اور، تو نے مہاراج امرلال جیسے مہاپُرش کو بھی

درمیان میں گھسیٹ لیا۔ مجھے تلاش کر رہا تھا؟ لے میں خود تیرے پاس چلا آیا۔'' میں زہرخند سے بولا۔

''اب تجھے کالی کے کشٹ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

''کالی کا نام کیوں درمیان میں لاتا ہے، یہ تجھے شوبھا نہیں دیتا۔'' پھر میں نے امرلال کو مخاطب کیا۔ ''مہاراج! تم تو ایک بلوان اور مہان پجاری ہو۔ تم نے اسے سراپ نہیں دیا؟ تم نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔''

''بالک!'' امرلال جو ابھی تک خاموشی سے ہماری تلخ گفتگو سن رہا تھا، نہایت ملائم آواز میں بولا۔ ''بالک! تیری جڑیں ابھی کمزور ہیں جا، اپنی جڑیں اور مضبوط کر لے۔ تو اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ تو نے تپسیا کی ہے۔ بھگتی کی ہے۔ میرے آشرم میں آ جا، میرے ساتھ رہ۔ من کا میل دور کر۔ سمجھا میں کیا کہہ رہا ہوں؟ آ میرے پاس بیٹھ جا۔ بدری جا تو جل لا۔ جمیل احمد خان نے بہت سے پنڈتوں پجاریوں کو مارا ہے، پر وہ دھرم کے بہت کام آ سکتا ہے۔ میں اس کا نیا نام رکھوں گا۔ بھگت رام، رام کو بھی یہ نام پسند آئے گا۔''

''مہاراج! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' بدری نرائن ناراضی سے بولا۔

''میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں بدری!'' امرلال نے نرمی سے کہا۔

''میرا نام جمیل احمد خان ہے مہاراج!'' میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ''اور نام بدلنا مجھے پسند نہیں۔''

''پر تیرے ڈانڈے تو کہیں اور سے ملتے ہیں۔ تو کب تک بیاکل رہے گا۔ میرے پاس بیٹھ جا۔ یہاں چھاؤں ہی چھاؤں ہے، تجھے بڑا آنند ملے گا۔'' امرلال نے بڑی شیریں اور ٹھنڈی آواز میں کہا۔

''آنند۔ شانتی۔ اس پاپی کی موجودگی میں؟'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''میں جس کارن آیا ہوں مہاراج، اس کی بات کرو، میں بھی تمہیں شانتی اور آنند کے مشورے دے سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے نہیں جانتے۔ تم درمیان میں نہ آؤ مہاراج! میرے اور بدری نرائن کے کچھ پرانے حساب ہیں۔''

امرلال کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں ابھریں لیکن وہ نرمی سے بولا۔ ''اب چھوڑو، پرانے بہی کھاتے۔ یہاں نہیں بیٹھنا تو یہاں سے چلا جا۔''

''تم سے پہلے بدری نرائن کے کچھ اور حمایتی بھی اسی انداز میں میری رکاوٹ بن رہے تھے۔ کیا تمہیں ان کا انجام معلوم ہے؟'' میں نے تیکھے پن سے کہا۔

امرلال غضبناک ہو گیا۔ ''ارے تو کیسی باتیں کرتا ہے؟''

''یہ باتیں تم سمجھنا بھی چاہو تو سمجھ نہیں پاؤ گے مہاراج! تم نے بدری نرائن جیسے نیچ جانور کے سر پر کچھ سوچے سمجھے بغیر ہاتھ رکھا ہے۔ اگر شکتیہ کی تلاش ہے تو اس بیچ میں مت بولو، خاموش رہو اور اسے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میرے حوالے کر دو تا کہ اس کا قیمہ کر کے گدھوں کی دعوت کروں؟" میں نے طیش میں آ کر کہا۔

"مہاراج!" بدری نرائن میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کے بولا۔ "مہاراج، یہ مسلا تمہارا اپمان کر رہا ہے۔"

"تو نامرد ہے بدری نرائن۔ تو زنخا ہے، تو بھڑوا ہے۔ آ میرے سامنے آ۔" میں نے گرج کے کہا۔ "آج تجھے میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

بدری نرائن کے ہونٹ خود بخود کسی منتر کے لئے جنبش میں آ گئے۔ میں نے انگلی اٹھائی تو وہ بلبلاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ میں نے اپنی تمام باطنی طاقتیں نگاہوں میں سمیٹیں لیکن اس سے قبل کہ میں بدری نرائن پر دوسرا حملہ کرتا، امرلال نے نفرت سے میرے دائرے میں تھوک دیا۔ اس کے تھوکتے ہی میرے قدم زمین پر لڑکھڑانے لگے۔ جیسے زمین میرے قدم جمانے پر ناراض ہو گئی ہے اور مجھے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ میں گڑ بڑا کر گر گیا۔ امرلال نے اسی وقت ایک تیز پھونک ماری جیسے گرم کھولتا ہوا پانی میرے چہرے پر ڈال دیا گیا ہو۔

میں چند لمحوں کے لئے بینائی سے محروم ہو گیا۔ امرلال کی چنگھاڑتی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "اپرادھی! میرے سامنے چمتکار دکھا رہا تھا۔"

میں اس اچانک حملے سے بوکھلا گیا تھا۔ بینائی بحال ہوئی تو میں نے دوبارہ خود کو محفوظ کرنے کے لئے دائرے میں کر لیا اور ذرا پیچھے ہٹ گیا تا کہ امرلال کا تھوک وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ بدری نرائن کا چہرہ تمتما رہا تھا اور امرلال کے چہرے پر سخت درشتی اور برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ انکا میرے سر سے غائب ہو چکی تھی۔ امرلال نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔ "بس۔ کیا ابھی تیرا دل نہیں بھرا؟ میں تجھے اور اوسر (موقع) دیتا ہوں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ تیرے ہی بھلے کے لئے ہے۔ بھلی بات کہنے کا سمے نکل گیا تو پچھتائے گا، مان لے، بالک مان لے۔"

"امرلال!" میں نے تحمل سے اسے مخاطب کیا۔ "تمہاری تپسیا میں کوئی کھوٹ نہیں ہے لیکن تم مجھ سے کیوں الجھ رہے ہو۔ یہ میرے اور بدری نرائن کا معاملہ ہے۔"

"بدری میرے آشرم میں ہے۔ وہ میرا چیلا ہے۔"

"تمہارا چیلا اتنا نیچ نہیں ہو سکتا۔" میں نے نفرت سے کہا۔

"چپ ہو جا کمینے! چپ ہو جا۔" امرلال گرج کر بولا۔

میں نے امرلال کو نظر انداز کر کے بدری نرائن کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں نے غصے میں اپنا گریبان پھاڑ دیا اور بدری نرائن پر ایک نیا حملہ کیا۔ بدری نرائن اس حملے کی تاب نہ لا سکا۔ اس کے منہ سے خون ابلنے لگا۔ امرلال نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر زور سے

جھٹکا۔ بدری نرائن کے کراہتے ہوئے جسم کو قرار آ گیا۔ وہ سہم کر امرلال کے پیچھے ہو گیا لیکن میں نے نندا کا ایک کارگر عمل کر کے اسے دوبارہ تڑپنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے حلق سے بڑی کرب ناک چیخ نکلی۔

"میں کہتا ہوں، یہ نوٹنکی بند کرو۔" امرلال نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تو مجھے غصہ دلا رہا ہے۔"

"نوٹنکی تو ابھی شروع ہوئی ہے مہاراج! ابھی راون چلا کہاں ہے؟ تم روک سکتے ہو تو روک لو۔" میں نے تمام اندیشے بالائے طاق رکھ لیے۔ بدری نرائن ابھی تک زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔

امرلال جھنجلا گیا۔ "بھگوان جانتا ہے، میں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ تو مکتی کے راستے پر نہیں آنا چاہتا۔ بس اب مجھ سے کچھ مت کہنا، میں تجھے آخری بار سمجھاتا ہوں۔" امرلال حقیقتاً اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب تک بدری نرائن کی طرف سے جتنے پنڈتوں، پجاریوں نے مجھ سے مقابلہ کیا، ان میں امرلال سب سے اونچا تھا۔ میں اسے الجھا کر بدری نرائن کو ختم کر دینا چاہتا تھا اور امرلال سے براہ راست کوئی معرکہ کرنے کے حق میں نہ تھا۔ میرا شکار بدری نرائن تھا لیکن امرلال بدری نرائن کی حمایت پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنی روداد اور بدری نرائن کے ظلم و ستم کی داستان سنانی چاہی۔ اس نے تحمل سے سب کچھ سنا مگر اپنے مؤقف سے نہ ہٹا۔ اس نے آخری بار وہاں سے بھاگ جانے یا بدری نرائن سے صلح کر لینے کی تلقین کی۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کا کہنا نہیں مانا تو وہ کوئی انتہائی اقدام کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

"سنو امرلال!" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "بدری نرائن نے تمہیں واقعات مسخ کر کے سنائے ہیں۔ تم مہان شکتی کے مالک ہو۔ کیا تمہاری نظریں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے سے قاصر ہیں۔"

"مجھے اونچ نیچ سمجھا رہا ہے؟ بھسم ہو جائے گا۔"

"وقت کم ہے امرلال، پہلے مجھے بدری نرائن سے دو دو ہاتھ کر لینے دو، پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ امرلال مہاراج۔" میں نے بے باکی سے کہا۔

امرلال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے گلے میں پڑی ہوئی گیروے رنگ کی ڈوری انگلیوں کے درمیان پھنسا کر اسے جھٹکا دیا اور اس کے لاتعداد بیروں نے ایک ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا۔ وہ میرے جسم کے مختلف حصوں کو کاٹنے لگے۔ میں حصار میں محفوظ تھا لیکن بیر اسے توڑ کر اندر آ گئے۔ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ میں ان تمام بیروں کو جلانے کا عمل کروں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ایک بہت مشکل لمحاتی مراقبہ کیا۔ وہ میرا جسم نوچ رہے تھے مگر میں چند ثانیوں کے ارتکاز میں کامیاب ہو گیا۔ اگر میں ہلدوانی میں دوبارہ ارتکاز کی مشقیں جاری نہ رکھتا تو بیروں نے میرا جسم ادھیڑ کر رکھ دینا تھا۔ میرے گرد اچانک گہرا دھواں چھا گیا۔ دھواں چھٹا تو میں نے امرلال کو مسکرا کے دیکھا۔ ناکامی نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اسے اور برانگیختہ کر دیا تھا۔ پھر امرلال پے در پے وار کرنے لگا اور ناکام ہوتا رہا۔ آخر وہ شدید اشتعال میں بولا۔ "پاپی! منڈل سے باہر آ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ تو کتنے پانی میں ہے۔"

"اتنی جلدی تھک گئے مہاراج! کیا منڈل کی شکتی توڑنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔؟"

معاً امرلال نے اپنے قریب رکھی ہوئی لوبان کی طشتری اٹھا کر میری طرف پھینک دی۔ اس کی راکھ میرے دائرے میں پھیل گئی اور میرا احصار ٹوٹ گیا۔ میں نے بدری نرائن کی طرف دیکھا تو چکرا کر رہ گیا۔ وہاں ایک کے بجائے تین تین بدری نرائن موجود تھے اور اصل بدری نرائن کی شناخت نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں اس صورت حال سے گھبرا گیا۔ مجھے معاملے کی تہ تک پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ عجیب حیرت کی بات تھی کہ بدری نرائن اور امرلال کے ساتھ دو جن بھی میرے مقابلے پر آ گئے۔ خود بدری نرائن بھی اپنے ہم شکلوں کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ ابھی میں موقع کی نزاکت کے مطابق کوئی قدم اٹھانے پر غور کر ہی رہا تھا کہ کمرے میں گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور ساتھ ہی میں زمین سے اٹھ کر اتنی شدت سے منہ کے بل گرا کہ میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔ امرلال میری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ میری احتیاطوں کا زور پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ امرلال نے دوسرا حملہ کیا۔ لمحوں کی دیر تھی، وہ کسی ایسے ہی موقع کے انتظار میں تھا۔ اس کے پاس طاقت کی کمی نہیں تھی جس کا تخمینہ میں پہلے ہی لگا چکا تھا۔

کاش میں چاروں طرف دیکھنے کے بجائے صرف اسی کی طرف غور کرتا مگر میں کیا کرتا، بدری نرائن، جن اور امرلال تینوں طاقتیں مجھ سے برسرپیکار تھیں۔ امرلال کے ایک اشارے نے مجھے شکنجے میں جکڑ کر بے بس کر دیا۔ میری زبان پر تالے پڑ گئے۔ انہوں نے کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا۔ میں حرکت کرنے سے بھی قاصر ہو گیا۔ دو جن جو بدری نرائن کا روپ دھار کر آئے تھے، شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اچانک غائب ہو گئے۔ امرلال کے چہرے پر بھی استہزائی تبسم جاگنے لگا۔ مجھے انکا یاد آنے لگی جس نے مجھے بنارس کی سمت کوچ کا ارادہ ملتوی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ دشمن سے کسی رعایت کی توقع فضول تھی۔ میں بری طرح ان کے دام میں آ گیا تھا۔ کوئی میری مدد کو بھی آنے والا نہیں تھا۔ جگدیو اور پریتم لال مر چکے تھے۔ کلدیپ نے رشتہ توڑ لیا تھا، انکا اس بوڑھے پجاری امرلال کی مہان شکتیوں کا اندازہ کر کے پہلے ہی رخصت ہو گئی تھی۔ اور وہ شفیق کلپنا...... اسے بھی میں نے ایک عرصے سے نہیں دیکھا تھا، صرف ایک خیال تھا کہ شاید سید آ جائے مگر سید کیوں آتا؟ وہ بھی تو مجھ سے ناراض ہو گیا تھا۔ اب میں امرلال کے رحم و کرم پر تھا اور مجھے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔

"اب کیا وچار ہے مورکھ!" امرلال کمال شفقت سے بولا۔ "تیری اکڑفوں کہاں گئی پھنے باز خان!"

"مہاراج!" بدری نرائن، امرلال کے پیر پکڑتے ہوئے بولا۔ "مجھے آگیہ دو۔ اسے میرے حوالے کر دو۔ میں اس کے گلے میں پٹا ڈال کر اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اور میرا وچار یہ ہے مہاراج! اسے چھوڑا بھی نہ جائے، اسے ترنت موت کے گھاٹ اتار دیا جائے!" بدری نرائن جوشیلے لہجے میں بولا۔

"نہیں بدری!" امرلال نے اسے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "تو دور رہ۔ میں اسے سراپ دوں گا۔" پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ "دیکھا تو نے؟ میں کیا کہتا تھا۔ ذرا ہونٹ کھول کے دیکھ۔ ذرا اپنی گز بھر کی زبان دیکھ۔ ذرا اپنا شریر دیکھ۔ میں نے تجھے بہرا نہیں کیا ہے تاکہ تو سن سکے۔ اور سن او بھلے مانس۔ تیری یہ سب کٹھنائیاں ابھی دور ہو سکتی ہیں۔ میں تجھے وچن دیتا ہوں۔ تو میرے چرنوں میں بیٹھ کر تپسیا کر۔ میں تجھے بلوان بناؤں گا اور تو دھرم کا نام اونچا کرنا اور دیوتاؤں کے ہردے میں رہنا۔ سمجھا، سنا میں کیا کہہ رہا ہوں؟" امرلال نے شفیق لہجے میں مجھ سے پوچھا اور میرے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔

میں نے اپنا جسم جھنجوڑنا چاہا اور اس شکنجے سے آزاد ہونے کی کوشش کی جس میں امرلال نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میرے جسم میں کچوکے لگنے لگے۔ امرلال کی باتوں میں صداقت تھی۔ وہ مجھے رعایت دے رہا تھا اور بدری نرائن سہما ہوا کھڑا تھا کہ کہیں میں امرلال کی باتوں پر ہاں نہ کر دوں۔ میں نے اپنے جسم کے تمام غصے کا آنکھوں سے اظہار کرنے کا ارادہ کیا اور نفرت سے گردن ہلانی چاہی۔ میرا احقارت آمیز انکار امرلال پر منتقل ہو گیا۔ امرلال میرے انکار پر ناراض ہونے کے بجائے مسکرانے لگا۔ "اسی لیے میں کہتا ہوں بدری۔ یہ بڑا جوان ہے۔ یہ تیرے ساتھ بیٹھے گا تو تم دونوں مل کر ہاتھی بن جاؤ گے۔ وہ ہاتھی جس پر شیو شنکر مہاراج سوار ہوں گے اور پاربتی سے ملنے جائیں گے۔ یہ بالک ہٹ ہے۔ تو کہتا ہے اسے مار دیا جائے۔ میں کہتا ہوں، ہٹی بالکوں کو سزا دینا چاہیے۔ اس نے میری بات نہیں مانی، اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دے۔ جا اسے باہر پھینک آ تاکہ یہ گلیوں میں سڑتا رہے اور آنا چاہے تو دور بھی نہ رہے۔"

"پر...... پر مہاراج!" بدری نرائن کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ امرلال کی نگاہوں سے خوف کھا گیا۔

"سنتا ہے۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟" امرلال نے تلخی سے کہا۔

"جی...... جی مہاراج!" بدری نرائن جھجک کر میرے قریب آیا اور میرے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ وہ کبھی نگاہیں ملاتا، کبھی چرا لیتا پھر اچانک اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے گھسیٹنے لگا۔ میں زمین پر گر گیا۔ میرے سارے جسم پر زخم پڑے ہوئے تھے۔ بدری نرائن مجھے کسی لاش کی طرح گھسیٹتا ہوا دروازے پر لے آیا اور کوڑے کی طرح گلی میں پھینک دیا۔ اس نے میرے منہ پر پوری طاقت سے اپنا پاؤں مارا اور

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہتلی کے سے انداز میں میرے منہ پر تھوک دیا۔

''جمیل احمد خان!'' بدری نرائن لرزتے ہوئے بولا۔ ''مہاراج کا خیال ہے ورنہ میں تجھے چھوڑتا نہیں۔ مہاراج نے جو سوچا ہے، سچ ہی سوچا ہوگا۔ تیری یہ حالت انکارانی سے بھی نہیں سنبھلے گی۔ وہ اس آشرم سے پہلے ہی بھاگ گئی تھی۔ مہاراج کی شکتی کا کیا ٹھکانا۔ رام رام، نارائن نارائن!'' بدری نرائن اندر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

بدری نرائن کا بس چلتا تو وہ میرے جسم پر اور ٹھوکریں لگاتا اور منہ پر تھوک تھوک کر اپنا سینہ خشک کر لیتا مگر پیچھے سے امر لال آ گیا اور اس نے بدری نرائن سے ڈانٹ کے کہا۔ ''اب یہاں کیوں کھڑا ہے رے؟ اسے چھوڑ دے۔ اب کچھ مت کہنا، شاید یہ واپس آ جائے۔ بس بھئی جمیل احمد خان۔ اگر تیرے من میں میری باتوں کے لئے کوئی جگہ پیدا ہو جائے تو مجھے یاد کر لینا۔ شما سے بھگوان پرسن ہوتا ہے۔ پھر تیرے لیے سکھ ہی سکھ ہے۔''

میں نے اپنی گردن زمین پر ڈال دی اور لڑھکنے کی کوشش کی، ایک قدم بھی نہیں رینگا جاتا تھا۔

میں امر لال کے مکان کے دروازے پر بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا اور میرے ہاتھ پیروں میں بالکل طاقت نہیں تھی۔ میں کوئی بوڑھا شخص تھا جو اپنی عمر گزار کر بستر مرگ پر پڑا آہیں کھینچ رہا تھا اور موت اسے نہ آتی تھی۔ اپنا گلا گھونٹ لینے کا یارا بھی نہیں تھا، اپنے ہاتھ سے منہ میں زہر انڈیلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ زندگی میں بڑے اذیت ناک دن آئے تھے۔ تربینی داس نے بھی ایک بار مجھے ایسی ہی حالت سے دوچار کر دیا تھا مگر یہ اذیت اس سے کہیں سوا تھی۔ جسم پر نشتر چبھ رہے تھے اور ہاتھ پیر اینٹھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ جلن، ٹیس، درد۔ اس کا کوئی نام بھی نہیں تھا۔ آخر فیصلہ ہو ہی گیا تھا۔ اور میں خود سے شرمندہ نہیں تھا۔ وہ منزل گزر گئی تھی جب ندامت اور پچھتاوے کا خیال آ جائے۔ میں بدری نرائن سے شاکی تھا نہ امر لال سے، نہ ان جنوں پر مجھے کوئی غصہ آتا تھا جو مجھ سے درخشاں اور زرافشاں کا انتقام لینے کے لئے یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ مجھے افسوس تھا تو یہی کہ میری آنکھیں کھلی ہوئی کیوں ہیں اور میرے ہاتھ پیروں میں زندگی کی یہ رمق کیوں ہے؟ انہوں نے مجھے ختم کیوں نہیں کر دیا؟

میں نے گھسٹنے کا ارادہ کیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ میرا جسم میرے ارادوں کے تابع نہیں رہا ہے۔ میں نے کوشش ترک کر دی اور امر لال کی چوکھٹ پر ہی پڑا رہا۔ بہت دیر بعد مجھے اپنے قریب سرگوشیوں کی گونج سنائی دی۔ کچھ لوگ مجھے اٹھا رہے تھے اور رام رام کا نام لے رہے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ چند خاکروبوں نے میری زندہ لاش تھام رکھی تھی اور کچھ پنڈت دور کھڑے انہیں ہدایت دے رہے تھے کہ مجھے جلد سے جلد کہیں دور پھینک دیا جائے۔ میری ارتھی اٹھ گئی تھی اور مجھے کسی ایسی جگہ پھینک دیا گیا تھا جہاں ہر طرف غلاظت ہی غلاظت تھی۔ خاکروب نفرت سے منہ سکیڑ کر جا چکے تھے۔ نہ جانے

میں کب تک پڑا رہا۔ پھر اسی وقت میرے سر پر انکا وارد ہو گئی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور وہ کچھ نہیں بولی۔ مجھے اس کے خاموش رہنے سے ایک سکون سا محسوس ہوا اور میرا جی چاہا کہ وہ سر سے اتر کر میرے سینے سے لگ جائے۔ انکا تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گئی اور میں پھر غنودہ ہو گیا۔ مجھے اس وقت کچھ ہوش آیا جب میں نے اپنا جسم چند اور لوگوں کے درمیان دیکھا۔ وہ مجھے اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک شخص حکم دے رہا تھا۔ مجھے انہوں نے ایک سرسبز جگہ ڈال دیا۔ میں پھر تنہا رہ گیا۔ انکا کچھ دیر بعد میرے سر پر آ گئی۔ شاید اس نے مجھے غلاظت کے ڈھیر سے اٹھوا لیا تھا۔ میرے لیے جگہ کی منتقلی کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اس لیے کہ میرے حواس ان کی تمیز کرنے سے قاصر تھے۔ انکا میرے سر میں محبت سے انگلیاں پھیرتی رہی۔

''جمیل!'' وہ بہت آہستگی سے بولی۔ ''تمہاری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں بار بار چھوڑ کر جا سکوں لیکن تم سے جدائی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔''

میں خاموش رہا۔

''امر لال تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔'' انکا نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''وہ ایک دھرماتما شخص ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ تم اس کے ساتھ رہو۔ اگر تم عارضی طور پر ہاں کر دیتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔''

میں نے چڑ کر اور کراہ کر اپنے ہونٹ سیکڑ لیے۔

''بہر حال جو کچھ ہوا، وہ تو ہو گیا۔'' انکا نے نرمی سے کہا۔ ''امر لال نے تمہیں ایک خاص مدت کے لئے مفلوج کر دیا ہے۔ کوئی بڑا دھرماتما ہی تمہیں اس تکلیف سے نجات دلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ امر لال کو ناراض کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدری نرائن پھر سے میرے حصول کا جاپ شروع کر دے اور میں تمہاری معذوری ہی کے دنوں میں اس کے پاس چلی جاؤں۔'' انکا رقت بھرے لہجے میں بولی۔

میں نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

''اب اگر میں آنند لال کے پاس جاتی ہوں تو امر لال اسے بھی کشٹ دے سکتا ہے۔ تمہاری رائے ہو تو میں ......'' انکا کہتے کہتے رک گئی۔ ''میں کلدیپ کے پاس چلی جاؤں اور اسے تمہارا حال بتاؤں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ ضرور پہنچوا دوں گی۔''

میں نے دل ہی دل میں انکا کو مخاطب کیا اور کلدیپ کے پاس جانے سے سختی سے منع کیا۔ ''ایک کام کر سکتی ہو؟'' میں نے اشاروں میں کہا۔

''کیا! بولو؟''

''کسی ایسے شخص کو لے آؤ جو میری اذیتوں کا خاتمہ کر دے، وہ مجھے زہر دے دے۔ میں دردو

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کرب کی شدید کیفیت میں مبتلا ہوں اور مرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ ایک آخری احسان اور کردو۔ میں نے اپنی شکست تسلیم کرلی ہے۔''

انکا کچھ نہیں بولی، ٹک مجھے دیکھا کی۔

میں اسی کرب سے دوچار رہا اور جسم گلنے لگا۔ آنے والے دنوں میں یہ تکلیف اور بڑھ گئی۔ لوگ میرے پاس آتے اور مجھے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈال دیتے اور پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ میں ریل گاڑی کے فرش پر بیٹھا ہوں اور میرے زخموں پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی ہے۔

''ہم کہاں جارہے ہیں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''کسی اور محفوظ جگہ۔'' انکا نے اداسی سے جواب دیا۔

''قبر سے محفوظ جگہ اور کون سی ہوسکتی ہے؟ آخر اسی جگہ جانا ہے، پہلے یا دیر سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

انکا جواب دینے کے بجائے میرے سر سے اتر گئی۔ جب وہ جواب دینا نہیں چاہتی تھی تو یہی کرتی تھی۔

مجھے یاد نہیں کہ میری لاش کہاں کہاں گھومتی رہی۔ زخموں نے رسنا شروع کردیا تھا اور مجھے خوشی ہوتی تھی کہ میں موت سے قریب ہورہا ہوں۔ اب اسٹیشن پر جب مجھے ایک گاڑی سے اٹھا کر دوسری گاڑی میں ڈال دیا گیا اور انکا واپس میرے سر پر آئی تو میں نے کہا۔ ''تم میرے سر سے اتر جاؤ اور مجھے یہیں چھوڑ دو۔''

''کیوں؟'' انکا معصومیت سے بولی۔

''تم بار بار لوگوں کے سروں پر جاکر اور مجھے امرلال سے دور پہنچانے کی کوشش میں میری موت مجھ سے دور کررہی ہو اور میری تکلیفوں میں اضافہ کررہی ہو۔''

''میں تمہاری تکلیفوں میں کمی کرنے کی غرض سے ایسا کررہی ہوں۔'' انکا روتے ہوئے بولی۔

''میں اپنی نجات کا ذریعہ جانتا ہوں۔ امرلال نے کہا تھا کہ اگر میں اس کے پاس واپس آنا چاہوں تو کسی وقت بھی آسکتا ہوں مگر میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔''

''تو پھر تم خاموش رہو۔'' انکا نے تحکم کے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔''

''تم ایک مفلوج آدمی ہو۔'' انکا نے سختی سے کہا۔

''میں کہتا ہوں، میرے سر سے چلی جاؤ، میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

انکا میرے سر سے اتر گئی اور مجھے پھر اجنبی لوگوں نے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

شروع کردیا تھا۔ ساتھ ہی انکا بھی میرے سر پر آتی رہی۔ میں نے اس سے کچھ کہنا چھوڑ دیا اور آخر وہ جگہ آگئی جہاں انکا مجھے لانا چاہتی تھی۔ میں نے دیکھنا اور سننا بند کردیا تھا مگر جب میرا جسم ایک جگہ رکھ دیا گیا تو میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ایک سرسبز پہاڑی مقام تھا۔ میں اس جگہ سے مانوس تھا۔ اوپر وہ بلند پہاڑی نظر آتی تھی جہاں پریتم لال گیان دھیان کرتا تھا اور اب جہاں کلدیپ رہتی تھی۔

میرے پاس جتنے آنسو تھے، شاید وہ خشک ہوچکے تھے۔ آنکھیں خشک ہوجائیں تو پھر کوئی کیا کرے؟ غم آنکھوں کے ذریعے بہہ جاتا ہے اور کبھی آنکھوں ہی میں مرجاتا ہے لیکن جب انکا میری لاش گھسیٹتی ہوئی میسور کے پہاڑی مقام، سادھو پریتم لال کے دھارمک استھان پر لے آئی تو نہ جانے کہاں سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میری آب دیدہ نظریں اوپر کی جانب مرکوز تھیں، جہاں اب کلدیپ رہتی تھی۔ ایک خوب صورت راہبہ۔ پریتم لال جیسے مہان سادھو کی جانشین۔ دنیا میں سب سے زیادہ ایثار پیشہ عورت۔ میرے جسم میں اگر ذرا بھی طاقت ہوتی اور میرے ارادے میرے تابع ہوتے تو میں کبھی کلدیپ کے استھان کا رخ نہ کرتا جبکہ میں اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ کلدیپ جیسی بڑی طاقت ہی مجھے امرلال کے سراپ سے نجات دلاسکتی ہے۔ انکا میرے منع کرنے اور ناراض ہونے کے باوجود مجھے اس جگہ لے آئی تھی جو میرے لیے ممنوعہ علاقے کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے مایوس کردیا گیا تھا۔ نئی زندگی میں رچی بسی، ریس اور کلب کی شوقین، پونا کے ایک سیٹھ کی حسین ترین لڑکی کلدیپ نے تپسیا میں ایسا دھیان لگالیا تھا اور خود کو اتنا منقلب کرلیا تھا کہ اس میں اپنے محبوب کو ٹھکرانے کا حوصلہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے نیچے اترنے سے انکار کردیا تھا اور میں نے کبھی دوبارہ اوپر نہ جانے کا تہیہ کرلیا تھا۔ بے بسی اور مجبوری میری پلکوں پر تھرتھرا رہی تھی۔ سینے پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، میرے ارادے کیا؟ میرے عہد و پیمان کیا؟ سوچتا کچھ تھا، ہو کچھ جاتا تھا، ایک معذور شخص اپنے مسیحا کے پاس چارہ گری کے لئے لایا گیا تھا۔ شاید اس کے سرد دل میں کوئی حرارت پیدا ہوا ہو اور اسے میری حالت پر ترس آجائے؟ میں خود کسی رحم کا طالب نہیں تھا، میں انکا کے رحم و کرم پر تھا۔ خاکروب اور قلی میرے جسم کی غلاظت کا ڈھیر ادھر سے ادھر منتقل کرتے رہے تھے۔ جو شخص بولنے اور حرکت کرنے سے معذور ہو، جس کے جسم پر زخم رس رہے ہوں اور جو اپنے آپ کو پہچاننے سے بھی قاصر ہو، وہ کیا چاہے گا؟ انکا نے یہاں لا کر مجھے اذیت میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ مجھے کہیں چھوڑ دیتی تو بڑا احسان کرتی۔ میں پڑے پڑے سڑ جاتا۔ ایک وقت تھا کہ پریتم لال کے استھان پر جست لگاتا ہوا پہنچ جاتا تھا۔ اب مجھے اٹھانے کے لئے چار آدمی درکار تھے۔ میں انکا سے فریاد ہی کرسکتا تھا اور وہ بھی خاموش فریاد کیونکہ مجھے قوت گویائی سے محروم کردیا گیا تھا۔ انکا میرے دل کی بات پڑھ لینے کی قدرت رکھتی تھی۔ اس جگہ پہنچ کر میں نے اسے بے بسی کی نظ[illegible]ہے۔ میں نے اس سے کہا۔'' انکا!

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اب اور ذلیل کرنا کیوں چاہتی ہو؟''

وہ ہمدردی اور مایوسی سے بولی۔ ''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''مجھے واپس لے چلو انکا۔ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔'' میں نے اس کی منت کی۔

''کلدیپ اگر چاہے تو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے لئے کیا ہے۔''

''میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتیں؟''

''میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انکا کے لہجے میں عزم تھا۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں، مجھے یہاں سے واپس لے چلو۔'' میں نے تنگ آکر کہا۔ ''تم میرا حکم مان کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کرو گی۔''

''میں تمہارا حکم ماننے سے انکار کرتی ہوں۔'' انکا تلملا کر بولی۔ ''جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تمہاری حماقتوں کی سزا ہے۔ میں نے ہر موقع پر تمہیں خبردار کیا تھا مگر تمہارے تو مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ تم نے امرلال کو کھلونا سمجھ لیا تھا۔''

''میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ اب کچھ یاد دلا کر زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔ بس ایک آخری بات مان لو۔ مجھ سے یہ کوڑھی جسم سنبھالا نہیں جاتا، اب میری موت ہی میری نجات ہے۔''

''چپ رہو۔'' انکا تنک کر بولی۔ ''مجھے کچھ سوچنے دو۔''

''کیا تم میری درخواست پر غور کر رہی ہو؟'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میں اوپر جانے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ کلدیپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ تم یہاں تک آگئے ہو۔ پھر وہ نیچے کیوں نہیں آئی؟ میں اس کے استھان پر جھانک نہیں سکتی کیونکہ اس کی کٹیا خاک اور دھول میں گم ہے۔ مجھے اندر کا منظر نظر نہیں آ رہا ہے۔'' انکا تشویش ناک انداز میں بولی۔ ''دیکھو جمیل! تم اطمینان سے یہاں لیٹے رہو۔ میں اوپر جا کر دیکھتی ہوں۔ شاید کلدیپ کسی جاپ میں مصروف ہے۔ اس کی زندگی میں جاپ، تپسیا اور گیان دھیان کے سوا کیا رہ گیا ہے، تم یہیں لیٹے رہو۔''

''وہ نیچے آنا چاہتی تو اب تک آجاتی۔'' میں نے کہا۔ ''دیکھ لینا تم اوپر سے مایوس لوٹو گی۔ کلدیپ اگر جاپ میں مصروف نہ ہوئی تو بھی نیچے آنے سے انکار کر دے گی۔ وہ بڑی سنگ دل ہو گئی ہے۔''

''تم اسے مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔'' انکا نے جارحانہ انداز میں کہا۔

''انکا! میں جمیل احمد خان ہوں۔ مجھے پہچانو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''اور میں بھی انکا ہوں۔ مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہی خواہ ہوں۔'' انکا نے تیزی سے کہا پھر

برق رفتاری سے میرے سر سے پھدک کر اتر گئی۔ میں کراہتا اور فریاد کرتا رہ گیا۔ میری سرد آہیں ہی میرے ساتھ رہ گئی تھیں۔ معاً ایک خیال تیزی سے میرے ذہن میں ابھرا۔ میں جس مقام پر پڑا تھا، وہاں ایک خطرناک ڈھلان موجود تھی۔ بہ مشکل ایک گز کا فاصلہ ہو گا۔ تمام مصائب سے چھٹکارا پانے کے لئے میرے پاس یہ آخری موقع تھا، میں نے حسرت بھری نظروں سے کلدیپ کے استھان پر نظر ڈالی۔ لمحوں میں قصہ تمام ہو سکتا تھا، کسی کو دفنانے کی زحمت بھی نہ ہوتی۔ گو میں اپنے جسم کو حرکت دینے سے قاصر تھا لیکن موت اتنے قریب دیکھ کر میرے معطل جسم میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے جسم کی رہی سہی قوتیں آزمائیں لیکن خاصی دیر میں مشکل سے ایک انچ سرک سکا اور اس کے بعد میری ہمت ہی جواب دے گئی۔ مرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے کوشش جاری رکھی۔ ہمت جواب دینے کا مطلب بھی موت سے قریب ہے۔ کاش موت اسی کشمکش میں آجاتی۔ میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ میں نے وہ اندھیرا بڑھانے کے لئے پھر اپنا ناتواں جسم اکٹھا کیا۔ اچانک دھم سے انکا میرے سر پر آگئی۔ ''تم میری موجودگی میں اس طرح نہیں مر سکتے۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

میں نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ انکا تنہا آئی تھی۔ میں نے اس سے یہ پوچھنا تک مناسب نہیں سمجھا کہ کلدیپ اس کے ساتھ نیچے کیوں نہیں آئی۔ مجھے اس کے نہ آنے سے ایک خاص قسم کا سکون محسوس ہوا۔ انکا خود ہی بولی۔ ''وہ شاید یہاں نہیں ہے۔ اس کی کٹیا کے گرد منڈل بنا ہوا ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ یہاں ہوتی تو ضرور آتی، ممکن ہے وہ کسی تیرتھ استھان پر گئی ہے۔''

''وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہو گی کیونکہ اس میں بڑی شکتی ہے۔ ایک بار اس نے ترئین کو بھی یہاں لا کر تمہاری نگاہوں سے دور کر دیا اور یاد ہے، اسی استھان پر پریتم لال کے کہنے سے تم نے میرا خون بھی پیا تھا؟ یہاں پریتم لال کی آتما منڈلاتی رہتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کئی بار مجھے یہ طعنہ دے چکے ہو۔'' انکا ناکامی سے بوکھلائی ہوئی تھی۔ ''اب کیا، کیا جائے؟''

''مجھے چھوڑ کر کسی اور کے سر پر چلی جاؤ۔''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہی تھی اور مایوسی سے سر ہلا رہی تھی۔

''ایک بات کہوں؟''

میں خاموش رہا تو وہ بولی۔ ''امرلال کے پاس چلتے ہیں۔ وہ تمہارے واپس پہنچنے سے خوش ہو گا۔ تم اس کے چیلے بن جانا، جیسا کہ اس نے پیش کش کی تھی۔'' وہ خوابیدہ انداز میں بولتی رہی۔ ''پھر جب وہ تمہاری شکتیاں واپس کر دے تو تم اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرنا اور موقع کی تلاش میں رہنا۔ تمہاری صرف ذرا سی غفلت سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ اگر اب بھی تم محتاط ہو جاؤ تو بدری اور امرلال دونوں کا قصہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

پاک کر کے اپنا انتقام لے سکتے ہو۔ کیا خیال ہے؟'' انکا نے میری آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''تم پاگل ہوگئی ہو۔ امرلال کو اتنا بے وقوف سمجھ لیا ہے؟ اب میں کسی سے انتقام لینا نہیں چاہتا۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔''

''فیصلہ ابھی کہاں ہوا ہے جمیل!'' انکا طیش میں بولی ''مگر...... مگر یہ کلدیپ کہاں گئی؟''

''ممکن ہے مرگئی ہو؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

انکا کلدیپ کے نہ ملنے سے بڑی جز بز نظر آتی تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں کلدیپ کے سامنے ذلیل ہونے سے بچ گیا۔ حالانکہ اس حالت میں عزت و دولت کا احساس ہی نہیں رہتا۔

انکا کچھ دیر تک تلملاتی اور مجھ سے اذیت ناک بحث کرتی رہی۔ پھر کچھ کہے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔ میں تکلیف سے سسک رہا تھا۔ یکایک مجھے اپنے قریب کوئی ہیولا نظر آیا۔ میں سمجھا، کلدیپ آگئی ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا مگر وہ کلدیپ نہیں تھی۔ کلدیپ کیوں ہوتی؟ وہ چند آدمی تھے جو انکا کے زیر اثر آئے تھے۔ انہوں نے ناک بند کر کے مجھے اٹھالیا۔ اب وہ مجھے پریتم لال کے استھان سے دور لے جا رہے تھے، شہر کی طرف۔

انہوں نے مجھے ایک جگہ لے جا کر رکھ دیا اور چلے گئے۔ وہاں سے کچھ اور آدمیوں نے مجھے اٹھا کر بس میں ڈال دیا۔ پھر بس سے اتار کر مجھے اسٹیشن پہنچا کر ایک گاڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ میں نے انکا سے کچھ نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے؟ اب ایسا کون سا مقام رہ گیا تھا جہاں وہ مجھے لے جاتی؟ راستوں پر راستے گزرتے رہے۔ ایک ٹرین سے دوسری ٹرین۔ ایک مقام سے دوسرا مقام۔ اس کشمکش میں میرے زخم دکھنے لگے تھے۔ ان میں پیپ پڑ گئی تھی۔ میں کئی جگہ بے ہوش ہوا۔ لوگ میرا تعفن برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ میں نے سفر کے دوران میں انکا سے بڑی منت سماجت کی۔ اس بے حس کو اپنے دکھوں کا احساس دلایا مگر وہ مسلسل چار دن تک مجھے نہ جانے کہاں کہاں پھراتی رہی؟ کئی مقام جانے پہچانے تھے۔ میں اتنا اندازہ لگا سکتا تھا کہ انکا کا رخ جنوب سے مشرق کی طرف ہے۔

اور مشرق کا وہ شہر آ گیا۔ میں جب اسٹیشن سے شہر میں لایا گیا تو شہر کے نقوش مانوس لگے۔ پھر میں نے بدھوں کی عظیم بستی بدھ گیا کے پگوڈا اور استوپا دیکھے تو مزاحمت شروع کر دی۔ انکا نے میری سنی ان سنی کر دی۔ بدھ گیا کی بستی میری دیکھی بھالی تھی۔ مجھے دو مزدور اٹھائے ہوئے تھے۔ میرا جسم ایک شکستہ چارپائی پر بلک رہا تھا۔ وہ مجھے بدھ گیا کہ بستی کی طرف لے جا رہے تھے۔ بستی سے چند قدم کے فاصلے پر انکا میرے سر پر آ گئی اور بڑے کرب کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوئی ''جمیل! میں تمہیں یہاں چھوڑے جا رہی ہوں۔ کلدیپ کے استھان کے بعد یہی ایک محفوظ استھان تھا جہاں تمہیں سکون مل سکتا ہے۔'' انکا کے لہجے سے غم ٹپک رہا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھی، کہنے لگی۔ ''بدھ بھکشو یقیناً تم پر ترس کھائیں گے اور تم

یہاں صحت یاب ہو جاؤ گے۔ میں بدھ گیا کے باہر ٹھہر کر تمہارا انتظار کروں گی کیونکہ میں اندر نہیں جا سکتی۔ جب تم واپس آؤ گے تو مجھے دوبارہ اپنے سر پر پاؤ گے بشرطیکہ کوئی بدمعاش پنڈت میرے حصول کا جاپ کرنے سے باز رہے۔ میری جان! اندر دل لگا کے رہنا۔ لوگوں کو دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ چاہے تم بدری نرائن اور امرلال سے انتقام نہ لو مگر میں تمہیں صحت مند دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھ پر کبھی شک نہ کرنا۔ راستے میں تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے، مجھے معاف کر دینا، اپنا خیال رکھنا، اچھے ہو جاؤ گے تو تمہیں میری یاد آئے گی پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ میں تم سے قریب رہوں گی۔'' انکا درد بھرے انداز میں کہتی رہی۔ چلتے وقت اس نے میری پیشانی کو بوسہ دیا۔

میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ مزدور بدھ گیا کی بستی میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میری چارپائی ایک کھلی جگہ ڈال دی اور حیرانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ میں ابھی بڑے مندر کے باہر ہی تھا۔ بدھ بھکشو ایک خستہ حال اور کوڑھی اجنبی کو اپنی بستی میں دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں میرے گرد بھکشوؤں کا ٹھٹ لگ گیا۔ میرا چہرہ ہی بدل گیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے کئی مجھ سے واقف تھے مگر وہ مجھے پہچانتے کیسے؟ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوال کر رہے تھے، میں زبان سے جواب دینے سے قاصر تھا۔ چنانچہ آنکھوں سے جواب دینے کی کوشش کرتا۔ پتلیاں حرکت کرتیں اور پھر بے بسی سے ٹھہر جاتیں۔

''یہ شاکیہ منی کی امان میں آیا ہے۔ اسے کسی محفوظ جگہ منتقل کر دینا چاہئے اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔'' ان میں سے ایک بھکشو بولا۔

''شاکیہ منی اسے معاف کریں۔ آؤ ہم اسے اٹھاتے ہیں۔''

بھکشوؤں نے میری چارپائی اٹھا کر ٹین کے ایک سائبان میں ڈال دی پھر مجھے دیکھنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ میں اپنی اس حالت سے بہت پریشان تھا۔ کبھی آنکھیں بند کر لیتا، کبھی آنکھیں کھول لیتا۔ کچھ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا، آخر ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ اسے دیکھ کے میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ ناگرا تھا۔ میرا جوان دوست جس نے پہلے بدھ گیا میں مجھے اپنی کٹیا میں رکھا تھا اور میرے ساتھ بڑی محبت کا برتاؤ کیا تھا۔ ناگرا غور سے میرا چہرہ دیکھتا رہا اور میرے رستے ہوئے زخموں کی پروا کیے بغیر میرے سرہانے بیٹھ گیا ''جمیل احمد خان!'' وہ جذباتی انداز میں بولا ''یہ تم ہو میرے دوست؟''

میں نے آنکھیں میچ لیں۔

''ہاں تمہی ہو۔ تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے؟ اف تمہاری کیسی بری حالت ہے۔ تم یہاں تک کیسے آ گئے؟ او شاکیہ منی۔ میرے دوست پر رحم کر۔'' ناگرا بے تابی سے بولتا رہا۔ اس نے میرے بڑھے ہوئے بال اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیے۔ ''اٹھاؤ، اسے اٹھاؤ۔'' وہ بھکشوؤں سے مخاطب ہوا ''اسے میری کٹیا میں رکھ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دو۔ یہ نندا کا چیلا ہے۔ کمپالا نے اسے نندا کے پاس بھیجا تھا۔ سنا ہے اس نے گیان دھیان میں کمال کر دیا تھا...... اٹھاؤ...... اٹھاؤ۔''

بھکشوؤں نے میری چارپائی اٹھالی اور مجھے ناگرا کی کٹیا میں پہنچا دیا۔ دوسرے بھکشوؤں نے میرے لیے جلد از جلد ایک آرام دہ بستر تیار کیا اور میرے ہاتھ پاؤں پکڑ کر مجھے اس پر منتقل کر دیا گیا۔

''تم تو بول بھی نہیں سکتے۔'' ناگرا بے چینی سے بولا۔

میں نے سکون کا ایک سانس لیا اور دیر تک اپنی آنکھیں بند کیے رکھیں لیکن اس وقت میری چیخیں نکل گئیں جب ناگرا نے میرے زخم اپنے ہاتھوں سے دھونے شروع کیے اور ان پر مرہم لگایا۔ کراہوں، سرد آہوں اور چیخوں کے سوا میں ناگرا کو کیا بتا سکتا تھا؟ ناگرا نے اپنا لباس مجھے پہنایا اور میرے حلق میں دوا ٹپکائی۔ وہ بے چارہ یہی سمجھتا رہا کہ میری یہ حالت طبعی ہے۔ رات گئے چراغ کی ٹمٹماتی روشنی میں اس نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور میں آنکھیں کھول کے اور بند کر کے سوالات کے ایسے جوابات دیتا رہا جو ہاں یا نہیں میں دیے جا سکتے تھے۔ خاصی جدوجہد کے بعد اسے میری حالت کا صحیح اندازہ لگانے میں کامیابی ہوئی۔ میری آنکھیں اپنے دکھ وضاحت سے بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ میں اس کے سوالوں پر جھنجلا گیا۔ یہ بات ناگرا نے محسوس کر لی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا تم سونا چاہتے ہو؟''

میں کہنا چاہتا تھا کہ نیندی میری آنکھوں میں کہاں؟ اس تکلیف میں کیسے نیند آ سکتی ہے؟ میں تو بے ہوش ہی ہو سکتا ہوں لیکن میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ناگرا خاموشی کے ساتھ میرے پاس سے ہٹ گیا پھر اس نے میرے جسم پر چادر ڈال دی۔ میں ابھی نہیں سویا کیونکہ وہ گوتم بدھ کی مورتی کے سامنے میری سلامتی کے لیے بھکشا مانگ رہا تھا۔ وہ شاکیہ منی سے مخاطب تھا، مجھے معلوم تھا کہ مورتی کٹیا کے کس کونے میں رکھی ہے۔ ناگرا کب تک جاگتا رہا، یہ مجھے پتا نہیں، میں آخر شب بے ہوش ہو گیا تھا۔

مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کتنے دن بیت گئے۔ میں آنکھیں کھولتا تو کبھی دن ہوتا، کبھی رات، کبھی کمرے میں تنہا ہوتا، کبھی ناگرا کو اپنے سرہانے بیٹھا دیکھتا۔ کٹیا کی چھت ہی میری نگاہ کا مرکز تھی۔ ہاں جب ناگرا اپنا چہرہ میرے سامنے کرتا تو میں اسے دیکھ لیتا یا اپنے بارے میں گوتم سے اس کی فریاد سن لیتا۔

شروع شروع میں ناگرا خود ہی یہ کوشش کرتا رہا کہ اس کی عبادتوں سے میری حالت ٹھیک ہو جائے مگر میری اذیت اور اس کی پریشانی بڑھ رہی۔ آخر اسے مندر کے بڑے بھکشوؤں کو میری دست گیری کے لئے لانا پڑا۔ یہ چادر پوش راہب اِدھر سے اُدھر گوتم کی تعلیمات عام کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ وہ ایک ہی لمحے میں میرا حال جان گئے۔ انہوں نے ناگرا کو تفصیل سے بتایا کہ میں ان حالوں کو کیوں پہنچا ہوں؟ میں نے ضبطِ نفس، ترکِ لذت اور عفو و درگزر کی تعلیم بھلا دی تھی اور دنیوی آلائشوں میں پڑ گیا تھا۔ ناگرا نے نندا اور کمپالا جیسے مہان بھکشوؤں سے میرے تعلق کا حوالہ دے کر ان

سے مدد کی درخواست کی۔ بدھ بھکشو کھڑے ہوئے کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا اور کٹیا سے رخصت ہو گئے۔ ناگرا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

واپس آ کر ناگرا نے مجھے دلاسا دیا کہ انہوں نے اس کی درخواست قبول کر لی ہے۔ اس نے بتایا کہ ان سب کو شاکیہ منی کا قرب حاصل ہے اور وہ غیر معمولی قوتیں رکھتے ہیں۔ انہوں نے صرف محبت کرنا سیکھی ہے۔ وہ معاف کرنے اور بھلائی کا موقع دینے کے ہمیشہ خواہاں رہتے ہیں، جلد ہی وہ میرے دکھوں کا مداوا کر دیں گے۔ جس دن بدھ بھکشوؤں کا یہ گروہ ناگرا کی کٹیا میں مجھے دیکھنے آیا تھا اور ناگرا کو میری صحت مندی کا یقین دلایا تھا اسی دن تبت سے بدھوں کی درس گاہ کا عالم کمپالا بھی گیا، میں آ گیا۔ یہ خبر مجھے ناگرا نے بہت جذبات میں سنائی۔ مجھے صدمہ ہوا کہ اب کمپالا کے سامنے میری ندامت سے لبریز آنکھیں اٹھیں گی۔ کمپالا نے تبت میں مجھے نصیحتیں کی تھیں اور اپنے دوست نندا کے پاس تربیت کے لیے بھیج دیا تھا۔ وہ میرا محسن تھا۔ میں کمپالا سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ میری باطنی صفائی صرف اس کی وجہ سے ہوئی تھی۔ میں نے اس کا کہا نہیں مانا اور اپنا قلب گندا کر لیا۔

کچھ ہی دیر بعد کمپالا اس کے ساتھ کٹیا میں آ گیا۔ کمپالا اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ میں نے یہ تبدیلی محسوس کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ ندامت سے بچنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔

''آنکھیں کھولو جمیل احمد خان! دیکھو، کٹیا میں کون مہاپُرش آیا ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کمپالا جی آئے ہیں۔'' ناگرا نے عقیدت سے کہا۔

''نہیں، یہ آنکھیں بند رہنے دو۔'' کمپالا کی آواز گونجی۔

''کمپالا جی!'' ناگرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''کمپالا جی۔ میں اپنے دوست کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ میں ناکام ہو گیا۔ میں نے صبح بڑے مندر کے بھکشوؤں سے پرارتھنا کی تھی۔ وہ یہاں پدھارے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کے لئے شاکیہ منی سے سفارش کر دیں گے۔ اب تم آ گئے ہو، تمہی کوئی اپائے کرو۔'' ناگرا مجھ سے پھر بولا۔ ''جمیل احمد خان! کمپالا جی آئے ہیں۔''

میں نے اپنے چہرے پر کسی کی سانسیں محسوس کیں اور مجبوراً آنکھیں کھول دیں۔ کمپالا مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ میری پلکیں تھرتھرانے لگیں۔ دل امڈ آیا پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کمپالا دیر تک ہر زاویے سے میرا جسم دیکھتا رہا پھر اس نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ میرے لیے آنسو روکنا مشکل ہو گیا۔

کمپالا نے ایک گہری سانس لی۔ ناگرا میرے سلسلے میں اسے ہموار کرنے میں پیش پیش تھا۔ کمپالا نے انگلی کے اشارے سے روک دیا۔ وہ چپ ہو گیا۔ کمپالا مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کی آواز بڑی گمبھیر تھی ''یہ تجھے بار بار کیا ہو جاتا ہے؟ تُو تو وہیں ہے جہاں پہلے تھا بلکہ کچھ اور پیچھے چلا گیا۔ تو نے مجھے بھی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

شرمندہ کیا۔ تو نے نندا کی آتما کو بے چین کیا ہے۔ اس نے تجھے اپنے خون میں نہلایا تھا۔'' میں جواب میں کیا کہہ سکتا تھا؟ کمپالا ہی بولتا رہا۔ ''تیری آنکھیں زیادہ روشنی میں چندھیا گئیں۔ تو نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ تو کتنا بلوان ہے؟ تیری شکتی دکھی لوگوں کے کام آنی چاہیے تھی۔ اب تیرے سارے جسم پر میل ہی میل ہے۔ سچ اور حق کا فیصلہ کرنے کا اختیار تجھے کب ہے؟ تیرا کام تو معاف کرنا ہونا چاہیے تھا۔'' کمپالا نے کہا۔ میں نے سختی سے آنکھیں بھیچ لیں۔ اس نے کہا۔ ''جانتا ہے نندا کہاں سے آیا تھا؟ نندا خود ان سے ناراض ہو کر ہی تو شاکیہ منی کی شرن میں آیا تھا جہاں ایک ابدی سکون ہے، جہاں ٹھنڈک ہے، جہاں کوئی راون نہیں۔ ہم سب گائیں ہیں جو شاکیہ منی کے تھان سے بندھ گئی ہیں۔ نندا نے تو تجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔'' کمپالا افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''جو کسی کا ہاتھ نہیں پکڑتے، تنہا رہتے ہیں۔ اگر تو شاکیہ منی کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیتا تو کبھی راستہ نہ بھولتا، تجھے تو انہوں نے کچل دیا ہے۔ اگر شاکیہ منی کا نہیں تو کسی اور کا...... اپنے کسی دھرماتما کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ پر تیرا من اشانت ہی رہا، تو کسی جگہ تو ٹھہرتا۔''

میں نے اضطراب میں آنکھیں پٹ پٹائیں۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا۔ ''بس کرو کمپالا، بس کرو۔ اور زہر نہ انڈیلو۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔ مجھے اتنی سزا اور دے دو کہ میرے حواس فنا ہو جائیں۔ میرا گلا دبا دو، میرے جسم پر چڑھ کر اچھلو کودو، ان آنکھوں سے روشنی چھین لو جو بہک جاتی ہیں۔ ان کانوں میں سیسہ بھر دو جو ابھی سن سکتے ہیں۔ ہر آواز، ہر روشنی کا دروازہ بند کر دو۔ مجھے مار ڈالو۔''

کمپالا شاید میری کیفیت سے آگاہ ہو گیا کیونکہ وہ ایک بڑا بھکشو تھا۔ وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ میں سمجھا جیسے گوتم کی مورتی زندہ ہو گئی ہے اور اپنا دست شفقت میرے جسم پر دراز کیے ہوئے ہے۔ وہ کمپالا تھا جو سکون، سکوت، قناعت، عفو اور رحم کا پیکر تھا۔ کمپالا کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ تبت کی اس خانقاہ سے تعلق رکھتا تھا جہاں انسان کو اس کے اندر سے پہچاننے کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ ایک بت تھا جو چپ چاپ سب کچھ دیکھتا رہتا ہے اور ٹوٹ بھی جاتا ہے اور کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ امرلال نہیں تھا جو بدری نرائن جیسے پیچ اور ذلیل شخص کی پشت پر کھڑا ہو گیا تھا۔ کمپالا نے مجھے بدری نرائن کو معاف کر دینے کی نصیحت کی تھی مگر امرلال نے بدری نرائن کی بد طینتی کو اور ہوا دی تھی۔

کمپالا دکھ بھرے لہجے میں مجھ سے مخاطب تھا، وہ مسکراتا ہوا کٹیا سے نکل گیا اور ناگرا کو بھی ساتھ لے گیا۔ اسے کچھ دور تک پہنچا کر ناگرا میرے پاس آ گیا اور رات بھر شاکیہ منی کی تعلیمات کی تلقین کرتا رہا۔ وہ رات بھر نہیں سویا بلکہ گوتم بدھ کی مورت کے سامنے پرارتھنا میں مصروف رہا۔ میں سمجھا شاید میرا آخری وقت آ گیا ہے اور ناگرا اپنی دانست میں میری نجات کے لئے دعائیں پڑھ رہا ہے۔

Downloaded from Paksociety.com

سورج روشن ہونے سے بہت پہلے کمپالا نے کٹیا کے دروازے پر دستک دی۔ ناگرا نے اپنی پرارتھنا ختم کر کے دروازہ کھول دیا۔ کمپالا نے ناگرا سے کچھ کہا جسے میں سن نہیں سکا پھر ناگرا کے باہر جانے اور کمپالا کے مورتی کے سامنے بیٹھنے کی آواز آئی پھر ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ کمپالا مراقبے میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی سانسوں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایسی خاموشی کا میں عادی تھا پھر بھی اس وقت مجھ پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔

سورج چڑھنے کے بعد ناگرا واپس آ گیا۔ اس نے مسکرا کے میری طرف دیکھا اور میرے ماتھے پر خاک مل دی۔ اس کے آتے ہی کمپالا نے اپنا مراقبہ ختم کر دیا۔ ''تم نے اپنا کام کر لیا؟'' اس نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

''ہاں کمپالا جی! میں اس گھڑے میں یہ پوتر جل لے آیا ہوں۔'' ناگرا نے جوش میں کہا۔

''اس کے کپڑے اتار دو۔'' کمپالا نے میرے متعلق حکم دیا۔

ناگرا نے مشکل سے مجھے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا۔ زخموں میں حرکت ہوئی تو میری سسکیاں نکل گئیں۔ ''بس جمیل احمد خان! ہمت سے کام لو۔'' ناگرا نے کہا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ جملہ مجھ سے انکا کہہ رہی ہو۔ ناگرا نے مجھے ایک طرف سے اٹھایا تو کمپالا نے لباس اتارنے میں اس کی مدد کی۔ اب میرا جسم کھری چارپائی پر سمٹا پڑا تھا۔ ناگرا نے میری ٹانگیں سیدھی کرنی چاہیں۔ کمپالا نے منع کر دیا۔ ناگرا اپنا کام نمٹانے کے بعد سامنے کھڑا ہو گیا پھر کمپالا نے اپنے ہاتھ سے میرے جسم پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ پانی برف کی طرح میرے جسم پر لگا۔ ساتھ ہی کمپالا کے ہاتھ بھی میرے جسم سے مس ہونے لگے تھے۔ وہ زور زور سے کوئی عمل پڑھ رہا تھا جس میں بار بار شاکیہ منی کا ذکر آتا تھا۔ کمپالا اپنے کام میں پوری طرح محو تھا۔ اس نے سر سے پیر تک میرے جسم کا ہر حصہ پانی سے تر کر دیا۔ وہ میرے زخم اس طرح پھوڑتا رہا جیسے معمولی چھالے ہوں۔ میں درد و کرب سے چیختا رہا۔ کٹیا میں اتنا شدید تعفن پھیل گیا کہ معمولی حس شامہ کا شخص بھی ہوتا تو بے ہوش ہو جاتا۔

میرے جسم پر بے شمار زخم تھے۔ کمپالا کے ناخن نشتر کا کام کر رہے تھے۔ وہ پہلے پانی ڈالتا پھر پھوڑے پھوڑتا، پھر ان کی پیپ پانی میں بہا دیتا۔ میرے حلق سے عجیب و غریب قسم کی خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ جب وہ میرے اگلے حصے کے زخم پھوڑ چکا تو اس نے ناگرا کو میری پشت سامنے کرنے کا اشارہ کیا۔ اس عمل کے درمیان میں اس نے اور ناگرا نے کوئی بات نہیں کی تھی، نہ ہی میری چیخوں پر کمپالا نے مجھے تسلی دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے عمل کا تسلسل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ناگرا نے خاموشی کے ساتھ مجھے اٹھا کر سینے کے بل لٹا دیا۔ کھلے ہوئے زخموں پر جب چارپائی کی بان چبھی تو یہ اذیت دوچند ہو گئی۔ کمپالا نے پشت پر بھی اسی جراحت سے کام لیا۔ رفتہ رفتہ اس نے میرے سارے زخم

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کھول دیئے۔ وہ بڑی احتیاط سے پانی خرچ کررہا تھا۔ جب تک اسے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ زخم پھوٹ گیا ہے، وہ پانی نہیں ڈالتا تھا، اس نے مجھے ایک چادر میں لپیٹ دیا۔ مجھے کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔ پھر کمپالا نے سر سے پیر تک میرے جسم کے درمیانی حصے پر اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور اسے میری ناف پر قطع کر دیا۔ ناگرا نے سعادت مندی سے ایک اور برتن پیش کیا۔ اس میں خاک تھی۔ چادر ہٹا کر کمپالا نے وہ خاک میرے جسم پر مل دی۔ وہ خاک ڈالنے کے ساتھ ساتھ پھونکتا بھی جارہا تھا۔ مجھے ایسا سکون محسوس ہوا جیسے میرے جسم پر کسی نے نرم نرم ریشم ڈال دیا ہو۔ پہلی بار میں نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی۔ میری ٹانگ کھل گئی تھی۔ پھر میں نے ہاتھ کو حرکت دی۔ میں اپنا ہاتھ بھی ہلا سکتا تھا۔ میں نے جوش مسرت میں کمپالا کے ہاتھ پکڑے اور بولنا چاہا لیکن الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ کمپالا نے اپنی انگلی میرے ہونٹوں پر رکھ دی اور ہونٹ سہلاتا رہا۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔ کمپالا کی تیز نظروں میں کوئی ایسی کشش تھی کہ وہ مجھے اپنے جسم کے پار ہوتی محسوس ہوئیں۔ اس نے میرے حلق میں کوئی محلول ٹپکایا۔ محلول میرے سینے کی نالی میں تیزاب کی سی کاٹ کرتا ہوا خون میں مدغم ہو گیا۔

میں نے چیخنا چاہا۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ”کمپالا! کمپالا! میرے حلق سے آواز آرہی ہے۔ میں بول سکتا ہوں، میں بول سکتا ہوں۔“

ناگرا بھی میرے قریب آگیا۔ ”میرے دوست جمیل احمد خان! کمپالا جی نے تمہارے جسم سے پُراسرار شکتیوں کا میل اتار دیا ہے۔ اٹھنے کی کوشش کرو، تم اب صحت یاب ہو گئے ہو۔“ ناگرا نے میرے بازو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

”کمپالا، کمپالا!“ میں نے ہذیانی عالم میں کہا۔ ”تم نے مجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے آسانی سے ضائع نہیں کروں گا۔“

کمپالا کے ہونٹوں پر ایک لطیف تبسم ابھرا۔ اس نے شادمانی کے انداز میں میرے گال پر تھپکیاں لگائیں۔ ”زندگی کون کسے دے سکتا ہے پاگل لڑکے۔ اب تو اچھا ہو گیا ہے۔ نیکی ایک چھت ہے، جو اس کے نیچے ہے، وہ محفوظ رہتا ہے۔“

میں نے اپنے ہاتھوں پیروں کو جنبش دینی چاہی۔ میرے تمام اعضا میرے ارادوں کے تابع ہو گئے تھے۔ مجھے شدید ناتوانی اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی مگر میں اٹھ بیٹھ سکتا تھا، میں نے اٹھ کر کمپالا کے جسم سے لپٹ جانا چاہا مگر اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے لیٹے رہنے کا حکم دیا۔ ”تمہیں آرام کی ضرورت ہے، آرام کرو اور سوچتے رہو۔“

میں نے کہا ”کمپالا جی، میں نے خود کو مردہ تصور کر لیا تھا، تم نے دوبارہ میرے تن مردہ میں روح پھونک دی ہے پر......“ میں کہتے کہتے اداسی سے خاموش ہو گیا۔

”پر سب کچھ تیرے اوپر منحصر ہے۔“ کمپالا نے ٹھہراؤ کے ساتھ کہا۔

”ہاں۔ مگر تم باہر کے لوگوں کو کیا کہو گے۔ ناانصافی اور ظلم تو تم دیکھ نہیں سکتے۔ میں نے بھی گناہ کیے ہیں مگر میری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہے۔ میں نے انہیں معاف کرنا چاہا مگر وہ خود میرے راستے کی دیوار بن گئے۔“ میں نے مچل کر کہا۔

”تو دیوار کے اس طرف ہی رہتا پگلے! اب تو آرام کر۔ میں چلتا ہوں۔ ناگرا، اس کا خیال رکھنا، جب یہ ٹھیک ہو جائے تو اسے چلا جانے دینا۔“ کمپالا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ میں تمہارے ساتھ تبت چلوں گا۔ اب میں یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ کمپالا، اب“...... میں نے صدق دل سے کہنا چاہا مگر کمپالا اٹھ کر مسکراتا ہوا کٹیا سے باہر چلا گیا۔ شاید اسے میری بات کا یقین نہیں تھا۔ میں اس کی نظروں میں ایک بے اعتبار شخص تھا۔

☆......☆......☆

کمپالا کے اس حیران کن عمل کے بعد رفتہ رفتہ میری حالت سدھرتی گئی۔ ناگرا نے میری توانائی بحال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ میں اس کی دیکھ بھال، محبت اور خلوص سے اٹھنے کے قابل ہو گیا۔ کمپالا بھی دو ایک بار مجھے پوچھنے آیا۔ وہ بھکشوؤں کے ایک گروہ کو جاپان لے جانے کے لئے تبت سے آیا تھا اس لیے دو ہفتے گیا میں ٹھہر کر روانہ ہو گیا۔ کمپالا کو بڑے مندر سے رخصت کرتے وقت میں پہلی بار کٹیا سے باہر نکلا۔ کمپالا کی نظروں میں میرے لیے ایک پیغام تھا۔ میں نے پُرامید اور احترام کی نظروں سے اسے یقین دلایا۔ وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں ایک ارادے سے ناگرا کی کٹیا میں آیا اور میں نے اسے بدھ گیا کہ کسی نسبتاً اجاڑ اور خاموش پگوڈا میں چلنے کو کہا۔ بدھ گیا کے بستی کی نوعیت میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ ناگرا مجھے ایک تنہا مقام پر لے آیا۔ یہاں میں نے اور اس نے مراقبوں کی مشق شروع کی۔ ناگرا کو طویل مراقبوں کی عادت نہیں تھی۔ میرا استغراق دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا اور اس نے میری تقلید کی۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ ہم دونوں بڑے مندر میں صرف گاہے گاہے جاتے عموماً یہیں بیٹھ کر طویل مراقبے کرتے رہتے۔ میں کمپالا کی روانگی کے کوئی ایک ماہ بعد پوری طرح چاق و چوبند ہو گیا تھا اور میں نے بدھ گیا کے بعض بھکشوؤں میں اپنی مشقوں کی وجہ سے خاصی مقبولیت حاصل کر لی۔

شاید کئی چاند نکلے، کئی موسم بیت گئے، کمپالا جاپان سے واپس آیا اور مجھے اور ناگرا کو چند نکتے بتا کے تبت چلا گیا۔

☆......☆......☆

سردی کا زمانہ تھا۔ ناگرا اور میں بدھ گیا کی ایک کٹیا میں سکون سے زندگی گزار رہے تھے۔ میرا اشار

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بدھ بھکشوؤں کی فہرست میں نہیں ہوا تھا کیونکہ میں بڑے مندر میں صرف ایک وقت جاتا تھا جب
شناسا بھکشو سے ملنا ہو۔ ناگرا اور عظیم بدھ راہبوں کی خانقاہوں میں درس سننے کے باوجود میں نے شا
منی کے سامنے کبھی پرارتھنا نہیں کی، میں اسے ایک مصنوعی عمل سمجھتا تھا۔ ناگرا اپنے حال میں مست تھا
اور میں اپنی کھال میں۔ میں نے شاکیہ منی کی تعلیمات دلچسپی سے سنیں مگر کبھی ان پر تنقید نہیں کی اور نا
نے کبھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں گوتم کی مورتی کے سامنے مراقبہ کیوں نہیں کرتا؟ البتہ ان مسلسل
روحانی اعمال کے درمیان مجھے سید مجذوب کا چہرہ یاد آجاتا تھا جس کا باطن بہت طاقتور تھا۔ وہ گندے
کپڑوں میں گلیوں میں گھومتا رہتا تھا۔ اس کے اندر غیر معمولی کشش تھی۔

پھر ناگرا نے اپنی روحانی رفعتیں محسوس کر کے زیادہ تر بڑے مندر میں رہنا شروع کر دیا جہاں بد
کی عظیم مورتیاں نصب تھیں۔ یہ کوئی محسوس کرنے والی بات نہیں تھی۔ مجھے اس بات سے مسرت ہوئی تھی
کہ ناگرا میں اب اعتماد پیدا ہو گیا ہے۔ میری زندگی کے باقی دن بدھ گیا میں کٹ جاتے یا کسی ویران
پہاڑی مقام پر بسر ہو جاتے مگر قسمت کو یہ منظور نہیں تھا۔

میں ایک ہفتے کے طویل مراقبے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب فارغ ہوا تو میں نے خلاف توقع، آنند
لال کو اپنے قریب دیکھا۔ وہ ایک تھم سے سر ٹکائے اداس بیٹھا تھا۔

”تم...... تم؟“ میں نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

”ہاں میں، جمیل بھائی! آنندلال۔“ آنندلال نے بہت دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

”تم یہاں کیسے آ گئے؟ خیریت تو ہے، کہو کیا بات ہے؟“ آنندلال کے چہرے پر تشویش کے
آثار دیکھ کر میں نے تردد سے پوچھا۔

”آپ نے تو پلٹ کے خبر بھی نہ لی۔“ آنندلال گلوگیر آواز میں بولا۔

”میری چھوڑو، اپنی سناؤ۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟“ میں نے فکرمندی سے پوچھا۔

”مجھے کبھی پتا نہ چلتا کہ آپ بدھ گیا میں ہیں۔ اگر پتا چلتا تو میں کبھی کا آپ کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔
مجھے انکا نے بتایا تھا۔“ آنندلال نے رقت سے کہا۔

”انکا نے بتایا تھا، کیا انکا ابھی تک آزاد ہے؟“

”وہ بدھ گیا کے دروازے سے باہر عرصے سے آپ کی منتظر ہے۔ آپ کے ساتھ ساتھ وہ ہماری
خبر بھی رکھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہوا......“ آنندلال کچھ کہتے کہتے رو پڑا۔

”کہو آنندلال! تم رک کیوں گئے؟ کیا کوئی سانحہ ہو گیا؟ تم یقیناً کوئی بری خبر لائے ہو۔ بتاؤ نا
آنندلال؟“ میں نے اس کے بازو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

”میں اور سید غوث، رکن الدین کی بیماری کی خبر سن کر گلبرگہ گئے ہوئے تھے۔“ آنندلال کی آواز

بیٹھی ہوئی تھی۔

”پھر......؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”واپس آئے تو پتا چلا تزئین گھر میں نہیں ہے۔ ہر طرف ڈھونڈا مگر کہیں نہیں ملی۔ معلوم ہوا کہ ببن
علی نامی کوئی بدمعاش اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے، میں مالا کے ساتھ شادی کے بعد سے عملی زندگی بسر کر
رہا تھا اور اس زندگی سے خوش بھی تھا۔ چنانچہ میں کوشش کے باوجود یہ نہ جان سکا کہ تزئین کہاں ہے اور
اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ انکا کو یہ خبر ہوئی تو وہ بھاگی بھاگی میرے پاس آئی اور اس نے بتایا
کہ یہ ذلیل کام ببن علی نے کیا ہے جو لکھنؤ کا کوئی نواب تھا۔“

آنندلال کا باقی بیان میں نہیں سن سکا۔ مجھے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ تزئین، میری بیٹی...... ببن علی کے
نرغے میں تھی۔ ببن علی تنہا یہ جرات نہیں کر سکتا تھا۔ یقیناً زرافشاں اور درخشاں کے عاشق جنوں نے
انتقام لینے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔

”آپ کہاں گم ہو گئے جمیل بھائی!“ آنندلال نے مجھے ٹوکا۔

”آنندلال!“ میں نے لرزتے ہوئے کہا۔ ”وہ پھر مجھے گھسیٹ رہے ہیں۔“

”کون؟“ آنندلال حیرت سے بولا۔

”کوئی نہیں، کوئی نہیں۔“ میری زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ”کمپالا، مجھے معاف کر دو۔ مجھے یہاں سے
جانا ہی ہوگا۔ اب میں کس طرح یہاں رک سکتا ہوں۔“ میں نے بڑے مندر کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

”چلو آنندلال، اٹھو۔“

آنندلال میری صورت اور ہذیانی حالت دیکھتا رہا پھر مجھ سے وہاں بیٹھا نہیں گیا۔ میں نے اندر
جا کر ناگرا سے بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ جسم کی برف جیسے کسی نے آگ پر رکھ دی تھی۔
ہاتھوں پیروں میں ایک تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ میں کوئی خوں خوار درندہ تھا جو شکار پر جھپٹنے کے لئے پر تول رہا
ہو۔ سینہ جلنے لگا تھا۔ میری خفقانی حالت سے راستے میں ملنے والے بھکشو بھی متحیر ہوئے، بے شمار
مورتیوں کی نگاہیں میری طرف تھیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پورا بدھ گیا مجھے روک رہا ہے اور میں
ان سے نظریں بچا کر بھاگ رہا ہوں۔ میں بھاگ کر بدھ گیا کی بستی سے باہر آ گیا۔ انکا میرے سر پر
آ گئی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بے قابو ہو کر تحیر اور خوشی سے بولی۔ ”تم تو بالکل
تندرست ہو گئے جمیل!“

”مجھے واقعات بتاؤ انکا! ببن علی نے یہ گستاخی کیسے کی؟“ میں نے انکا کی بات نظر انداز کر کے
کہا۔

”ببن علی تو نیم پاگل ہو گیا ہے۔“ مجھے سنجیدہ دیکھ کر انکا کے چہرے پر چھائی ہوئی مسرت کافور

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہوگئی۔ وہ آہستگی سے بولی۔ ''آنند لال اور سید غوث کی عدم موجودگی میں ان شیطان جنوں نے ہیں کے ذریعے تزئین کو غائب کرادیا۔ وہ جن عرصے سے تمہارے منتظر ہوں گے۔ جب تم بدری نراین تلاش کر رہے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے تمہیں پریشان کیا تھا، امرلال کے ہاں بھی۔ انہوں نے زرافشاں، درخشاں کی بات بھلائی نہیں ہے۔ جب تم انہیں نہیں ملے تو انہوں نے تزئین کو اٹھا کر اپنا بدلہ لے لیا اور اب نہ جانے......''

''چپ رہو انکا! زبان سنبھال کر بات کرو۔'' میں نے گرج کے کہا۔ ''تزئین کے جسم پر خراش بھی آئی تو ہر طرف خون بہے گا۔ میں اس کمینے کی حویلی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردوں گا۔ میں اس کی نسلوں کا خون پی جاؤں گا۔'' مجھے اپنے لہجے پر قابو نہیں رہا تھا اور میری آواز ابھرنے لگی تھی۔ میرے جسم کے سر خانے میں کوئی آتش فشاں چھپا بیٹھا تھا جو فشار کرنے لگا تھا۔ میں جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔

''میں نے وہاں جانے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں بہت سے جنوں کا قبضہ ہے۔ پھر میں نے آنند لال کو پکڑا۔ یہ گیان دھیان اور تپسیا سب کچھ چھوڑے بیٹھا تھا اس لیے تزئین کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں کرسکا اور میں اسے فوراً تمہارے پاس لے آئی۔ مجھے یقین تھا کہ تم صحت مند ہوگئے ہوگے مگر تم باہر کیوں نہیں آئے؟ تم نے بڑا انتظار کرایا۔'' انکا روہانسی ہوکر بولی۔

''آہ انکا۔ سوچتا تھا، چلو جو ہوگیا، سو ہوگیا۔ بدھ گیا میں بڑا سکون ہے، یہیں مر جاؤں۔ مجھے معلوم تھا کہ تم دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی ہوگی لیکن میں جان بوجھ کر باہر نہیں آیا۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''تم مجھے اپنی صورت تو دکھا جاتے۔ میں تمہارے لیے بہت پریشان تھی۔ میں اندر کے حال سے ناواقف تھی۔ تم نے بہت ستایا ہے۔''

''میں نے کمپالا سے خود ہی وعدہ کیا تھا حالانکہ اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔ وہ مشروط معافی نہیں دیتے، نہ مشروط ترس کھاتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ............لیکن انکا، اگر ایسا وقت کمپالا پر پڑتا تو وہ کیا کرتا؟''

''میں آنند لال کو تمہارے پاس بھیج کر تمہارے سکون میں مخل نہ ہوتی۔ خود ہی انتظار کرتی رہتی مگر یہ بات ہی ایسی تھی کہ تمہیں پھر اس جہنم میں لانا پڑا۔ اس بار کوئی رعایت مت کرنا جمیل!'' انکا نے میری چنگاریوں کو ہوا دی۔

آنند لال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ میں انکا سے گفتگو کر رہا ہوں، میری رفتار تیز تھی۔

''وہ بدبخت کہاں ہے؟'' میں نے آنند لال سے پوچھا۔

Downloaded from Paksociety.com

''سنا ہے دلی کی کسی شکستہ حویلی میں موجود ہے۔ اس جگہ پر بے شمار جنوں کا سایہ ہے۔ انہوں نے اسے وہیں رکھا ہے۔'' آنند لال نے افسردگی سے جواب دیا۔

''وہ سب ناہنجار اور نابکار جن ہیں۔ ان میں کوئی معزز جن نہیں ہے۔ میں انہیں پہلے دیکھ چکا ہوں، ان سے نمٹ لیا جائے گا۔ ہمیں پہلی گاڑی سے دہلی روانہ ہو جانا چاہیے۔'' میری مٹھیاں بھنچنے اور کنپٹیاں جلنے لگیں۔ ''آنند لال۔ تزئین کی طرف غلط نظروں سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لی جائیں گی، ابھی تو میں زندہ ہوں۔''

''سوچ لو بھیا، کوئی ایک جن ہوتا تو میں بھی دیکھ لیتا۔ کئی جنوں سے سابقہ ہے۔ انہوں نے اسے دلی میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی رکھا ہوگا۔ سنجیدگی سے غور کرلو، پہلے ہمیں کہیں بیٹھ کر کوئی اپائے ڈھونڈنا چاہیے۔'' آنند لال نرمی سے بولا۔

''سوچنا کیا ہے آنند لال! اپنی ناموس پر آنچ ہوئی ہے۔'' میں نے اسے سرزنش کی۔ ''ہمیں فوراً ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو جانا چاہیے۔ ہمیں وہاں تک جانا ہوگا جہاں تک وہ فرار ہوسکیں۔''

''میں تو خود اسی لیے آیا ہوں۔ سید غوث کی حالت بہت نازک ہے۔ وہ پاگل ہوگیا ہے۔ مجھے اس کی فکر کھائے جا رہی ہے، جمیل بھائی! تمہاری بدولت ہم لوگ بہت محبت اور سکھ سے رہ رہے تھے۔ اچانک یہ افتاد آپڑی۔'' آنند لال تاسف سے بولا۔

''انکا! تم سید غوث کے سر پر جاؤ۔'' میں نے بلند آواز میں انکا کو حکم دیا۔ ''اور اسے دلاسا دو کہ میں بدھ گیا سے باہر آگیا ہوں۔ ادھر ہم دلی کی طرف کوچ کرتے ہیں۔''

''میں چلی جاتی ہوں لیکن میری مانو تو مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔ تمہیں شاید میری ضرورت پڑے۔ میں ایک آدھ جگہ کام آسکتی ہوں۔''

''نہیں، تمہاری ضرورت پڑی تو تمہیں بلا لیا جائے گا اور تم لمحوں میں آجاؤ گی۔ سید غوث کو سنبھالنا ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے، تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں مگر تم عقل و ہوش سے کام لینا۔ اب بہت وقت گزر گیا ہے۔ بچوں کی سی جلدی اور بوڑھوں کا سا تامل کرنا۔'' انکا نے کہا۔

انکا مجھے مشورے دیتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی۔ آنند لال اور میں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے گیا سے دور ہوگئے، پھر دلی جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

بدھ گیا میں مجھے ایک سال سے زیادہ مدت گزر چکی تھی حالانکہ یہ دن بڑی یکسانی، خاموشی کے تھے لیکن ان کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ زندگی کی گاڑی بہت آگے کھنچ گئی تھی، گیا میں رہنے کے

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بعد وقت کچھ پیچھے کھسک گیا تھا اور میں خود کو زیادہ توانا اور تازہ محسوس کر رہا تھا۔ آنندلال کا بھی یہی خیال تھا کہ میرے چہرے سے گزرے وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ سب سکون وقناعت کی زندگی کا ثمر تھا۔ اگر آنندلال نہ آتا تو شاید میں کبھی باہر نہ نکلتا۔ اس نے آ کے میرے خانۂ سکوں میں نقب لگائی تھی، ترئین میری نرگس کی ہم شکل تھی اور وہ میری بیٹی تھی جس کے لئے میں نے نہ جانے کتنے دکھ اٹھائے تھے، اسے کہاں کہاں سے بچایا تھا؟ اس کے لئے لکھنؤ میں خون بہایا، سزائیں کاٹیں، اس کے لئے زندگی کے عذاب جھیلتا رہا۔ خود وہ میری خاطر پریتم لال کے استھان کی تنہائیوں میں انتظار کی مشقت سہتی رہی۔

مجھے حیرت تھی کہ کلدیپ کتنی خود غرض ہو گئی ہے۔ آخر ترئین اس کی بیٹی بھی تو تھی کیونکہ اس نے اسے اپنے استھان پر پناہ دی تھی اور بیٹیوں کی طرح اس کی حفاظت کی تھی۔ اس نے ترئین کی خبر بھی نہیں لی؟ کلدیپ تو ایک خواب ہو گئی تھی۔ اس سے شکوہ بے کار تھا، ساری غلطی میری تھی کہ میں دوبارہ بن علی کی حویلی میں کیوں گیا اور میں نے اپنی بہن رخسانہ کا شرم ناک واقعہ بھلا کیوں نہیں دیا؟ میرے نفس کی آوارگیوں کی سزا ترئین کو ملی تھی۔ نہ جانے اس کا پھول سا چہرہ کیسا ہوگا؟ نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی؟ میں گاڑی میں بیٹھا اس کا چہرہ اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار وہ مجھے ٹرین ہی میں ملی تھی۔ اس کا لہجہ شائستہ، اس کے اطوار شستہ تھے، اتنی ذہین، اتنی حسین، اتنی نازک اندام۔ آہ میری بیٹی، میری جان! میری آبرو۔ میری آنکھیں نم ہو گئیں۔ گھبراؤ مت، میں آ رہا ہوں۔ میں آ رہا ہوں۔ ایک ذرا انتظار کر لو۔

میں بے خبری میں خود کلامی کر رہا تھا اور آنندلال خاموشی سے ایک طرف بیٹھا تھا، ڈبے میں اور بھی کئی مسافر تھے۔ مجھے گاڑی کی رفتار پر غصہ آ رہا تھا، کہیں بھی ٹھہر جاتی تھی۔ کسی ویران جگہ، کسی اسٹیشن یا سگنل پر۔

جب میری بے چینی حد سے تجاوز کر گئی تو آنندلال نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے میرا دھیان بٹانا چاہا۔ راستے میں بہت سے مسافر اتر گئے تھے۔ فرسٹ کلاس کے اس کمپارٹمنٹ میں اب میں اور آنندلال تنہا رہ گئے تھے۔ آنندلال نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر لٹانا چاہا اور کہنے لگا۔ ”جمیل بھائی! ہمیں آپ سے بڑی شکایت ہے۔ آپ نے ہمیں اپنا شریک غم نہیں سمجھا۔“

”آنندلال! شکایتوں کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ میں ایک بدقسمت آدمی ہوں۔ میں کبھی کسی کا نہیں ہو سکا۔ اس وقت میرے ذہن پر ترئین سوار ہے۔ کچھ اور مت کہو، میں تم سے تمام خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں۔“ میں نے جز بز ہو کے کہا۔

آنندلال پھر نشست سے چپک کر بیٹھ گیا۔ رات ہو گئی تھی اور گاڑی کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی تھی۔ میں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی رک گئی۔ میں نے آنندلال سے پوچھا۔

”کون سا اسٹیشن ہے؟“

آنندلال نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ”لکھنؤ ہے۔“

”لکھنؤ! میں نے اچھل کر کہا۔ ”لکھنؤ یہاں گاڑی دیر تک رکتی ہے۔ آنندلال! ٹھہرو، ہم یہیں اترتے ہیں۔“

”مگر ہمیں تو دلی جانا ہے؟“ آنندلال نے تشویش سے پوچھا۔

”نہیں، پہلے ہم لکھنؤ اتریں گے۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ تم اپنے گرد حصار قائم کر لو۔ کچھ یاد رہ گیا ہے یا سب بھول گئے؟“

”اتنی باتیں تو خیر یاد ہیں۔“ آنندلال نے جواب دیا۔ ”مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ آپ نے ارادہ کیوں بدل دیا ہے؟“

”میرا ہاتھ پکڑ لو اور خاموشی کے ساتھ اسٹیشن سے باہر چلے چلو۔ میرا ہاتھ مت چھوڑنا اور چھوٹ جائے تو قریب رہنے کی کوشش کرنا۔“ میں نے سرگوشی میں کہا۔

آنندلال نے مزید کوئی استفسار کیے بغیر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ لکھنؤ کا اسٹیشن روشنیوں میں نہا رہا تھا۔ ہم گیٹ سے باہر آ گئے اور ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ لکھنؤ کے بازار اور کوچے سامنے تھے۔ میں نے یادوں کے دریچے بند کر دیے اور ایک جگہ تانگا رکوا دیا۔

تانگے سے اتر کر کچھ فاصلے تک پیدل چلنے کے بعد ہم ایک شکستہ حویلی کے سامنے تھے۔ بڑے دروازے پر سناٹا تھا۔ صرف ایک دربان سو رہا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا، دروازہ چرمرا کر کھل گیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اس لیے سناٹے میں دروازہ کھلنے کی آواز دور تک گونج گئی۔ اندر داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ بن علی کی حویلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے باہر رک کے آنندلال سے پوچھا۔ ”تمہیں کچھ نظر آ رہا ہے؟“

”نہیں، میں صرف یہ عمارت دیکھ رہا ہوں۔“

”یہ بن علی کی حویلی ہے جو تمہاری ناموس ترئین کو لے گیا ہے۔ آؤ اندر چلتے ہیں۔ حصار مت توڑنا، اندر جنوں سے ملاقات ہوگی۔ ممکن ہے انہیں پہلے کی سزا یاد ہو اور وہ دوبارہ سامنے آنے سے گریز کریں پھر ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔“ میں نے کہا۔

آنندلال نے آگے بڑھنا چاہا مگر میں اپنی جگہ کھڑا تھا۔ ”ٹھہرو!“ یہ کہہ کے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے اندر ڈوب گیا۔ چند لمحوں کے ارتکاز کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور آگے بڑھنے لگا۔ نچلی منزل کا حصہ مقفل تھا۔ باقی حصے میں چند ملازمین سوئے ہوئے تھے۔ وہ سوتے ہی رہ گئے۔ ہم دونوں آسانی سے اوپر کی منزل پر پہنچ گئے۔ اوپر کی منزل سے ایک چھوٹا زینہ زرافشاں درخشاں کے کمرے تک جاتا تھا۔ میں زینے ہی پر رک گیا پھر میں نے کسی قدر بھاری آواز میں کہا۔ ”بدمعاشو! میں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

آ گیا ہوں اور اس بار میرا کام دوسرا ہے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم مزاحمت کی کوشش کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔''

میں ابھی یہ کہہ رہا تھا کہ انکا دھم سے میرے سر پر آ گئی۔ ''شاید تمہیں میری ضرورت پڑے۔'' انکا نے کہا۔

''سید غوث کیسا ہے؟''

''میں اسے بمشکل سلا کے آئی ہوں۔''

''تمہیں اس کے پاس رہنا چاہیے تھا، تم یہاں کیوں آ گئیں؟''

''میں جلد ہی واپس چلی جاؤں گی۔ واقعی مجھے اس کے پاس رہنا چاہیے۔'' انکا نے سادگی سے کہا۔

''کیا اس کی حالت بہت نازک ہے؟''

''میرے جانے کے بعد کچھ سنبھلا ہے۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ آج وہ سامنے نہیں آ رہے ہیں، کیا بات ہے؟''

''وہ ضرور کوئی مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے وہ تزئین کے پاس ہوں۔ میں چونکہ حصار میں ہوں اس لیے انہیں میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی ہوگی۔''

''میں خاموش ہوتی ہوں، تم ایک بار پھر انہیں آواز دو۔''

''مجھے دیکھ رہے ہو شیطانو! میں آ گیا ہوں۔ سنتے ہو؟ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔'' میں نے آواز لگائی لیکن کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ ہاں زینے میں سے کسی کے اوپر آنے کی آہٹ ہوئی اور ''کون ہے، کون ہے؟'' کی صدائیں آنے لگیں۔

وہ ایک ملازم تھا۔ وہ مزید سیڑھیاں نہیں چڑھ سکا۔ وہیں ٹھٹک کے رہ گیا۔ میں نے زرافشاں اور درخشاں کے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے ٹٹولا۔ مجھے کچھ فاصلے پر سرسراہٹ سی سنائی دی۔ آنندلال بھی چوکنا ہو گیا۔ ''لڑکیاں تنہا نہیں ہیں۔'' انکا بولی۔

''آنندلال، دروازہ کھولو۔'' میں نے حکم دیا۔

آنندلال نے دروازے پر ایڑ لگائی۔ ''دروازہ کھلنا مشکل ہے، انہوں نے اسے دیوار سے ملا دیا ہے۔''

''انکا! تم اندر جانے کی کوشش کرو۔''

انکا میرے سر سے تھوڑی دیر کے لئے اتری پھر ناکام واپس آ گئی۔ ''اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''راستہ کیوں نہیں ہے؟'' میں نے دروازے کے درمیانی حصے پر اپنی انگلی سے مختلف اشکال بنائیں اور ایک لمحے تک پوری طرح ساکت رہا پھر میں نے آنندلال سے کہا کہ وہ اب دروازے پر زور کرے۔ دروازے پر آنندلال کے جسم کا بوجھ پڑا ہی تھا کہ وہ مختلف جگہوں سے ٹوٹ گیا۔ کمرے کے اندر سے چیخیں سنائی دیں۔ ہولناک نسوانی چیخیں لیکن سارے کمرے میں اندھیرا تھا۔ ''وہ لڑکیوں کے اردگرد کھڑے ہیں۔'' انکا نے کہا۔

''ہٹ جاؤ۔ لڑکیوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''اور حیق، انہیں میرے حوالے کر دے۔''

''رحیق یہاں نہیں ہے۔'' کسی نے بارعب آواز میں کہا۔

''سامنے آؤ کم بختو۔ یہ اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟''

''ہم نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔''

''میں تمہاری اوقات جانتا ہوں۔'' میں بہت احتیاط سے آواز کی سمت آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ''کیا روشنی کے لئے مجھے یہ ساری حویلی نذرِ آتش کرنی پڑے گی؟'' وہ میرے حصار کے اردگرد کھڑے تھے۔

''تمہیں اس کی مہلت نہیں ملے گی۔'' کسی نے جواب دیا۔

''میں کہتا ہوں، مان جاؤ۔'' میں نے انہیں للکارا۔

''تم ٹھیک سمت میں جا رہے ہو۔'' انکا نے مجھے ٹھوکا دیا۔

''اندھی! کیا میں ان تک پہنچ بھی نہیں سکتا۔ کیا یہاں میں جھک مارنے آیا ہوں؟'' اندھیرے میں سہمے ہوئے دو سائے مجھے نظر آئے۔ وہ زرافشاں اور درخشاں تھیں۔ ان کی سسکیاں روکنے کی کوشش میں جن بھی ناکام ہو گئے تھے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمارا حصار ٹوٹ گیا کیونکہ یہاں انہوں نے خود ایک دائرہ کھینچا ہوا تھا۔ اسی وقت افراتفری مچ گئی۔ مجھے ان گنت ہاتھ اپنے گردن، سینے اور ٹانگوں سے لپٹے ہوئے محسوس ہوئے۔ آنندلال بھی چیخنے لگا پھر وہ نمودار ہو گئے۔ وہ تعداد میں کئی تھے۔ ان میں رحیق نہیں تھا۔ انہوں نے چاروں طرف سے ہمیں گھیر لیا۔ مجھے کچھ وقفہ درکار تھا اس لیے میں نے ان کی یلغار روکی نہیں۔ میں خاموش کھڑا رہا کسی پتھر کی طرح منجمد۔ انہوں نے عجلت کے ساتھ مجھے رسی سے باندھ دیا۔ میں پڑھتا رہا۔ اسی وقت انکا میرے سر سے اتر گئی اور درخشاں چیختی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ جنوں نے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ مجھ سے چمٹ گئی۔ میں نے چپکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے سر پر انکا موجود تھی۔ جنوں نے اس کا ہاتھ چھڑانے کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہے۔ دوسرے ہی لمحے انکا زرافشاں کو بھی میرے قریب لے آئی۔ اسے آنندلال نے پکڑ لیا۔ درخشاں کے سر سے چونکہ انکا اتر گئی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھی اس لئے اس نے بری طرح دہاڑیں مارنی شروع کر دی تھیں۔ میں اسے عرصے میں اپنا کام کر چکا تھا۔ میرے ایک ہی بل سے رسیاں ٹوٹ گئیں اور میرا ہاتھ مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ میں نے درخشاں کو اپنے بازو سے لگا لیا اور پھر سے اس تمام شور و شغب میں ایک لمحاتی نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جن بار بار مجھ پر اور آنند لال پر حملہ کر رہے تھے، آنند لال مجھ سے چمٹا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں زرافشاں کا ہاتھ تھا۔ ہم سب ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ اچانک حویلی میں کوئی چنگاری سی لپکی اور اس نے کمرے کے ایک کونے میں آگ کی شکل اختیار کر لی۔ ''چلو۔'' میں نے آنند لال کو اشارہ کیا۔ ''اب کوئی ہمیں پریشان نہیں کر سکتا۔ جن ہولناک چیخوں کے ساتھ ہم سے اچانک دور ہو گئے اور ان کی گرجتی برستی دیواریں ہم سے کچھ فاصلے پر ہو گئیں۔ وہ اب ہمارے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ ہمیں دوبارہ ہاتھ لگانے کی جسارت کرتے تو میرے ہاتھ میں آ جاتے۔ میں یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک میرے قابو میں آ جائے۔ میں نے بہت پھرتی سے جنوں کی توجہ آگ کی جانب مبذول کر کے ایک موقع حاصل کر لیا تھا کہ میں اور آنند لال اور لڑکیاں ان کی زد سے محفوظ رہیں۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے ہی پر رہے اور مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر ہماری جانب پھینکنے لگے۔ ان میں سے کوئی میری دسترس میں نہیں آیا۔ واپسی کے وقت میری رفتار تیز نہیں تھی۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایک ہاتھ لگ جائے تو میں اسے رحیق کی طرح باندھ کر لے جاؤں لیکن آگ پھیلتی جا رہی تھی، انکا نے عجلت کا مطالبہ کیا۔ آنند لال بھی گھبرا گیا تھا۔ درخشاں کی وحشت نے اور الجھا رکھا تھا۔ کمرے میں آگ تھی اور شور تھا۔ سلامت جان کی حویلی کا منظر مجھے یاد آ گیا۔ یہ قیمتی ساز و سامان، یہ فانوس، یہ منقش دیواریں۔ یہ محرابیں سب کچھ صبح تک ملبے میں تبدیل ہو جائے گا۔ کمرے کے دروازے سے ہم سیڑھیوں پر آ گئے۔ سیڑھیوں پر ایک قیامت سی مچ گئی۔ درخشاں بین کر رہی تھی۔

میں بڑے دروازے کے بجائے عقبی دروازے سے باہر آ گیا۔ جن ابھی تک ہمارے تعاقب میں تھے اور کسی موقع کی تاک میں تھے۔ اس بدقسمت حویلی میں مزید زور آزمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے صدہا مواقع پر عدم احتیاط سے میں نے شدید ترین نقصانات اٹھائے تھے۔ ہن علی کے آباء کی شاندار اور وسیع حویلی کا نام و نشان مٹ رہا تھا۔ میں نے حویلی سے باہر آنے میں عجلت کی اور باہر آ کے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا، میں نے کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ تم اپنی کثرت تعداد کے باوجود کچھ نہیں کر سکے۔ میں ان دونوں لڑکیوں کو لے جا رہا ہوں۔ رحیق سے کہہ دینا وہ میری بیٹی کو صحیح و سلامت اس کے گھر پہنچا دے ورنہ یہ دونوں لڑکیاں بخیر نہیں ملیں گی اور خود اسے بھی کسی جگہ امان نصیب نہ ہو گی۔ سمجھے؟ اسے بتا دینا اور زیادہ شور و شغب اور شعبدے بازی سے بچنا۔''

Downloaded from Paksociety.com

حویلی پر ایک الوداعی نظر ڈال کر میں درخشاں کا ہاتھ پکڑے پکڑے تیزی سے چلنے لگا۔ میرے بالکل قریب آنند لال زرافشاں کے ساتھ تھا۔ انکا زرافشاں کے سر پر تھی اور سامنے لکھنؤ کی گلیاں تھیں، سنسان، خاموش، اندھیری گلیاں مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ ہمیں کوئی نہ دیکھ پاتا۔ درخشاں کسی وقت بھی شور مچا سکتی تھی، یوں بھی ہم بڑی مشکوک حالت میں سفر کر رہے تھے۔ درخشاں اور زرافشاں کے سر پر برقع بھی نہیں تھا۔ لکھنؤ کی دو حسین لڑکیوں کے ساتھ اتنی رات گئے گھومنے کا مطلب بڑی آسانی سے لوگ نکال سکتے تھے۔ آنند لال بار بار میرے چہرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا مگر میں ایسے بے شمار واقعات میں گھر چکا تھا۔ میں نے درخشاں کا ذہن معطل کر دیا۔ اب وہ ایک سدھائے ہوئے جانور کی طرح میری انگلی کے سہارے چل رہی تھی۔

اب ہم کہاں جائیں؟ چچا جان کے گھر؟ نہیں چچا جان سے تمام امور کی وضاحت کون کرتا پھرے گا۔ پھر کسی ہوٹل میں؟ صبح تک پولیس ہمارے تعاقب میں فعال ہو چکی ہو گی۔ اس لیے لکھنؤ کے کسی ویران مقام پر قیام کرنا چاہیے یا جلد سے جلد لکھنؤ چھوڑ دینا چاہیے۔ سوچتے سوچتے اور اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے میں نے انکا سے مدد لی اور اسے جلد سے جلد کوئی گاڑی فراہم کرنے کا حکم دیا۔ انکا چند لمحے غور کرتی رہی۔ مجبوراً مجھے ایک چھوٹے سے منتر کے ذریعے زرافشاں کو بھی درخشاں کی طرح معطل کرنا پڑا کیونکہ انکا اب اس کے سر پر مقیم نہیں رہ سکتی تھی۔ ویسے میری سحر کار آنکھیں ہی کافی تھیں۔ لڑکیاں پہلے ہی اپنے ہوش و حواس میں کہاں تھیں جواب مزاحمت کرتیں؟ میں اور آنند لال ایک دیوار کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ انکا زرافشاں کے سر سے جا چکی تھی۔ آنند لال بھی گم صم تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک ہمیں اس گندے مقام پر بیٹھنا پڑا۔ پھر یکایک گلی میں ایک کار نمودار ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ انکا آ گئی ہے، میں نے آنند لال کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور رات کے لباس میں تھا، اس نے بڑے ادب سے دروازہ کھولا۔ میں اگلی نشست پر اور آنند لال اور لڑکیاں پچھلی نشست پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔

''کیا سوچا ہے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''گاڑی کتنی دور تک چل سکتی ہے؟''

''نئی گاڑی ہے، سو ڈیڑھ سو میل تو آرام سے چلی جائے گی۔''

ڈرائیور نے سعادت مندی سے کہا، وہ انکا کے زیر اثر تھا۔

''نہیں، ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر کیا رائے ہے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''اس وقت کیا بجا ہے؟''

''ڈیڑھ بج رہا ہے۔'' ڈرائیور نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"ٹھیک ہے، گاڑی گرانڈ ٹرنک روڈ پر ڈال دو۔"

"بہتر ہے۔" ڈرائیور نے گردن ہلائی اور رفتار تیز کر دی۔

"تم آرام کر سکتے ہو آنندلال!"

"کمال ہے جمیل بھائی! کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔ مگر اب ہم جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"آپ ساتھ ہیں تو خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، ویسے ہم دہلی ہی جا رہے ہیں؟" آنندلال نے پوچھا۔

"یقیناً۔ اب زیادہ حجت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، یہ لڑکیاں ہن علی کی بہنیں ہیں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں۔" آنندلال سر ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

موٹر لکھنؤ سے بہت دور ویرانے میں نکل آئی تو میں نے انکا سے کہا۔ "ڈرائیور کو اتار دو۔"

ڈرائیور نے موٹر روک لی اور خاموشی سے اتر گیا۔ یہ ڈرائیور لکھنؤ کا کوئی نواب تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور موٹر پر پوری طرح قابو پا لیا۔ انکا کی واپسی بھی چند لمحوں میں ہو گئی۔

"آپ کمال کی ڈرائیونگ کرتے ہیں۔" آنندلال بولا۔

"کرتا تھا۔ ہاتھ ٹوٹ جانے سے چلانے میں تکلیف ہوتی ہے۔"

☆......☆......☆

راستے میں ایک جگہ رک کر ہم نے پٹرول ڈلوایا اور مسلسل چلتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو میل کا سفر ہم نے چھ گھنٹے میں طے کر لیا اور بریلی پہنچ گئے۔ بریلی میں ہم نے موٹر چھوڑ دی اور دہلی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ بریلی سے دہلی کا فاصلہ بھی ڈیڑھ سو میل کے قریب ہے۔ ٹکٹ لینے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ جس ڈبے میں ہمیں جگہ ملی اس میں اتفاق سے ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ انکا کی وجہ سے انہیں رامپور میں اترنا پڑا۔ ڈبے میں تنہائی ہو گئی تو میں نے نشست سے سر ٹکا دیا۔

آنندلال بھی پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا تھا۔ درخشاں، زرافشاں ابھی تک سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ میں نے پہلی بار ان کی طرف غور سے دیکھا۔ میں ان کے بارے میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ حسن و شباب میں کیسی بے نظیر لڑکیاں تھیں۔ اب بھی ان کے شباب کا وہی عالم تھا۔ تاہم بہت اداس اور ملول تھیں، جیسے کوئی ان سے زندگی کا رنگ چھین کر لے گیا ہو۔ میں ان کا غاصب تھا اور وہ مجھ سے نظریں ملاتے ہوئے کترا رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے گفتگو کی ابتدا کس طرح کروں؟ مجھے ان پر کبھی ترس آتا تھا، کبھی غصہ، کبھی جی چاہتا تھا کہ انہیں کچا چبا لیا جائے۔ کبھی طبیعت ان سے ہمدردی کرنے پر مائل

ہوتی تھی۔ آنندلال بھی ان کے حسن سے متاثر معلوم ہوتا تھا۔ خاموشی کے کئی لمحے بیت گئے پھر میں نے نرم آواز میں پہل کی۔ "زرافشاں، درخشاں! آرام سے بیٹھ جاؤ تم سوچ رہی ہو گی کہ تم نے کون سا قصور کیا ہے جس کی سزا تمہیں دی جا رہی ہے؟ ہاں تمہاری کوئی خطا نہیں ہے تم تو بہت معصوم لڑکیاں ہو، میں تم سے شرمندہ ہوں لیکن جو ہو گیا ہے، اسے بھول جاؤ اور جو ہو رہا ہے اسے برداشت کرنے کی کوشش کرو۔"

پھر میں نے تزئین کے بارے میں انہیں تمام واقعے سے آگاہ کر دیا۔ وہ کسمپرسی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگیں۔ "تم میرے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی ہو۔" میں نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ "میں جانتا ہوں مگر وہ ایک غبار تھا۔ یقین کرو، وہ ایک غبار تھا۔ میں بہت برا آدمی ہوں لیکن اتنا برا بھی نہیں ہوں کہ تم میری بات تک نہ سنو۔ تمہارا پورا گھر تباہ ہو گیا ہے اور ہن علی اس کے ذمے دار ہیں۔ تمہاری حفاظت، آبرو اور پاکیزگی کا میں پاسبان ہوں۔ تم ان جنوں کا خیال چھوڑ دو۔"

زرافشاں اور درخشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" خود میری آواز لرزنے لگی۔ "تمام معذرتیں بے کار ہیں۔ میں تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم ماضی بھول جاؤ۔ میرا گزشتہ چہرہ بھلا دو۔ آؤ ہم ایک نیا معاہدہ کریں۔"

"ہم کیا کہیں۔" زرافشاں روتے ہوئے بولی۔ "ہم آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ آپ جو چاہیں، ہم سے کہہ لیجیے۔ انکار کی مجال کسے ہے؟"

"تم پر میرا جبر نہیں ہے زرافشاں۔ شاید میں بے کار باتیں کہہ رہا ہوں۔ بہر حال میری درخواست ہے کہ تم میری بیٹی کی بازیابی تک میرے ساتھ تعاون کرو۔ شاید بعد میں تم میرے متعلق اپنی رائے بدل دو۔ میں بس یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

میں ان سے کیا کہتا؟ وہ کیا جواب دیتیں؟ اس گفتگو سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ حبس و تکدر کی جو ایک فضا تھی۔ وہ ختم ہو گئی۔ مراد آباد کے اسٹیشن پر ہم نے کھانا کھایا۔ میں کسی نہ کسی بہانے ان سے گفتگو کا موقع نکال لیتا تھا، اب وہ کچھ سہمی ہوئی تھیں۔ ان کا انداز بڑا لطیف تھا۔ روتی تھیں تو ان کے آنسو پی جانے کو جی کرتا تھا، بولتی تھیں تو ان کے سفید موتیوں جیسے دانت چمکتے تھے اور ان کا ہار بنانے کی خواہش ابھرتی تھی۔ گڑھ مکتیشر تک ان کا خوف خاصی حد تک دور ہو گیا تھا۔ آنندلال بھی ہماری گفتگو میں شریک ہو جاتا تھا مگر وہ میری ذات کے گوناگوں پہلوؤں پر دم بخود سا تھا۔ انکا بھی ڈبے سے باہر بیرونی طاقتوں پر نظر رکھے ہوئے تھی، میں نے ڈبے میں آ کر پہلا کام اپنی حفاظت کا کیا تھا، سفر میں ایسے کتنے ہی شہر گزرے، جہاں کی بستیوں میں میری کہانیاں بکھری پڑی تھیں۔ دہلی کے قریب میں نے ارتکاز کی ایک مشق کی۔ میں پتھر بن گیا، بے حس و حرکت منجمد، جیسے کوئی مجسمہ۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دہلی اسٹیشن پر میں نے مشق ختم کی۔ زرافشاں اور درخشاں کی طرف سے مجھے کچھ سکون ہو گیا تھا، ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ہم مقامی مسافروں کی طرح اترے۔ انکا نے دروازے پر ٹکٹ چیکر کے سر پر جا کر ٹکٹ کی مشکل بھی آسان کر دی۔ دہلی اسٹیشن پر لوگ زرافشاں اور درخشاں کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔ وہ خالص گھریلو لباس میں تھیں۔ ان کا بے مثال حسن دہلی اسٹیشن کی رونق میں زبردست اضافہ کر رہا تھا۔ ہر طرف حریص نظروں کا جال بچھ گیا تھا۔ میری اور آنند لال کی حالت یقیناً درخشاں اور زرافشاں جیسی حسین لڑکیوں سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ مسافر چوکنا تھے، میرے تو بال ہی بڑھے ہوئے تھے۔ عجب اول جلول سا شخص نظر آتا تھا۔ جسم پر بدھوں کا لباس تھا۔ ساتھ میں اودھ کی لڑکیاں اور آنند لال۔ میں نے محسوس کیا کہ دلی کے چند من چلوں نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ ان میں ایک شورہ پشت جوان عمر کا غنڈا آوازے تک کسنے لگا۔ یہ نوجوان غنڈا انکا کے ایک اشارے سے زیر ہو سکتا تھا مگر میں نے انکا کو منع کر دیا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ درخشاں، زرافشاں کو کہاں روپوش کیا جائے؟

انکا ٹیکسی کی تلاش میں نکل گئی تھی اور ہم اسٹیشن کے باہر اس کے منتظر تھے کہ غنڈے نے ہمارے قریب آ کر درخشاں اور زرافشاں کے متعلق کچھ نازیبا فقرے کسے، میں اسے پی گیا۔ بھرے اسٹیشن پر کوئی ہنگامہ کرنا اچھی بات نہیں تھی لیکن میری خاموشی سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ میرے قریب آ کر کہنے لگا۔ ”کہاں سے اٹھا لائے یہ نگینے؟“

میں نے پہلی بار اسے سر سے پاؤں تک گھور کے دیکھا۔ ”جاؤ اپنا کام کرو۔“ میں نے ڈانٹ کر کہا۔

”میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟“ غنڈا ڈھٹائی سے بولا۔

یہ میرے تحمل کی انتہا تھی، میں نے ضبط کیا اور طنز سے بولا۔ ”تم کیا مدد کر سکتے ہو؟“

”شبن خان کیا نہیں کر سکتا؟“ اس نے جرأت سے کہا اور اپنا لمبا چاقو کھر رسے کھول دیا۔

”کوئی محفوظ مکان چاہیے۔“ میں نے رازداری سے کہا۔

”خدا کی قسم، ایک سے ایک جگہ حاضر ہے۔ ہاتھ لاؤ استاد۔“

میں نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیا۔ ”شبن میاں! ہم سے دھوکے بازی نہیں چلے گی۔“

”کیسی دھوکے بازی؟“ شبن خان اترا کے بولا۔ ”پر اپنا حصہ پکا ہے۔“

”پکا!“ میں نے پیشہ وروں کی طرح دہرایا۔

”تو آؤ میرے ساتھ۔“ شبن خان ترنگ میں بولا۔

”ٹھہرو۔ ٹیکسی آ رہی ہے۔“ میں نے اشارہ کیا۔ مجھے یقین تھا یہ ٹیکسی انکا لے کے آئی ہے۔

ہم سب اس میں بیٹھ گئے۔ شبن خان ندیدوں کی طرح زرافشاں اور درخشاں کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں لڑکیوں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ راستہ شبن خان بتا رہا تھا۔ قدیم طرز کی ایک عمارت کے قریب پہنچ کر اس نے ٹیکسی رکوا دی۔ یہ دو منزلہ عمارت تھی، زینہ علیحدہ تھا۔ شبن خان ہمیں اوپر لے گیا۔ نیچے کے حصے میں اس کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ قمار خانہ اور شراب خانہ۔ دیسی شراب کی بو اور بے ہنگم آوازیں زینے تک آ رہی تھیں۔ اوپر کچھ سکون تھا اور کئی کمرے تھے جو سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ سارا مکان خالی پڑا تھا لیکن دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے استعمال کیا جاتا رہتا ہے۔

درخشاں زرافشاں کو ایک علیحدہ کمرے میں ٹھہرا کے اور آنند لال کو کمرے کے باہر متعین کر کے میں نے پورے مکان کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے میں اسلحہ کا بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا۔ شبن خان کوئی معمولی بدمعاش معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کی نوک دار مونچھیں اور شہدوں کا مخصوص انداز ہی شریف آدمی کا جینا حرام کر دے۔ شبن خان نے سب سے پہلے ہمارے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ ہم نے جیسے تیسے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر میں شبن خان کے ساتھ نیچے قمار خانے میں آ گیا جہاں ایک سے ایک چھٹا ہوا بدمعاش بیٹھا تھا۔ یہاں اس نے مجھ سے لڑکیوں کے بارے میں تفصیل پوچھنی چاہی۔ میں نے اسے منع کر دیا کہ وہ لڑکیوں کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرے۔ میں اس کی ہر بات ٹالتا رہا اور اسے معقول معاوضہ دینے کی پیش کش کی۔ شبن خان نے مجھے دلی کے کئی با اثر افراد، امرا اور صاحب ذوق اشخاص سے ملوانے کا ذکر کیا کہ وہ ان حسین لڑکیوں کی قدر کریں گے مگر میں نے سختی اور درشتی سے اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ وہ اس لہجے کا عادی نہیں تھا، برہم ہو گیا اور اس نے مجھے دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ اس نازک صورت حال سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ہماری تلخ گفتگو سے اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے بدمعاش بھی متوجہ ہو گئے اور شبن خان کی پشت کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ ”لڑکیاں ہمارے قبضے، ہمارے مکان میں ہیں۔ مت بھولو کہ ہم تمہیں کسی بھی وقت پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں، سمجھے؟“ شبن خان نے مجھے دھمکی دی۔ میں شبن خان کی باتیں اڑاتا رہا، یہ تلخی میں خود بڑھانا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے ترکی بہ ترکی جوابات دے کر شبن خان اور اس کے گروہ کو اتنا مشتعل کر دیا کہ انہوں نے میری داڑھی پر ہاتھ ڈال دیا۔ غنڈوں سے نمٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے اپنی طاقت اور برتری کا لوہا منوایا جائے بشرطیکہ حوصلہ اور طاقت موجود ہو۔ میں نے اس شخص کی گردن اپنے واحد ہاتھ سے پکڑ لی جس نے میری داڑھی پر ہاتھ ڈالا تھا اور اس کے کلے پر اتنا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ چاروں شانے چت گر گیا۔

شبن خان نے تیزی سے اپنا رامپوری چاقو لہرا کر کھول لیا اور گالیاں دیتا ہوا میری طرف بڑھنے لگا۔ تمام بدمعاش اس کا حوصلہ بڑھانے لگے۔ میرے سر پر انکا تھی۔ شبن خان نے دو تین وار کرنے چاہے۔ میں اِدھر اُدھر پھدک کر کسی نہ کسی طرح اس کے وار سے بچ گیا۔ غلیظ گالیوں کا ایک سیلاب میرے منہ سے امڈ رہا تھا۔ میں یہ قصہ مختصر کرتا ہوں۔ شبن خان کا کوئی داؤ مجھ پر کارگر نہ ہو سکا۔ میں نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع دیا تھا۔ میرا اطمینان قابل دید تھا۔ ”ابھی بچے ہو۔ کھیلنے کودنے کے دن ہیں شبن خان۔“ یہ کہہ کے میں نے ایک ہی جست میں شبن خان کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اتنی زور سے دبایا کہ چاقو دو گز دور جا گرا، پھر میں نے لاتوں اور گھونسوں سے شبن خان کی اچھی خاصی تواضع کر دی۔ شبن خان زمین پر گر کے زور زور سے ہانپنے لگا۔ میں اسے ایک لمحے میں جہنم رسید کر سکتا تھا مگر یہ تماشا اسے ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ شبن خان پر اپنی برتری قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ شبن خان منہ سے خون صاف کرتا ہوا اٹھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

”خدا کی قسم استاد! تم تو چھپے رستم نکلے۔ شبن خان سے تو آج تک کوئی مائی کا لال نظر بھی نہیں ملا سکا تھا۔“ وہ میرے گلے میں لگ گیا اور اس نے فوراً چائے اور شیرینی لانے کا حکم دیا۔ میں بہ ظاہر غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ کہا جائے تو بہت کچھ ہے مگر کس کس واقعے کی یاد تازہ کیجئے گا؟ شبن خان ریشہ خطمی ہو چکا تھا اور میرے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار تھا۔ میں نے مختصر لفظوں میں اسے ان دونوں لڑکیوں کی بابت بتایا۔ پُراسرار باتوں کا تذکرہ میں نے دانستہ چھوڑ دیا۔ شبن خان نے وعدہ کیا کہ اب زرافشاں اور درخشاں میری طرح اس کی بھی عزت و آبرو ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے غنڈوں نے تائید کی۔ میں نے شبن خان کا زمین پر پڑا چاقو اٹھا لیا اور کمرے کی مغربی دیوار پر لگی ہوئی اس کی تصویر کا نشانہ لیا۔ شیشہ چھن چھنا کر ٹوٹ گیا اور عین شبن خان کے چہرے پر چاقو گڑ گیا۔

بین علی کی بہنوں کی حفاظت اس سے بہتر طریقے سے ممکن نہیں تھی۔ غنڈے میری خاطر تواضع میں بچھے جا رہے تھے۔ میں نیچے کے لوگوں سے مطمئن ہو کے اوپر آ گیا اور آنند لال سے اجازت طلب کر کے دوسرے کمرے میں جا کے مراقبے میں ڈوب گیا کہ اب مجھے اصل کام انجام دینا تھا۔ انکا آنند لال کے سر پر چلی گئی تھی۔

... جنوں نے زرافشاں اور درخشاں کے واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ تزئین ابھی تک بین علی کے پاس تھی اور بین علی کے سر پر کئی جن سوار تھے۔ انہیں کل رات بین علی کی حویلی جلنے کی اطلاع مل گئی ہوگی اور میرے دہلی آنے کی خبر بھی ہو گئی ہوگی مگر انہوں نے تزئین کو واپس نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں زرافشاں اور درخشاں کے بدلے میں تزئین کا سودا منظور نہیں ہے۔ میں نے انکا کو روک کے آنند لال کو سید غوث کے پاس واپس بمبئی بھیجنا چاہا مگر وہ مجھے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔

میں رات بھر جاگتا رہا اور میں نے کامل استغراق کیا۔ صبح اٹھ کے زرافشاں اور درخشاں کی خیریت پوچھی اور انہیں اس وقت تک کمرے میں بند رہنے کا حکم دیا جب تک میری واپسی نہ ہو جائے۔ باہر سے دروازہ بند کر کے میں نے اسے پوری طرح محصور کر دیا اور شبن خان کو ہدایت کر دی کہ وہ لڑکیوں کا خیال

رکھے۔ شبن خان نے وعدہ کیا کہ وہ جان پر کھیل جائے گا۔ شبن خان بھی میرے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا۔

”تمہارا کام یہ ہے کہ تم یہیں موجود رہو اور سنو جب تم کوئی خطرہ محسوس کرو تو انکا انکا آوازیں دینا۔ میں جہاں کہیں ہوں گا، مجھے خبر ہو جائے گی۔“

شبن خان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ”کیا مطلب استاد؟“

”زیادہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے خفگی سے کہا۔ ”تم سے جو کہا گیا ہے اس پر عمل کرو۔“ یہی ہدایت میں نے زرافشاں اور درخشاں کو بھی دی۔

☆......☆......☆

ہمارے تیز قدم اس شکستہ حویلی کی طرف اٹھ رہے تھے جہاں تزئین...... میری بیٹی موجود تھی۔ دلی سے دور یہ حویلی کسی جاگیردار نے بنائی تھی۔ یہاں اب کوئی آباد نہیں تھا کیونکہ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جنوں کا مسکن ہے۔ دوپہر تک ہم وہاں پہنچ گئے۔ عمارت کیا تھی، ایک کھنڈر تھا۔ کسی زمانے میں یقیناً اس کا شمار دلی کی شان دار عمارتوں میں ہوتا ہوگا مگر اب وہاں خاک اڑ رہی تھی۔ وہاں جانے سے قبل میں نے آنند لال کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔ خود انکا مجھے یہ مشورہ دے رہی تھی۔ عمارت ایک شکستہ احاطے کے اندر تھی۔ میں نے کچھ دور رک کر اس کا مکمل جائزہ لیا۔ انکا بار بار مجھے ٹوک رہی تھی۔ مجھے اس کی یہ دخل اندازی بری معلوم ہوئی۔ میں نے اسے سید غوث کے سر پر جانے کا حکم دے دیا۔ وہ ناراض ہو کر چلی گئی مگر چند ہی لمحوں میں واپس آ گئی۔ ”سید غوث بمبئی میں نہیں ہے۔“ اس نے منہ بسور کے کہا۔

”پھر کہاں ہے؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔

”وہ میسور میں کلدیپ کے استھان پر چڑھ رہا ہے۔“ انکا نے ناراضی سے جواب دیا۔

”وہاں کیوں گیا ہے وہ؟“

”اور کہاں جاتا؟“ انکا کے بجائے آنند لال نے جواب دیا۔

”بے وقوف ہے۔ کیا کلدیپ اس کی کوئی مدد کرے گی۔ ہنہ۔“

”مصیبت زدہ شخص تو ہر طرف دوڑتا ہے۔“

”پاگل ہو گیا ہے۔ کلدیپ تو مر چکی ہے۔“

حویلی کے ایک حصے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے اس کی دیوار پر ہاتھ رکھ دیا اور ہم سیدھے راستے سے اندر داخل ہونے کے بجائے ٹوٹی ہوئی دیوار کے راستے اندر قدم رکھنے لگے۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے اور آنند لال کو ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک جن تھا۔ ہم اپنی جگہ کھڑے رہے۔ اس نے ذرا فاصلے پر رک کے کہا۔ ”بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

آنندلال نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے آواز لگائی۔ ''اسے واپس کر دو۔ مجھے اسے واپس کر دو۔''

''جمیل! آگے مت بڑھنا۔'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''تمہیں یاد ہوگا کہ امرلال کے پاس بھی جن موجود تھے۔ جن میں سے کئی نے ہمیں بھگانے کے لئے بدری نرائن کی شکلیں اختیار کر لی تھیں۔ ایک خطے میں تم دھوکا کھا گئے تھے۔ ممکن ہے جنوں کو یہاں بھی امرلال کا تعاون حاصل ہو۔ یہیں سے آواز لگاؤ۔''

میں نے اس کا مشورہ مان لیا اور بوڑھے شخص سے گرج کر کہا۔ ''میری چیز مجھے واپس کر دو ورنہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بہتر ہوگا پہلے میرے بارے میں خوب غور کر لو کہ میں کیا ہوں؟''

دلی سے دور اس پُراسرار حویلی میں کبھی انسانوں کا قیام ہوگا مگر اب وہ جگہ جنوں کا مسکن تھی۔ عام آدمی حویلی کی شکستگی ہی دیکھ کر وہاں قدم رکھتے ہوئے گھبراتا ہوگا۔ ماحول پر وحشت طاری تھی۔ یہاں اندر کسی کمرے میں میری بیٹی جنوں کے قبضے میں تھی اور میرے دل پر آریاں سی چل رہی تھیں۔ میں اسے دیکھنے کے لئے بے تاب تھا لیکن اس تک پہنچنے میں نادیدہ دیواریں حائل تھیں۔ تزئین کے لئے میں سب کچھ لٹا سکتا تھا، تزئین میری نیکی تھی۔ وہ میری عبرت ناک زندگی کے اندھیرے دنوں کا ایک سویرا تھی۔ وہ میرے جرائم اور میری کثافت و غلاظت کے ڈھیر میں ایک پاک اور لطیف نگینہ تھی۔

میری آواز حویلی کے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار میں بازگشت کرتی ہوئی گونجی۔ ''سنتے ہو اور اگر یہ صاف بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو مجھے دوسرے طریقوں سے سمجھانا بھی آتا ہے۔'' میں نے تلخی میں اس بوڑھے جن سے کہا جو حویلی سے برآمد ہوا تھا۔ ''تم میری بیٹی، تزئین میرے حوالے کر دو اور اس حویلی کی تنہائیوں میں ڈوب جاؤ۔ کون تمہارے معاملے میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔''

بوڑھا جن اپنی جگہ جما رہا اور استہزائی انداز میں بولا۔ ''زندگی چاہتے ہو تو خاموشی سے لوٹ جاؤ ورنہ پھر انہیں روکنا میرے بس میں نہیں رہے گا۔ وہ تمہارے وجود سے نفرت کرتے ہیں اسی لیے تمہاری بیٹی کو یہاں لے آئے ہیں۔ جاؤ فی الحال اپنی بیٹی کا خیال دل سے نکال دو۔ جب ان کا جی چاہے گا وہ اسے واپس کر دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں تمہارے لیے یہ سزا ہی بہت ہے کہ تمہاری آبرو اجنبی بازوؤں کی گرفت میں ہے۔''

بوڑھے جن کا اشتعال انگیز رویہ میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم تو دیکھ چکے ہو کہ میں نے تمہارے لاڈلوں کو کہاں کہاں شرمندہ کیا ہے، میں کسی برتے ہی پر یہاں آیا ہوں اور اپنی بیٹی کو ساتھ لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے تمہاری شرافت اور خباثت کا پورا

علم ہے۔ تم چاہے تعداد میں کتنے ہی کیوں نہ ہو مگر میں تنہا تم لوگوں کے لئے قہر بن سکتا ہوں۔ شاید تمہیں خبر ہو گئی ہوگی کہ میں لکھنؤ سے گزرتے ہوئے زرافشاں اور درخشاں کو بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ تم سے نمٹنے کے لئے میں کسی زحمت میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیٹی میری زندگی ہے، میں اپنی زندگی کے لئے یہاں آیا ہوں۔''

''دفع ہو جاؤ۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

آنندلال کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور انکا میرے سر پر کلبلا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھنے کے بجائے اپنی جگہ سے آواز لگائی۔ ''جلد از جلد کوئی فیصلہ کر لو اور تمہیں فیصلے کا اختیار نہ ہو تو رحیق کو بلاؤ۔ میں اس سے دوٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں رحیق ہی کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔'' بوڑھے جن نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور بات کرنا ہی کیا؟ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔ تم ایک تنہا شخص کس کس سے لڑو گے، وہ بھڑوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تمہارے لیے سانس لینا تک دشوار ہو جائے گا۔ تم نے کتنی بار زک اٹھائی ہے، پھر بھی باز نہیں آئے؟ ایک چھوٹی سی عورت پر ناز کرتے ہو؟''

بوڑھے جن کا اشارہ انکا کی طرف تھا، میں نے انکا کی طرف دیکھا۔ وہ طیش میں میرے سر پر کھڑی ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بدزبان بوڑھے کا نشانہ لے رہی ہو۔ خود میرا بھی عالم تھا لیکن میں نے بوڑھے کی ہرزہ سرائی کا جواب بڑے تحمل سے دیا۔ میں نے اسے ملائمت سے دوبارہ مخاطب کیا۔ ''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے ساتھ صرف ایک چھوٹی سی عورت ہے تو یہ تمہاری بڑی نادانی ہے، میں اسے تمہارے سر پر بھیجے دیتا ہوں۔ تمہیں میرے بارے میں اس بے وقوف رحیق نے سب کچھ تو بتایا لیکن یہ بتانا بھول گیا کہ میں شدید ترین صدمے اٹھانے کے بعد بھی زندہ ہوں۔ پچھلی دفعہ بھی اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ وہ میرا تعاقب کرتا ہوا امرلال کے ہاں پہنچ گیا تھا۔ اب اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں دوبارہ زندہ ہو گیا ہوں۔ میں نے ہن علی کی حویلی میں تمہارے کئی ساتھیوں کی موجودگی کے باوجود زرافشاں اور درخشاں کو حاصل کر لیا ہے۔ تم لوگوں کی اوقات سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ تم لوگ بھڑوں کا چھتا ہو تو میں بھی جوالا مکھی ہوں۔ مجھے ہاتھ لگاؤ گے تو ہاتھ جل جائے گا۔''

''جمیل!'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''میں اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتی ہوں۔ جب تک واپس نہ آ جاؤں، آگے بڑھنے کی حماقت نہ کرنا اور اس بوڑھے کو باتوں میں الجھائے رکھنا۔''

''سنا؟ میں نے سوچنے سمجھنے کا بہت وقت دے دیا ہے۔'' میں نے دوبارہ بوڑھے کو مخاطب کیا۔

''اتفاقات بار بار رونما نہیں ہوتے جمیل احمد خان!'' اس نے گرج کر کہا۔ ''یہاں سے تم بھی واپس نہیں جا سکو گے۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"مجھے میری لڑکی دے دو۔" میں نے ڈانٹ کر کہا۔

"وہ تمہیں واپس نہیں مل سکتی۔"

اسی لمحے انکا میرے سر پر واپس آگئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اندر جانے میں ناکام رہی ہے۔ "ہر طرف پوری طرح مستعد بیٹھے ہیں اور انہوں نے کئی دیواریں حائل کر دی ہے۔ بہر حال اندر تزئین اور ہن علی دونوں موجود ہیں۔ امر لال اور بدری نرائن نظر نہیں آئے۔ یہی ایک خدشہ تھا۔" میں نے ایک عمل کر کے اپنے آپ کو اور محفوظ کر لیا۔ آنند لال کی زبان بھی مسلسل بدبدا رہی تھی۔ بوڑھے جن کے ساتھ مزید گفت و شنید کا کچھ حاصل نہ تھا۔ آنند لال نے اشارہ پاتے ہی میرے ساتھ قدم بڑھایا۔ بوڑھا جن برانگیختہ ہو گیا۔ "رک جاؤ۔ آگے بڑھے تو پیچھے نہیں جا سکو گے۔"

"جمیل!" انکا نے تیزی سے کہا۔ "آگے بڑھنے سے پہلے وہ دیواریں ڈھانے کی کوشش کر، جنہیں عبور کیے بغیر تم اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ بوڑھا دیوار کے اس پار سے بول رہا ہے۔ درمیان میں ان گنت پردے موجود ہیں، حویلی کے باہر ہر طرف حصار قائم کر لو تا کہ رحیق تزئین اور ہن علی کو لے کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔ اس کے ساتھی تمہیں الجھائے رکھیں گے، وہ خود یہاں سے نکل جائے گا۔"

انکا کا مشورہ اس جذباتی کشمکش کے باوجود مناسب معلوم ہوتا تھا۔ میں نے بوڑھے کو بولنے دیا مگر اس کی دھمکیاں سننے کے بجائے اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ حویلی کے گرد میری طاقت کی بھی ایک مضبوط دیوار قائم ہو چکی تھی۔ بوڑھے نے اچانک کسمسا کر پہلو بدلنا شروع کر دیا۔ میری دیوار کم از کم ہن علی اور تزئین عبور نہیں کر سکتے تھے۔ بوڑھے جن نے بوکھلا کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور مجھے رکتے دیکھ کر دوبارہ اپنی طاقت کے بارے میں لاف و گزاف کرنے لگا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا اور آنند لال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "کیا تم تیار ہو آنند لال؟" میں نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ جہنم میں بھی جا سکتا ہوں۔"

"تو چلو۔ بظاہر راستہ صاف نظر آتا ہے؟ حوصلہ مت کھونا۔" میں نے نرمی سے کہا اور دفعتاً ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ہمیں پیچھے کی طرف دھکیل رہا۔ ایک لمحے تو میرے قدم اکھڑ گئے۔ آنند لال نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا، میں کوئی چٹان تھا جس پر کسی طوفانی لہر یا ہوا کے ریلے نے حملہ کر دیا تھا۔ چٹان پر جس تیزی سے پانی آیا تھا اسی تیزی سے گزر گیا اور ہوا خس و خاشاک اڑاتی ہوئی چٹان کو برہنہ کر گئی۔ میرے قدم زمین پر گڑ گئے تھے۔ میں نے احتیاط سے انہیں اٹھا کر آگے بڑھایا۔ چند قدم چل کر فاصلہ کسی قدر کم ہو گیا۔ ابھی ہم کچھ ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ آنند لال بے تحاشا پیر پٹخنے لگا۔ خود میرے قدموں میں جلن ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے ہمارے پیروں پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا ہو۔ اس بارے میں نے خود آنند لال کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا اور چند لمحوں کے لئے اسے گھسیٹنے لگا۔ "یہ ایک سراب ہے آنند

لال! ایسے چلتروں کا حوصلے سے جواب دیا کرو۔"

"میں جانتا ہوں۔" آنند لال کراہ کر بولا اور ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "میں نے بہت کچھ کھو دیا ہے۔ آج مجھے اس کا رنج ہو رہا ہے۔"

"تم نے مالا کو حاصل کر لیا ہے۔" میں نے اس کی توجہ منعطف کرنا چاہی۔

"ہاں۔ اور آپ کو بھی۔" آنند لال نے برجستہ کہا۔

"ممکن ہے آگے اس سے کہیں زیادہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ آنند لال، اپنی آنکھیں بند مت کرنا۔" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

ہمارا اور بوڑھے جن کا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ وہ جھلاہٹ میں پے در پے حملے کر رہا تھا لیکن ہمیں کوئی گزند پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ انکا میرے سر پر کسی بت کی طرح بیٹھی تھی۔ ان رکاوٹوں کی تفصیل بیان کرنا فضول ہے۔ ایسے معرکوں کا تذکرہ میں کئی بار کر چکا ہوں۔ پریتم لال کے استھان پر کئی بار ہندو پنڈتوں، پجاریوں نے میرا راستہ روکا تھا اور بدری نرائن نے ان کی ایک فوج وہاں جمع کر دی تھی۔ میں نے وہ پتھر راستے سے ہٹا دیئے تھے تو یہ جن کیا چیز تھے؟ ویسے بھی ان کا مرتبہ بلند نہیں تھا، البتہ ان کی تعداد کے پیش نظر احتیاط ضروری تھی اور پھر میری ایک عزیز ہستی ان کے قبضے میں تھی۔ یہ انتہائی اضطراب کا وقت تھا۔ ہم ابھی تک سد راہ کے باہر تھے اور بوڑھا جن ابھی تک سد راہ بنا ہوا تھا۔ گو اس کا کھردرا چہرہ اب صاف نظر آ رہا تھا، ہم آہستگی سے راستے کی رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عمارت کے قریب پہنچ رہے تھے کہ بوڑھے جن کی جگہ ہمیں ایک دیو قامت شخص نظر آیا۔ اس کی ہیبت ناک آنکھیں نیچے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ مضحکہ خیز انداز میں بری طرح ہاتھ چلا رہا تھا اور ہمیں پیچھے جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ بوڑھے جن نے مجھے کوئی نو آموز سمجھ لیا تھا۔ مجھ پر اس کی دیو قامتی اور ہیبت ناکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے آنند لال سے کہا۔ "دیکھا، کیسے سوانگ بھر رہا ہے۔" میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ آنند لال ایک چیخ کے ساتھ میرے جسم سے لپٹ گیا۔ ایک طویل ہاتھ آنند لال کی گردن دبوچنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ ایک کھردرا، سخت اور کانٹوں دار ہاتھ۔ وہ عظیم الجثہ جن دور کھڑا بڑے بڑے دانت کچکچا رہا تھا۔ ابھی تک ہم مدافعت کر رہے تھے۔ اچانک انکا نے میرے بازو پر زور ڈالا۔ میں نے آنند لال کو چھوڑ دیا اور نہایت پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ میرا کلائی پکڑنا تھا کہ بوڑھا جن دوبارہ اصل روپ میں سامنے آ گیا لیکن اس کا طویل ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور آنند لال کی گردن اس کے پنجے میں دبی ہوئی تھی۔ میں نے کلائی اتنی زور سے پکڑی کہ بوڑھا تلملانے لگا اور آنند لال نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑا لی۔ میں جن کا ہاتھ کھینچنے لگا۔ آنند لال بھی میری مدد کرنے لگا۔

اس کا ہاتھ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے وہ ایک لمبی رسی ہو۔ جیسے وہ ایک ربڑ ہو۔ ہمارے درمیان

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جو فاصلہ تھا، وہ قائم رہا، پھر ہم نے اس کا ہاتھ کھینچنے کے بجائے اس کے سہارے آگے بڑھنا جاری رکھا۔ بوڑھے نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے بہت داؤ پیچ آزمائے لیکن اسے میری گرفت سے آزاد نہیں کرا سکا۔ کاش میرا دوسرا ہاتھ سلامت ہوتا۔ آنند لال یہ بات جانتا تھا کہ جن کے ہاتھ میں کسی ایک کی گرفت رہنی چاہیے۔ چنانچہ جب میں اسے چھوڑ کر آگے بڑھتا تو آنند لال کے ہاتھ اس پر قبضہ کئے رہتے اور جب آنند لال ہاتھ ہٹاتا تو میں اسے پکڑ لیتا۔ ہم دونوں یہ مشکل کام بڑی پھرتی سے انجام دیتے ہوئے اس کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ بوڑھے جن کا چہرہ تمتمار ہا تھا، وہ اب روپوش بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔

''میں تمہیں کیا سزا دوں؟'' میں نے اس کی کلائی مروڑتے ہوئے کہا۔ ''تم میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرو اور اپنی حماقتوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔'' اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں پر مرکوز کر دیں پھر اس نے ایک جھرجھری سی لی اور سکون سے کہا۔ ''ٹھہرو، ذرا ٹھہرو، میں اندر جا کر انہیں ہٹاتا ہوں تاکہ وہ تمہاری بیٹی کو چھوڑ دیں۔ میں نے تمہارے اندر جھانک لیا ہے۔''

''اسے ہرگز مت چھوڑنا جمیل! ہو سکے تو اس کا کام تمام کر دو۔'' انکا نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

میں نے انکا کی تجویز نظر انداز کرتے ہوئے بوڑھے سے کہا۔ ''میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں مگر یاد رکھو اگر تم نے کوئی فریب کیا تو میری یہ آنکھیں تمہیں تہ خانوں میں بھی ڈھونڈ لیں گی۔'' اس کے خوف میں بھی ایک وقار تھا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں اندر جا کر انہیں سمجھتا ہوں۔'' بوڑھے نے گردن ہلا کر مفاہمت کے انداز سے کہا۔

''جاؤ۔'' میں نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''اور لڑکی کو لے آؤ۔ دیر نہ کرنا ورنہ میں آرہا ہوں۔''

''یہ تم نے کیا، کیا؟'' انکا نے بے چینی سے کہا۔

''تم خاموش بیٹھی رہو۔''

''میں خاموش بیٹھی رہوں؟'' انکا نے چڑ کر کہا۔ ''تم پھر کوئی گڑبڑ کرو گے۔ یہ بڑے بدمعاش ہیں۔''

''میں چند منٹ انتظار کروں گا۔''

''وہ اندر اپنا حصار مضبوط کر رہے ہوں گے۔'' انکا نے غصے میں کہا۔

''میں یہ حویلی جلا دوں گا۔''

''تمہیں اور آتا ہی کیا ہے؟ یہ جلا دوں گا، یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا۔ میں کہتی ہوں تمہاری لڑکی اندر ہے اور تم حویلی جلانے کی سوچ رہے ہو۔'' انکا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

''چپ رہو انکا!'' آنند لال درمیان میں بولا۔ ''تم تو لڑ رہی ہو۔''

''اب تم دیکھنا آنند لال!'' انکا ہاتھ نچا کر بولی۔

چند لمحے گزر گئے، اندر سے کوئی واپس نہیں آیا۔ انکا بھنائی بیٹھی تھی۔ جیسے ہی میں نے عمارت کی دہلیز پر قدم رکھا، ہم دونوں زمین پر کئی فٹ لڑھکتے ہوئے چلے گئے۔ میں نے آنند لال کو اٹھایا، سامنے کوئی جن نظر نہیں آرہا تھا۔ میں اب تک برداشت کا بہت ثبوت دیتا آیا تھا، اس بار میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، میں آنند لال کو لے کر بجلی کی طرح چبوترے کے قریب گیا اور میں نے اسے ایک ٹھوکر ماری۔ وہ ستون جو چبوترے پر ایستادہ اور اٹکا ہوا تھا، اڑا اڑا دھم گر گیا۔ میں اس کے ملبے سے بچتا ہوا آگے بڑھا اور کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اوپر چڑھ گیا۔ ایک عمارت میں کتنے فاصلے تھے۔ اوپر چڑھ کر میں نے ایک ثانئے کے لئے آنکھیں بند کیں اور اپنی تمام طاقتیں ایک نقطے پر مجتمع کر لیں۔ وہ ایک نقطہ جس کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ وہ ایک آسودہ نقطہ، جہاں تک پہنچنا ارتکاز کا کمال ہے، اس ایک لمحے میں، مجھے جسم میں ایک نئی توانائی آتی محسوس ہوئی اور میں نے ستونوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں گرانا شروع کر دیا۔ میری انگلیوں میں جیسے کوئی برق تھی اور میری آنکھوں میں جیسے کوئی کاٹ تھی۔ میں راستے کی تمام پیش بندیاں کاٹتا ہوا، اجڑی ہوئی راہداریاں عبور کرتا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ان کا حصار میرے ہر قدم پر ٹوٹ رہا تھا۔ جیسے ہی میں ایک جگہ سے گزرا، مجھے ایک شور سنائی دیا۔ متعدد آوازوں کا بے ہنگم شور، حیوانی چیخیں اور دنگا فساد۔

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' انکا خاصی دیر بعد مچل کر بولی۔ ''یہ شور تمہارے کانوں کے امتحان کے لئے ہے۔''

''میں اپنی لڑکی کی خوشبو سونگھ سکتا ہوں۔''

''تم اسے نہیں دیکھ سکتے جمیل! وہ کئی پردوں کے اندر ہے محتاط رہنا۔ جس تیزی سے تم اندر آ گئے ہو، اس آسانی سے واپس نہیں جا سکتے۔''

''وہ حرام زادہ جن علی کہاں ہے؟''

''تزئین اس کے پاس ہے، جلدی کرو۔ باتیں نہ بناؤ۔ بائیں طرف کی راہداری عبور کر کے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کرو اور جہاں تک جاتے رہو، اپنے حصار سے راستے مسدود کرتے جاؤ تاکہ ان کے فرار کی راہیں بند ہو جائیں اور ان کے دل پر تمہاری دہشت بیٹھی رہے۔''

''میں یہ شور ختم کر دیتا ہوں۔'' میں نے بند کمرے کی دیواروں پر ایک ضرب لگائی۔

''بے کار ہے۔ میں جو کہتی ہوں وہی تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ بائیں طرف چلو۔'' انکا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ میں نے انکا کے کہنے پر عمل کیا اور بائیں طرف مڑ گیا۔ یہ ایک تاریک راہداری

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھی۔ یہاں جگہ جگہ مکڑی کے جالے بنے ہوئے تھے اور پرندوں نے گھونسلے تیار کر رکھے تھے۔ یہ جن طبعاً گندے تھے۔ انہوں نے اپنی مرغوب جگہ یہ گندگی گوارا کر لی تھی۔ راہداری کے ایک سرے پر ایک بڑے کمرے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سامنے لکڑی کا ایک مضبوط دروازہ تھا جو بند تھا۔ اس کے موٹے کنڈوں پر زنگ لگا ہوا تھا۔ انکا نے اشارہ کیا کہ یہی وہ کوٹھری ہے جہاں تزئین موجود ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ کلیجے میں عجیب سی ہوک اٹھی۔ میں نے وہیں کھڑے ہو کر اندازہ لگایا۔ دروازے پر یقیناً متعدد جن تعینات ہوں گے جو اتنی آسانی سے اندر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جتنی آسانی سے میں یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔ میں چند ثانیوں تک کھڑا ہوا سوچتا رہا۔ ایک ذرا سی لغزش سارا کام بگاڑ سکتی تھی۔ دروازہ نذرِ آتش کیا جا سکتا تھا مگر اس طرح وہ مشتعل ہو کر تزئین کے ساتھ کوئی زیادتی کر دیتے۔ مجھے ایک معتدل راہ اختیار کرنی تھی اور انہیں اپنے بارے میں بے خبر رکھنا تھا۔ میں پہلے ہی ایک محفوظ فصیل میں تھا لیکن احتیاط کے طور پر میں نے اپنے گرد حفاظت کا ایک اور ہالہ بنا لیا۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور نہایت آرام کے ساتھ ان سے تزئین کی واپسی کی درخواست کی۔ میں نے ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ میں زرافشاں اور درخشاں کو ان کے حوالے کر دوں گا۔ اب میں ہر وعدہ کر سکتا تھا کیونکہ بوڑھے جن نے اپنے عہد کا پاس نہیں کیا تھا۔ اندر مکمل خاموشی طاری رہی۔ حویلی میں صرف میری ہی آواز کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ میں نے بار بار انہیں متوجہ کیا۔ رحیق اور بوڑھے جن کو آوازیں دیں۔ میں نے عاجزی کے ساتھ ان سے کہا اور آہستہ آہستہ کمرے کی دیواریں چھوتا ہوا واپس دروازے کی طرف آ گیا۔ مجبوراً مجھے ایک ایسا راستہ اختیار کرنا پڑا جس کے لئے میں تیار نہیں تھا۔

میری آنکھیں دروازے پر گڑی ہوئی تھیں اور میں بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اندر جنوں کا ایک پرا موجود تھا اور باہر جمیل احمد خان۔ انہوں نے بھی اپنا سارا زور دروازے پر لگا دیا تھا اور میں نے بھی مگر انہوں نے ارتکاز اور مراقبے میں ڈوب کر اپنی آنکھیں اتنی تیز اور اپنا باطن اتنا توانا نہیں کیا تھا جتنا میں نے کیا تھا۔ آنندلال میری ہدایت کے مطابق دروازے پر نشانات بناتا رہا اور میں کچھ فاصلے پر مبہوت کھڑا رہا۔ آخر وہ لمحہ آ گیا، میں نے آنندلال کو اپنے پیچھے کھڑے ہونے کی ہدایت کی اور انکا کو ہر طرف نظر رکھنے کی تلقین کی۔ میری ایک جنبش نگاہ سے دروازہ جلنے لگا۔ میں نے ان کا طلسم توڑ دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ جلتے ہوئے دروازے سے گھبرا کر تیزی سے باہر نکلیں گے۔ میں انہیں کوئی مہلت دینے کی غلطی کا ارتکاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صدیوں کی خشک لکڑی تیزی سے بھڑک اٹھی، اس کی لپٹیں ہمارا جسم چھو رہی تھیں لیکن ہمیں دروازے ہی پر تعینات رہنا تھا۔ میں نے آنندلال کا ہاتھ دبا کر صبر و ضبط کی درخواست کی۔ جب دروازہ پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ گیا تو میں نے آنندلال کا ہاتھ پکڑا، اسے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا اور انکا کو اشارہ کیا۔ پھر ہم دونوں نے ایک جست لگائی، ہم چشم زدن میں

دروازے کے اس پار کمرے کے اندر تھے۔ اندر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن یہ ایک بڑا کمرا معلوم ہوتا تھا۔ آگ سے سارا کمرا روشن تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دوسری جانب سے مکمل خاموشی تھی۔ میں نے غصے کی کیفیت میں اپنا ہاتھ اٹھا کر دائرے کی صورت میں گھمایا۔ جنوں نے روپوشی کی چادر اٹھا دی تھی۔ وہ کمرے میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں وہ بوڑھا جن بھی نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ آنندلال ان کی کثیر تعداد دیکھ کر گھبرا گیا۔ میں نے تزئین کو دیکھا اور میرا خون جلنے لگا۔ بین علی کے ناپاک ہاتھ اسے اپنے حلقوں میں لیے ہوئے تھے۔ رحیق ان کی پشت پر کھڑا مجھے شعلہ بار نظروں سے گھور رہا تھا۔ جنوں کے تیور بتا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آخری اور فیصلہ کن معرکے کی ٹھان لی ہے۔ اپنی دیواریں گرتے ہی وہ خوں خوار آواز میں بولا۔ ”جمیل احمد خان! اگر ہم آدم خور ہوتے تو آج یہاں ایک شاندار جشن منایا جاتا۔ آخر ہم تمہیں اس حویلی میں کھینچ ہی لائے؟ صدیوں سے یہ دستور ہے کہ کوئی انسان اس حویلی سے سلامت واپس نہیں گیا، ہاں جسے ہم نے چاہا، اسے واپس کر دیا۔“

”اگر ایسا ہی تھا تو راستے میں پتھر اور کانٹے بچھانے کی کیا ضرورت تھی؟“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ”میں سیدھا اسی طرف آ رہا تھا، سنو رحیق! بات بڑھانے کی حماقت نہ کرو۔ لڑکی میرے حوالے کر دو، بات یہیں ختم ہو سکتی ہے۔“

”بات تو تم نے بڑھائی ہے خان صاحب! جب اپنے دامن پر آنچ آئی تو گھبرا گئے۔ درخشاں اور زرافشاں کی عصمتیں ایسی ارزاں نہیں تھیں۔ تمہاری درندگی کا زخم صرف اسی طرح مندمل ہو سکتا تھا۔“

”زبان قابو میں رکھو!“ میں حلق کے بل چلایا۔ ”تم درخشاں اور زرافشاں کی حفاظت نہیں کر سکے لیکن میں اپنی لڑکی کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔“

”تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری لڑکی بین علی کے ہاتھوں میں ہے۔ بین علی اس پری پیکر کے پیچھے تباہ ہوا تھا۔ اب اس کی ایک تشنہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ تزئین اس کے بازوؤں کے حصار میں ہے اور اس وقت اسے دنیا کا ہوش نہیں ہے۔ دیکھو، وہ کیسے مست پڑے ہیں، یہ منظر دیدنی ہے جمیل احمد خان! اس سے تو تمہیں لطف لینا چاہیے۔“ رحیق نے میرے سینے پر نشتر چلایا۔

رحیق کے جملے ایسے شخص کے لئے ناقابلِ برداشت تھے جس کا نام جمیل احمد خان ہو اور جسے اپنے جسم پر اختیار نہ ہو۔ آنندلال کی موجودگی میں یہ جملے اور گراں گزرے۔ مجھے کمرے کے در و دیوار گھومتے محسوس ہوئے۔ تزئین کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ وہ نڈھال ایک طرف گردن ڈھلکائے بین علی کی آغوش میں پڑی تھی۔ خود بین علی کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ دونوں گم صم مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کی جدوجہد کی لیکن یکلخت رک گیا۔ مجھے بین علی کی حویلی کا واقعہ یاد آ گیا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

®Scanned PDF By HAMEEDI

جہاں جنوں نے اپنے بچاؤ کے لئے دائرہ بنا رکھا تھا پھر ایک ٹکراؤ کے بعد ہمارے حصار ٹوٹ گئے تھے۔ وہاں میرے ان دشمنوں کی تعداد کم تھی لیکن یہاں صورت حال اس کے برعکس تھی اور حصار ٹوٹ جانے کی صورت میں آنند لال پر کوئی افتاد پڑ جانے کا امکان تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے حالات پر قابو پانے کا فیصلہ کیا۔ انکا نے بھی مجھے ٹہوکا دے کر ٹھہرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مجھے چند لمحوں کی مہلت مل جائے اور میں جنوں کے تمام دفاعی دائرے ختم کر دوں۔ میں ان کی پناہ گاہ میں تھا اور مجھے اس بات کا بھی خیال تھا کہ اگر میری جانب سے کوئی اوچھا وار کیا گیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ جن زچ ہو کر تزئین کو نشانہ بنا ڈالیں۔ یہی ایک مجبوری تھی جو ہر مرحلے پر میرے پاؤں پکڑ رہی تھی۔

رحیق میرے قدم رکتے دیکھ کر بکواس کرنے لگا۔ میں نے اسے بکواس کا موقع دیا اور نندا اور کمپالا کے سکھائے ہوئے چند آزمودہ عمل پڑھنے شروع کر دیئے۔ پھر میرے ہاتھ ہیبت ناک انداز میں اٹھ گئے اور کمرے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ ''ہٹ جاؤ۔ بھاگ جاؤ کم بختو!'' میں بری طرح دھاڑنے لگا۔ جنوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ میں جنون کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔

وہ میرے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ میری انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور ان میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ میں چاہتا یہی تھا کہ وہ کسی طرح وحشت میں میرے دائرے کے قریب آ جائیں اور میں انہیں بتاؤں کہ ان کا واسطہ کس شخص سے ہے؟ میری ہذیانی حالت سے وہ خاصے متاثر معلوم ہوتے تھے۔ میں اول جلول انداز میں سر پٹختا ہوا زمین پر لیٹ گیا اور میں نے اپنا جسم لٹو کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ آنند لال اچک اچک کر پیچھے راستہ دیتا جاتا تھا۔ میں اسی طرح بڑھتے بڑھتے تزئین اور بن علی کے قریب پہنچ گیا۔ جب میں ان کے نزدیک ہونے لگا تو انہوں نے ایک غضب ناک چیخ، پکار کے ذریعے میری اور آنند لال کی توجہ ہٹانی چاہی۔ ان کی آوازیں جانوروں کی آوازوں سے مشابہ تھیں۔ میں نے کوئی پروا نہیں کی اور اپنا عمل جاری رکھا۔ یہ ایک مشکل ترین اور ہول ناک عمل تھا۔ جب انہیں یقین ہونے لگا کہ میں اسی طرح گھومتے گھومتے اپنے جسم سے دائرہ بڑھاتے بڑھاتے تزئین کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ان کا دائرہ میری ہذیانی مشق سے یوں ہی ختم ہو جائے گا تو انہوں نے میرے گرد دائرہ تنگ کر لیا۔ مگر جوش غضب میں جو بھی آگے آیا، وہ چیختا ہوا دائرے سے باہر اچھلنے لگا۔ دو تین جنوں نے یہ کوشش کی اور چیخ مار کر پیچھے ہٹے جیسے ان کا جسم ننگے برقی تاروں سے مس ہو گیا ہو۔ اس ناکامی سے ان میں افراتفری پھیلنے لگی اور وہ ایک دوسرے کی طرف سوال طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں اسی افراتفری میں تزئین کے پاس پہنچ گیا لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کے بجائے تزئین اور بن علی کے گرد لیٹے لیٹے گھومنا شروع کر دیا اور بہت پھرتی سے چکر لگا کر کھڑا ہو گیا، میرے سارے کپڑے

رگڑ کی وجہ سے پھٹ گئے تھے اور کہنیوں ٹخنوں سے خون بہنے لگا تھا۔ آنند لال بھی ہانپ رہا تھا۔

کچھ جنوں نے پھر سے یلغار کرنے کا ارادہ کیا مگر دوسرے جنوں نے انہیں روک لیا۔ میں بن علی اور تزئین کی پشت پر کھڑا تھا۔ میں نے اپنا کرتہ اتار کر تزئین کے شانوں پر ڈال دیا تا کہ اس کے پھٹے ہوئے لباس میں سے جھانکتے ہوئے حصے میری نظروں سے دور ہو سکیں۔ پھر میں نے خوش اسلوبی سے مجہول بن علی کو اٹھایا اور اس کے رخسار پر ڈھیلے ہاتھ کا ایک بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگا۔ پے در پے کئی طمانچے کھانے سے اس کا دہانہ اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا۔ منہ سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ وہ درد و کرب سے تڑپنے لگا۔ ''جمیل! اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو۔ بن علی پر وقت ضائع نہ کرو۔''

انکا نے میرے بال پکڑتے ہوئے کہا۔ ''کسی وقت بھی وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ میں نے تمہیں درمیان میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن زرافشاں اور درخشاں خطرے میں ہیں۔ شبن خان کا قمار خانہ گھیرا جا چکا ہے اور وہ مجھے آوازیں دے رہا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم اب یہاں سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے ہو۔ وہ خاموش ہیں۔ اب انہیں زیادہ نہ چھیڑو۔'' انکا نے مشورہ دیا۔

''میں بن علی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

''ایک پاگل شخص زندہ کہاں ہوتا ہے؟ وہ تو جنوں کا آلۂ کار ہے۔ اصل مجرم تو رحیق ہے۔''

''تو پھر میں رحیق کو ٹھکانے لگاتا چلوں۔ رحیق کہاں ہے؟'' میں نے نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''وہ بھاگ چکا ہے۔''

''مگر کس طرح؟''

''اس روشن دان سے۔'' انکا نے اشارہ کیا۔

''رحیق کہاں ہے مردود!'' میں نے چلّا کر کہا۔ ''اسے سامنے لاؤ تا کہ میں اسے بتا سکوں کہ اس نے کس شخص کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تھا؟''

تمام جن مجھے حیرت سے گھور رہے تھے۔ تزئین اور بن علی اب میرے قبضے میں تھے۔ میں نے جنوں کے خاموش چہرے گھور کے انہیں دوبارہ مخاطب کیا۔ ''رحیق کو پیش کرو۔ انکار کی صورت میں تم میرے قہر سے نہ بچ سکو گے۔''

میری شعلہ گفتاری اور رحیق کے اچانک فرار ہو جانے سے وہ ششدر تھے۔ ان کی نظریں خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ ''بولتے کیوں نہیں، جواب دو! رحیق کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"تم اپنی بیٹی کو لے جا سکتے ہو۔" بوڑھا جن آگے بڑھ کر بولا۔

"مگر میں رحیق کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، اسے تو میں ساتھ لینے ہی آیا تھا۔ میں نے تم سے معاملے کی بات کرنا چاہی تھی۔ اس بدمعاش رحیق نے تم سب کو ذلیل کرایا۔" میں نے للکار کر کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا؟" بوڑھے جن نے ٹھہراؤ سے کہا۔ "تم ضد کر رہے ہو۔"

"میری ضد کا انجام میرے سامنے ہے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ میں رحیق کو قید کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم خواہ مخواہ الجھ رہے ہو۔" انکا نے پیچ و تاب کھا کے کہا۔ "اب چلے چلو، انہیں اچھا خاصا سبق مل گیا ہے۔"

"انکا ٹھیک کہتی ہے جمیل بھائی! اب چلے چلو۔" آنندلال نے کہا۔

یہ کوئی اچھی واپسی نہیں تھی۔ میں ان سب کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا مگر تزئین کی حالت، شبن خان کی خبر، رحیق کے فرار اور انکا اور آنندلال کے اصرار کے پیش نظر میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت وہ پوری طرح مغلوب تھے۔ "ٹھیک ہے، میں جاتا ہوں۔" میں نے خشونت سے کہا۔ "مگر کان کھول کر سن لو۔ اگر اب تم نے کوئی اوچھا قدم اٹھایا تو میں سب کی تباہی کا سبب بن جاؤں گا۔ یہ ایک آخری تنبیہہ ہے۔ اب میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور ہمیں خوش دلی سے رخصت کرو۔"

ہبن علی پر ایک آخری بھرپور ضرب لگا کے میں نے تزئین کو اپنے کاندھے پر ڈالا۔ ہبن علی بلبلا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ "اسے سنبھالو مرداروں! اس کا انجام میرے حسب منشا نہیں ہوا ہے۔" یہ کہہ کے میں نے آنندلال کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ "کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا۔" میں نے بپھرے ہوئے جنوں سے کہا۔

دروازے پر میری روشن کی ہوئی آگ اب کمزور پڑ چکی تھی۔ میں نے وہ آگ عبور کی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ پھر سنسان راہداری میں آ گیا جہاں لکڑی چٹخنے کی آواز موت کا سکوت توڑ رہی تھی اور روشنی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ انکا اطراف میں کوئی خطرہ محسوس کرنے کے لئے بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ آنندلال کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ میں پرانی حویلی کے کھنڈروں سے گزرتا ہوا کھلی فضا میں آ گیا۔ حویلی سنسان پڑی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں کتنا زبردست معرکہ برپا ہوا ہے۔ راستے میں ایک جگہ درخت کے نیچے رک کر میں نے تزئین کو لٹایا۔ اس کے چہرے پر پانی چھڑکا اور اس کا منہ اپنے کرتے کے دامن سے صاف کیا۔ اس نے آنکھیں پٹ پٹائیں لیکن درندوں نے اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا تھا۔ وہ کتا ہبن علی اس کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

"آپ فکرمند کیوں ہوتے ہیں جمیل بھائی! یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" آنندلال میری پشت پر ہاتھ رکھ کے بولا۔

"فکرمند کیسے نہ ہوں آنندلال! اسے اس حال میں دیکھ کر میرا کلیجا پگھل رہا ہے۔" میں نے رقت سے کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دور چلتے ہی پھر کسی گاڑی میں بیٹھ کر شبن علی کے ٹھکانے پر پہنچتے ہیں۔ شبن خان پر نہ معلوم کیا گزر رہی ہوگی؟"

کچھ فاصلے پر جا کے انکا کے ذریعے ہمیں ایک گاڑی فراہم ہو گئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ہم سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب کوئی احتیاطی تدبیر مناسب نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ رحیق اور اس کے ساتھی خاموش ہو گئے ہوں گے۔ رحیق کو اپنے انجام کے ڈر سے فرار ہونے ہی میں مصلحت نظر آئی ہوگی۔ رحیق کو چھوڑنے کا مجھے بے حد صدمہ تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ درخشاں اور زرافشاں کو شبن خان کی قیام گاہ سے نکالنے کے بعد کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا مگر بھول ہو گئی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اتنے بہت سے جنوں میں صرف رحیق پر نظر رکھنا اور خود حصار مضبوط بنانا، دونوں کام بیک وقت کرنے مشکل تھے۔ ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی شبن خان کے قمار خانے کی طرف گامزن تھی کہ تزئین کا مضمحل جسم پھریریاں لے کر بیدار ہوا۔ میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ یکایک میرا ہاتھ ایک شدید جھٹکے سے چھڑا لیا گیا۔ میں نے حیرت سے تزئین کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں چند لمحے پہلے خوابیدہ تھیں مگر اب بڑی سرخ اور خوں خوار نظر آ رہی تھیں۔

"جمیل احمد خان!" تزئین نفرت انگیز لہجے میں بولی۔ "اب تم میرے رحم و کرم پر ہو۔"

میرے علاوہ انکا اور آنندلال کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔ اب دیر ہو چکی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں بمشکل ایک لمحہ صرف ہوا کہ رحیق نے حویلی سے باہر ہمارا حصار ٹوٹتے ہی تزئین کے جسم پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں اپنی حماقت پر خود کو کاٹ کھاتا، اگر میں کاٹ سکتا۔

"میں باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" رحیق تزئین کی زبانی زہرخند سے بولا۔ "اب مجھے اپنی بیٹی کے جسم سے نکالنے کے لئے کوئی منتر پڑھو۔"

"رحیق! تزئین کا جسم چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں کہیں کا نہ رکھوں گا۔ میں تمہیں کھینچ کر باہر نکال لوں گا۔"

"یہ بات اتنی آسان نہیں ہے جمیل احمد خان!" تزئین نے کہا۔ "تم اپنی لڑکی پر ظلم نہیں کر سکتے اور جب تم اس پر ظلم نہیں کر سکتے، اس وقت تک میں بڑے آرام سے ہوں۔ اٹھاؤ ہاتھ اور اس کے نازک بدن پر ضربیں لگاؤ۔"

"تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"مجھے تمہاری لڑکی پسند آ گئی ہے۔ بہت دل کش ہے۔"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"تم بڑے کمینے ہو۔ میں تمہیں...... میں تمہیں......" میرے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔

"تم بھی کچھ کم کمینے نہیں ہو۔ کمینے پن کی ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔ تم نے زرافشاں اور درخشاں جیسے پھول روندے تھے۔" تزئین نے ڈھٹائی سے کہا۔

میرا ہاتھ اٹھتے اٹھتے اور میرا منہ کھلتے کھلتے رہ گیا۔ میں اپنی بیٹی پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا تھا؟ میں تزئین کو کس طرح اذیت دے سکتا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ گاڑی کا رخ موڑ دے۔ ڈرائیور کے سر پر انکا موجود تھی۔

"کہاں لے چلنے کا ارادہ ہے؟" رحیق نے بے خوفی سے پوچھا۔

"تمہیں جہنم رسید کرنے۔" میں نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے خان صاحب! میں بھاگ تو نہیں رہا ہوں۔ مجھے اس گداز بدن کا لطف تو لے لینے دو۔"

"جمیل!" ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کچھ کرتے کیوں نہیں؟"

"اب یہ کیا کریں گے؟" رحیق نے تزئین کی زبانی کہا۔

یہ میرے لیے بڑے صبر آزما لمحے تھے۔ رحیق نے میری شہ رگ دبا رکھی تھی۔ شاید میں پاگل ہو جاتا۔ جمیل احمد خان بندھ گیا۔ میں ایک عرصہ گزارنے کے باوجود بے بسی محسوس کر رہا تھا حالانکہ انکا بھی ساتھ تھی، آنند لال بھی تھا اور خود میں بھی موجود تھا۔ میں جنوں کے غول میں درانہ گھس گیا تھا۔ میں اس کم بخت کی زندگی حرام کر دیتا۔ آنند لال بھی اس صورت حال سے پریشان تھا۔ رحیق کو نکالنے کے لئے تزئین کے جسم کو اذیت دینی لازمی تھی۔ میں نے اسے تسخیر کرنے کے لئے مجبوراً خاموشی سے ایک عمل شروع کیا۔ اسی لمحے تزئین کا جسم سرتاپا لرزنے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ وہ گاڑی میں سر پٹخنے لگی جیسے اس پر مرگی کا دورہ پڑ رہا ہو۔ میں اس صورت سے گھبرا گیا۔ اسی وقت تزئین قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "کیا ہو گیا؟"

"جمیل بھائی! سوچ سمجھ کر۔" آنند لال درمیان میں بولا۔

"تمہارا دوست صحیح مشورہ دے رہا ہے۔"

کوئی بھی عمل کیا جا سکتا تھا کیونکہ رحیق ایک معمولی اور بدکردار جن تھا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اسے آسانی سے بھگا دیتا مگر یہ تو تزئین تھی۔ مجھے تزئین کی ایک چیخ بھی گوارا نہیں تھی۔ رحیق تشدد پر اتر آیا تھا۔ گاڑی کا رخ اب پھر دلی کی ویران بستیوں کی طرف تھا۔ میں نے گاڑی رکوادی اور ہم ایک جگہ اتر گئے۔ اترتے ہی میں نے دوبارہ عمل شروع کر دیا۔ تزئین نے اپنے بال اور لباس نوچنا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر اس کا وجود شدید جھٹکوں کی لپیٹ میں تھا۔ مجھ میں تاب نہیں تھی۔ میں نے عمل ادھورا چھوڑ دیا۔

"جمیل بھائی! آپ عمل جاری رکھیں۔" آنند لال بولا۔

میں نے بے چارگی سے آنند لال کی طرف دیکھا۔ تزئین کی نظروں میں شیطنت پھر عود کر آئی تھی۔ میں ان نظروں سے سراسیمہ ہو گیا۔ میرے ہونٹ خود بخود ہلنے لگے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور تزئین ایک کرب ناک چیخ مار کر زمین پر گری اور اس کے جسم میں رعشہ آ گیا۔ میں ایک بار پھر اپنا عمل روک دیتا لیکن میں نے دل پر جبر کر کے اور آنکھیں بند کیے کیے اسے اور تیز کر دیا۔ تزئین کی چیخوں نے کئی بار مجھے منتشر کیا پھر اچانک جو کچھ ہوا، اسے دیکھ کر میرا عمل درمیان ہی میں رہ گیا۔ تزئین نے ایک آہ کے ساتھ تڑپنا بند کر دیا۔ میری سانس رک رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تزئین کا جسم زمین پر ساکت پڑا تھا۔ میں بے تابانہ اس کے جسم سے لپٹنے کو دوڑنا چاہتا تھا کہ ایک کھنک دار آواز سنائی دی۔ یہ کلپنا کی آواز تھی۔ کلپنا تزئین کا جسم حقارت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کلپنا کو دیکھ کر مجھے ایک ثانئے کے لئے خوشی ہوئی۔ پھر یہ خوشی رنج اور غصے میں بدل گئی۔ میں سرد آواز میں چلایا۔ "اب کیا لینے آئی ہو؟ سب کچھ لٹا جا رہا ہے۔"

"تم اپنی زبان بند رکھو جمیل احمد خان!" کلپنا نے بدستور تزئین کے جسم پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ پھر بگڑے ہوئے تیور سے بولی۔ "میں نے تجھے اشاروں میں منع کیا تھا، بول اب کیا ارادہ ہے؟"

"تم کون ہو؟" تزئین کے ساکت جسم میں حرکت ہوئی اور اس کی زبان سے بمشکل یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"تم نے مجھے بیاکل کیا ہے اور جو مجھے بیاکل کرتا ہے وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھتا۔ میں تمہاری موت ہوں۔"

"تم ہمارے درمیان کیوں آ رہی ہو؟ جمیل احمد خان پاپی ہے۔" تزئین بولی۔ "یہ میرا اور جمیل احمد خان کا معاملہ ہے۔"

"تو جمیل احمد خان کا مقابلہ کر سکتا ہے پلید؟ تو نے دوبارہ ٹانگ اڑا کر اب فرار ہونے کا موقع بھی کھو دیا ہے" کلپنا نے تیز آواز میں کہا۔ "سن! اگر تیرے دل میں کوئی حسرت ہے تو جمیل احمد خان سے دو دو ہاتھ کر لے۔ میں بیچ میں نہیں آؤں گی، پر مکتی چاہتا ہے تو اس لڑکی کو ترنت چھوڑ دے۔"

"میں انکار کرتا ہوں۔" تزئین نے بے پروائی سے کہا۔

"انکار کرتا ہے۔" کلپنا کا چہرہ دہکتے انگاروں کے مانند سرخ ہو گیا۔ "پھر سوچ لے مورکھ! ابھی سمے ہے۔"

چند لمحوں تک مکمل سکوت طاری رہا پھر میں نے دیکھا کہ تزئین کا جسم جھٹکے لے رہا ہے۔ میں نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اسے پکڑنا چاہا مگر کلپنا نے مجھے روک دیا۔ ''تو نے مہان شکتیوں کے آڑے آنے کی کوشش کی ہے۔'' کلپنا غرا کر بولی۔ ''اب جب تک تو وچن نہیں دے گا، میں تجھے اپنے منڈل سے باہر آنے کی آگیا نہیں دوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔'' تزئین کے منہ سے ایک تھکی ہوئی آواز آئی۔

''یوں نہیں۔'' پھر کلپنا نے دوسری جانب کسی جواب کا انتظار کیے بغیر اچانک آگے بڑھ کر تزئین کی بائیں کلائی پر اپنی ایک انگلی رکھ دی۔ تزئین کسی غیر معمولی دکھ سے اوپر اچھل گئی اور اس نے اپنی پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں طرف پھرنا شروع کر دیں۔ نقاہت سے اس کی گردن ٹھہرتی نہیں تھی۔ میں دیوانہ وار اس کی طرف بڑھا اور میں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ''تزئین...... میری بچی۔''

''بابا آپ!'' اس نے مجھے حیرت سے تکتے ہوئے کہا پھر اطراف کا جائزہ لے کر تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''اپنے ذہن پر زور مت ڈالو میری جان!'' میں نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔ معاً میری نگاہ اس کی بائیں کلائی پر پڑی۔ عین اس جگہ ایک چھوٹا سا سیاہ داغ نظر آ رہا تھا جہاں کلپنا نے انگلی رکھی تھی۔ میں نے کلپنا کی جانب وضاحتی نظروں سے دیکھا۔

''اب کوئی شکتی اسے پریشان نہیں کر سکتی۔'' وہ مسرت سے بولی۔

''کیا وہ کم بخت تمہارا منڈل توڑ کر نکل گیا؟'' میں نے طنزاً دریافت کیا۔

تزئین کے علاوہ آنند لال بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا اور چاروں طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کس سے باتیں کر رہے ہیں جمیل بھائی؟''

تزئین سہم کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ کلپنا شاید میرے سوا کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف انکا نے اسے دیکھا تھا اس لیے وہ اسے دیکھ کر میرے سر سے سرک گئی تھی۔ کلپنا اب بھی میری نظروں کے سامنے تھی۔

''تمہارے من میں دیوی کی طرف سے جو میل آ گیا ہے، اسے دور کرو۔ وہ نراش ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے۔ کیول تمہارے کارن کیا ہے۔''

''تم اس کی داسی ہو کلپنا۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''دیوی کے گن گانا اور اس کی بھگتی کرنا تمہارا دھرم ہے۔ میرا کوئی داس نہیں۔'' میری آواز صرف اسی تک منتقل ہو سکتی تھی۔

''ایسا مت سوچو مہاراج۔'' کلپنا جذبات زدہ عالم میں مخاطب ہوئی۔ ''دیوی نے اپنا تن من سب کچھ تیاگ دیا ہے۔''

''اسے اب بھی گاہے گاہے میرا خیال آجاتا ہے؟'' میں نے طنزاً کہا۔ ''آ...

خان مر چکا ہے، اب کس کا خیال؟'' میں نے خاموش زبان سے کلپنا کو اپنا پیغام دیا اور تزئین کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ میں کلپنا سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا تھا ورنہ جذبات کے نہ جانے کتنے سیلاب بہ جاتے۔ ہم دونوں کی آنکھیں نم ناک تھیں۔ یہی بہتر تھا کہ ہم جدا ہو جائیں۔

کلپنا کے جدا ہونے کے بعد انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس نے کچھ پوچھنا چاہا مگر جواب دینے کا موڈ نہیں تھا۔ میں خاموشی ہی رہا۔ انکا، تزئین کے سر پر چلی گئی۔ اس کے جانے سے تزئین کی نقاہت بڑی حد تک کم ہو گئی اور وہ سب کچھ بھول کر انکا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ حالات کی سنگین نوعیت، اپنی ابتر حالت، میری اور آنند لال کی موجودگی اور محل وقوع کی تبدیلی سے صورت حال سمجھ چکی تھی۔ وہ بڑی ذہین لڑکی تھی۔ انکا نے اشارتاً بھی اسے بتایا۔ وہ سید غوث کے لئے بے چین ہونے لگی۔ آنند لال میرے ساتھ گم صم چل رہا تھا۔ شبن خان کے مکان پر نہ جانے کیا قیامت آ گئی ہو۔ میں تزئین کو جلد سے جلد بمبئی بھجوا دینا چاہتا تھا۔ میں نے آنند لال سے بمبئی جانے کو کہا۔ وہ ہچر مچر کرنے لگا مگر میرے اصرار پر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انکا نے دلی کی آبادی کے قریب ہی تزئین کے لیے دو چار جوڑی کپڑے فراہم کر دیے۔ انکا کے لئے یہ ایک آسان کام تھا۔ تزئین نے ایک اجنبی مکان میں آرام سے غسل کیا۔ لباس پہنا۔ مجھے اسٹیشن جانے کی فرصت نہیں تھی۔ میں نے انکا کو تزئین کے سر پر ہی رہنے دیا اور اپنی بیٹی کو گلے لگا کر جلد آنے کا وعدہ کر کے رخصت کر دیا۔

جب میں واپس شبن خان کے اڈے پر پہنچا تو وہاں پورا نقشہ بدلا ہوا تھا۔ باہر پولیس کے آدمی ٹہل رہے تھے اور سڑک پر تماشائیوں کا میلا لگا ہوا تھا۔ میرا لباس پھٹا ہوا تھا اور جگہ جگہ خون کے دھبے لگے ہوئے تھے، میں نے دور کھڑے رہ کر معاملے کی نوعیت سمجھنا چاہی اور مجھے معلوم ہوا کہ شبن خان اس وقت سخت پریشانی میں ہے۔ اس کا اڈا گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری تھا۔ میں بھیڑ میں راستہ بناتا ہوا اندر داخل ہونے لگا تو ایک پولیس والے نے مجھے روک لیا۔

''کدھر جاتے ہو بابا! وہاں اب بھنگ چرس کچھ نہیں ملے گی۔'' سپاہی نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔ ''اب کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈو۔''

میں نے اسے ایک نظر گھور کر دیکھا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے تماشائیوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ سپاہی میری آنکھوں کی مقناطیسی کشش کی تاب نہ لا سکا۔ ''اندر پولیس ہے بابا!'' وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بولا۔

''اسے میری ضرورت ہے۔'' میں نے دبنگ آواز میں کہا۔ ''مجھے جانے دے۔ سمجھا؟ مجھے جانے دے۔'' اس نے بے چارگی سے کاندھے اچکائے۔ میں نے بے نیازی سے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کی انگلی ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ میری صورت دیکھتا رہ گیا اور باہر شور مچتا رہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں سیدھا نچلے حصے میں گیا۔ کانسٹیبل اور افسران بکھرے ہوئے تھے، شبن خان درمیان میں مجہول سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد اس کے تمام ساتھی مغموم کھڑے تھے۔

"کیا ہے؟" میں نے جاتے ہی پکارا۔

سب میری طرف متوجہ ہو گئے۔ شبن خان کی آنکھوں میں روشنی کا ایک شعلہ لپکا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ "استاد! تم واپس آ گئے، کہو خیریت ہے؟"

"اپنی طرف تو سب خیریت ہے، پر یہ کیا دنگا ہو رہا ہے؟" میں نے پولیس والوں کو دیکھ کر کہا۔

"یہ اب تک موجود ہیں۔ ان کا خیال ہے، لڑکیاں اس مکان میں ہیں۔ میں نے انہیں لاکھ سمجھایا پر یہ مانتے ہی نہیں۔ اب اور کچھ نہیں تو انہوں نے شراب، چرس اور بھنگ پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ شبن خان کے لئے کھیل تماشے پرانے ہیں۔ تین چار اوزار جو اوپر کمرے میں دشمنوں سے نمٹنے کے لئے رکھے تھے، انہوں نے وہ بھی قبضے میں کر لئے، اس کے باوجود ان کی ہٹ ہے کہ لڑکیاں یہیں موجود ہیں۔ اب انہیں کون سمجھائے یہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ صرف دیواریں اور زمین کھودنا باقی رہ گیا ہے۔ یہ بھی کر دیکھیں۔" شبن خاں پولیس کے نرغے میں تھا مگر بڑی روانی سے بول رہا تھا۔

میں کشمکش میں پڑ گیا۔ شبن خان نے لڑکیاں کہاں چھپائی ہوں گی؟ کسی حرام زادے نے مخبری کر دی ہو گی کہ شبن خاں کے اڈے میں دونو جوان لڑکیاں موجود ہیں۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ انکا بھی موجود نہیں تھی۔ پولیس سے مڈھ بھیڑ کا سوال نہیں تھا کیونکہ باہر تماش بینوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا۔

"تم میری فکر چھوڑو استاد! میری ان کی یاری پرانی ہے۔ اپنی سناؤ نگینے خیریت سے پہنچ گئے؟" شبن خان نے آنکھ مار کر پوچھا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے؟ کون سے نگینوں کے بارے میں کہہ رہا ہے؟ میں نے تشویش سے کہا۔ "شبن خان! ذرا ادھر تو آؤ۔"

ایک پولیس افسر ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"اپنا استاد۔ اپنا یار۔" شبن خان اٹھتے ہوئے بولا۔ "اس کے ہاتھ میں بجلی بھری ہوئی ہے۔"

"یہ اپنے علاقے کا تو نہیں ہے؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"ارے انسپکٹر صاحب، اس سے تمہارا واسطہ نہیں پڑا۔ ذرا دور دور رہو۔ شبن خان جب کسی کو استاد کہتا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہتا ہے۔" شبن خان نے میری طرف آتے ہوئے کہا۔ "ہاں استاد! کیا بات ہے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں اسے لے کر ایک کونے میں ہو گیا۔ پولیس افسر نے ہمارے قریب آنا چاہا مگر وہ میری آنکھوں کی سرخی سے مرعوب ہو گیا۔ میں نے اسے شدید غصے سے دیکھا۔ "دور ہٹو۔ بات کرنے دو۔"

"اطمینان سے بات کرو۔" پولیس افسر جھینپ کر بولا۔ "آج شبن خان بچ نہیں سکتا۔"

"کیا معاملہ ہے شبن خان! لڑکیاں کہاں چھپا رکھی ہیں؟" میں نے اس سے راز داری سے پوچھا۔ شبن خان دنگ رہ گیا۔

"کیا مطلب استاد! یہ بھی خوب رہی۔ ایسے وقت میں تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" شبن خان ہنستے ہوئے بولا۔

"شبن خان!" میں نے ڈپٹ کر کہا۔ "لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"ہائیں؟ یعنی خوب!" شبن خان سٹ پٹا گیا۔ "تم نے بھنگ چڑھا رکھی ہے استاد؟"

"میں ہوش و حواس میں ہوں کیا، کیا......" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں کیا کہنا چاہتے ہو تم......تم۔" شبن خان بھی کچھ نہ بول سکا۔

"جلدی بتاؤ کہ کیا واقعہ پیش آیا؟"

"شبن خان کی آنکھیں دھوکا کھا گئیں۔ خدا کی قسم استاد! میں کیسے یقین کروں کہ وہ تم نہیں تھے۔ تم ہی تو انہیں لے گئے ہو۔" شبن خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ "سچ سچ بتاؤ شبن خان۔"

"میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ سچ کہہ رہا ہوں۔ لڑکیاں......"

میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ "اوہ، وہ پھر باز نہیں آیا۔"

"کون؟ وہ تمہارا ہم شکل تھا۔ اس کا ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے پوری تسلی کر لی تھی۔"

"کب؟ وہ کب آیا تھا؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔ میں نے پہلے تو نیچے ہی رو کے رکھا۔ پولیس اوپر جاتی تو لڑکیاں اسے نظر آ جاتیں۔ پھر مجھے خبر دی گئی کہ تم اوپر موجود ہو۔ پولیس کو جل دے کر اوپر گیا اور میں نے اوپر جا کر دیکھا تو تم دروازہ کھول رہے تھے۔ میں نے تہ خانے کا راستہ دکھایا اور وہاں سے باہر نکلنے کا خفیہ راستہ بھی۔ جب تم چلے گئے تو میں انہیں اوپر لے آیا۔ وہ تہ خانے تک پہنچ گئے۔ وہاں سے انہیں کچھ نہیں ملا۔ مجھے بتاؤ، استاد، یہ کیسا لفڑا ہے؟"

"کچھ نہیں شبن خان۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "مجھے معاف کر دو۔ تم ان کے ساتھ تھانے چلے جاؤ۔ تمہیں کچھ دن یقیناً جیل میں رہنا پڑے گا لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ میں تمہیں جلد ہی چھڑا کر لے آؤں گا۔"

"میری بات چھوڑو۔ جیل تو اپنا دوسرا گھر ہے۔ ادھر نہ رہے، ادھر رہ لیے۔ جیل میں اپنے ٹھاٹ رہتے ہیں۔ کاروبار چلتا رہے گا۔ سب دھندا پانی اسی طرح چلتا ہے بابا۔ پولیس والوں کو خانہ پُری کرنے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دو۔ان کی روزی بھی ہمارے دم سے ہے۔"

"نہیں شبن خان! میں تمہارے پاس جلد واپس آؤں گا۔"

"جیل میں؟" شبن خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب مجھے جانا ہوگا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان لڑکیوں کی تلاش میں جانا ہے۔"

"جانے سے پہلے کچھ تسلی تو کرتے جاؤ کہ یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟" شبن خان نے میرا ہاتھ پکڑ کے کہا۔

"یہ وقت کچھ بتانے کا نہیں ہے شبن خان! اس وقت مجھے جانے دو۔" میں نے اپنا ہاتھ چھڑا کے اضطراب سے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا استاد! قسمت یاوری نہیں کر رہی ہے ورنہ شبن خان تمہارے ساتھ ہی چلتا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے شبن خان!" میں تھپ تھپاتا اسے پولیس کے درمیان چھوڑ کے باہر آ گیا۔ پولیس والوں نے مجھے روکنا چاہا لیکن روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ شبن خان کی وجہ سے پولیس کی آنکھ میں کچھ مروت باقی تھی۔ انہوں نے مجھے زیادہ پریشان نہیں کیا۔ میں پھر دلی کی گنجان سڑکوں پر آ گیا۔

☆......☆......☆

بدھ گیا سے چلنے کے بعد یہ چند روز سفر یا مصیبتوں ہی میں گزرے تھے۔ زرافشاں اور درخشاں کو پھر رحیق لے گیا تھا۔ میں چاہتا تو ان کا تعاقب چھوڑ دیتا لیکن زرافشاں، درخشاں سے اس طرح دست بردار ہونے میں ذلت محسوس ہوتی تھی۔ ان سے دوران سفر میں ایک طرح کی وابستگی ہو چلی تھی اور ابھی جب انہوں نے میری ذات پر اعتماد کرنا شروع ہی کیا تھا کہ انہیں رحیق لے گیا۔ بن علی نیم پاگل تھا۔ ان کی حویلی راکھ ہو گئی تھی۔ اب ان کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ ہر چند کہ ان کی تباہی کا سب سے بڑا سبب میں تھا لیکن انہی سے مجھے ہمدردی تھی۔ رحیق نے پھر میرے جسم و جاں میں آگ پھونک دی تھی۔ میں شبن خان کے اڈے سے نزدیک ایک قبرستان میں بیٹھ گیا۔ یہ ایک جگہ تنہائی اور سکون کی تھی۔ لوگ قبروں کے پاس آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ انہیں پتا نہیں کہ مردے اس بات سے کتنے خوش ہوتے ہوں گے، قبرستان کے ایک کنوئیں سے پانی نکال کر میں نے اپنا چہرہ صاف کیا اور ایک قبر کے سرہانے ارتکاز میں ڈوب گیا۔ میری نظریں درخشاں، زرافشاں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بھی تزئین کے مانند معصوم اور مظلوم لڑکیاں تھیں۔ رحیق انہیں دلی کی سڑکوں پر آسانی سے نہیں گھما پھرا سکتا تھا۔ وہ انہیں شکستہ حویلی

Downloaded from Paksociety.com

میں بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔ لکھنؤ میں بن علی کی حویلی کے کھنڈر بھی باقی نہیں رہے تھے۔ میرا بہروپ بھر کے وہ درخشاں، زرافشاں کو زیادہ دیر تک لوگوں کے سامنے بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دلی ہی میں ہے۔ اسے گئے ابھی زیادہ وقت بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنے باطن کے دروازے کھولے اور وہ باطنی آئینہ جس پر ریاضت کی مشقت کے بعد جلا آتی ہے۔ میرے استغراق سے چمکنے لگا۔ یہ آئینہ انہی لوگوں کو نظر آتا ہے جو اسے دیکھنے کے خواہاں ہیں یا جنہیں قسمت بخش دیتی ہے۔ میں دونوں طرح اس آسودگی سے بہرہ ور ہوا۔ مجھے ندا نے بہت کچھ دیا تھا اور میں نے خود بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ میرے انہماک نے مجھے راستہ دکھایا اور میں نے جب اچھی طرح اپنا ذہن مطمئن کر لیا تو قبر پر الوداعی نظر ڈالی۔ نہ جانے کون خوش نصیب اس قبر میں سو رہا ہوگا؟ وہ مسلسل استغراق میں ہے، ایسا مراقبہ جس میں باہر کی ہوا ذہن کثیف نہ کر سکے۔ موت مجھ سے ناراض تھی اور زندگی بھی خوش نہیں تھی۔ میں نہ زندگی کے پیچھے بھاگتا تھا اور نہ اس میں شامل تھا مگر زندگی میرے پیچھے رواں تھی۔ قبریں دیکھ کر مجھے رشک آیا۔ یہاں میرے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں اپنی تیرہ نصیبیوں پر روتے روتے اٹھا اور چلتے چلتے لال قلعے کے اس پار جمنا کے کنارے تک پہنچ گیا۔ جمنا کا پانی پُرسکون تھا۔ سکون و سکوت کا ایسا نظارہ دیکھ کر آنکھوں کی صحت پر شبہ ہوتا تھا۔

رحیق دونوں لڑکیوں کو دلی کے نواح میں لے گیا تھا۔ وہ سادہ لوح دیہاتیوں کے سامنے ہی انہیں اپنے ساتھ رکھنے کا جواز پیش کر سکتا تھا۔ انکا ہوتی تو وہ لمحوں میں کسی ایک لڑکی کے سر پر پہنچ جاتی اور انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دیتی۔ میں انکا کو بلا سکتا تھا مگر جب تک تزئین اور آنند لال خیریت سے بمبئی نہ پہنچ جاتے، اسے بلاتے ہوئے جھجک ہوتی تھی۔ میں خود ہی چل پڑا۔ جب میں گاؤں میں داخل ہوا تو پرندوں نے آسمان خالی کر دیا تھا اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ دن بھر عجیب و غریب ہنگاموں میں گزر گیا تھا۔ پاؤں بوجھل ہو رہے تھے پھر بھی میرے تیز قدم آبادی کی جانب اٹھ رہے تھے اور میں نے رحیق سے آخری بار نمٹنے کے لئے کچھ فیصلے کر لیے تھے۔ میں اس چھوٹے سے گاؤں کی چار پانچ گلیوں سے گزرنے کے بعد اس مکان پر پہنچ گیا جہاں میرے اندازے کے مطابق لکھنؤ کے معزز گھرانے کی حسین لڑکیاں زرافشاں، درخشاں موجود تھیں۔ میں نے اندھیرے میں آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور اطمینان کر لیا کہ میرے ہاتھ صحیح جگہ پڑے ہیں۔ پہلی دستک کے بعد میں خود خاموش ہو گیا کہ مجھے رحیق کا محاصرہ کرنے کے لئے ذرا سی مہلت کی ضرورت تھی۔ دروازے سے ہٹ کر میں دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو گیا اور دیواریں ٹھونکتا ہوا دوبارہ دروازے پر آ گیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد جب میں نے دوبارہ دستک دی تو اندر سے "کون، کون......" کی آوازوں کے ساتھ کھانستی ہوئی ایک بوڑھی عورت نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی چراغ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سسکاری نکل گئی "تم...... ؟ تم تو ابھی...... اندر تھے۔" وہ گھگیا کر بولی۔

"ہاں میں!" میں نے کچھ سمجھ کر کہا۔ "میں تم سے کہے بغیر باہر چلا گیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ کسی نے اندر سے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

"مگر...... مگر......" بوڑھی عورت کانپنے لگی۔

"ارے تم تو ڈر گئیں؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "مجھے اندر تو آنے دو۔ گاؤں والے شہر والوں کی پھرتی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔" میں اسے ہٹاتا ہوا اس چھوٹے سے مٹی کے مکان میں داخل ہو گیا اور تیزی سے سامنے والی کوٹھری کی طرف بڑھا۔ وہاں چراغ کی مدھم لو میں صرف درخشاں اور زرافشاں بیٹھی تھیں۔

"آپ یہاں سے اچانک کہاں چلے گئے تھے؟" زرافشاں غم زدہ لہجے میں بولی۔

"یوں ہی۔" میں نے کوٹھری میں چاروں طرف جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"بوڑھی بے چاری تو حیران تھی۔" "آپ بیٹھے بیٹھے کہاں غائب ہو گئے تھے۔" درخشاں نے کہا۔

"ہماری تو خیر کوئی بات نہیں، اس بے چاری نے ایسے دو تین واقعات اور دیکھ لیے تو اس کا دم نکل جائے گا۔"

"میں کتنی دیر پہلے گیا تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا؟ کیا آپ کو خود علم نہیں ہے؟" زرافشاں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ڈوب گیا تھا۔ ایسی صورت میں وقت کا کوئی پتا نہیں رہتا۔"

"آپ ابھی ابھی غائب ہوئے تھے۔"

"اوہ!" میری آواز بیٹھنے لگی اور میرے منہ سے نکل گیا۔ "وہ بھاگ گیا۔"

"کون؟ کون بھاگ گیا؟" زرافشاں نے اضطراب سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ تم آرام کرو۔ ہمیں علی الصباح یہاں سے چلنا ہوگا۔" میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ ہمیں کچھ دن یہاں رہنا ہوگا پھر ہم...... پھر ہم......"

"نہیں۔ اب ہم صبح سویرے یہاں سے چل پڑیں گے۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔" میں نے مزید کوئی بات کرنے میں دقت محسوس کی۔

حواس باختہ بوڑھی عورت دزدیدہ نظروں سے دیکھتی اور کھانستی ہوئی کوٹھری میں واپس آئی تو میں نے اسے کوئی اور سوال کرنے کی مہلت نہیں دی۔ اسے چپ سی لگ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ غافل

ہو گئی۔ میں نے اس کے صندوق ٹٹولنے شروع کر دیے۔ صندوق میں کسی سپاہی کی دھلی ہوئی وردی اور سادہ کپڑے رکھے تھے۔ میں نے سادہ لباس میں سے ایک جوڑا اپنے لیے منتخب کیا اور اس کے عوض زرافشاں کے ہاتھ سے سونے کی ایک چوڑی اتار کر اس میں ڈال دی۔ پھر میں نے غسل کیا۔ خون کے تمام دھبے صاف کیے۔ بوڑھی عورت کی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کی۔ زرافشاں، درخشاں ایک ہی چارپائی پر سمٹی ہوئی تھیں۔ میں کوٹھری سے باہر چھوٹے سے صحن میں آ گیا اور مٹی کے ایک چبوترے پر بیٹھ کر خود کو گم کر دیا۔ میرا جسم چبوترے پر موجود رہا لیکن جسم کا جوہر۔ وہ جوہر جس کی شناخت لوگ نہیں کر پاتے۔ میں نے اس صفت اعلیٰ کو محو پرواز کر دیا۔ اس سے بہتر نیند اور کیا ہوتی؟ رات بیت گئی۔ سورج نکلنے اور بوڑھی عورت کے بیدار ہونے سے پہلے میں نے زرافشاں، درخشاں کو اٹھایا اور صبح ہوتے ہوتے ہم پیدل ہی گاؤں سے دور نکل گئے۔ درخشاں، زرافشاں نے میرے ایما پر بوسیدہ چادروں سے اپنے بدن ڈھانپ لیے تھے، اب ان کا لباس چھپ گیا تھا۔ میری حالت بھی ابتر نہیں رہی تھی۔ شہر میں زندگی کی چہل پہل شروع ہونے کو تھی۔ سورج چڑھنے تک ہم اسٹیشن پہنچ گئے۔

☆......☆......☆

میں نے اس بار فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں جنوب کی طرف جانے والی گاڑی کا انتظار کیا۔ یہ بات ہم جیسے سادہ اور معمولی لباس والوں کی اوقات سے بڑھ کر تھی اس لیے کئی چہرے اٹھے اور دلچسپی سے ہمیں دیکھنے لگے۔ زرافشاں، درخشاں بات کرنے کے لیے مضطرب تھیں۔ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہوں گی کہ اب میرے ارادے کیا ہیں؟ میری بیٹی تزئین کا کیا حشر ہوا؟ میں نے اچانک ارادہ کیوں بدل دیا؟ میں انہیں دیہات سے کیوں لے آیا؟ ان کے چہروں پر سوال رقم تھے اور میرے لبوں پر سکوت تھا۔ میری گہری خاموشی سے انہیں کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ انہوں نے حالات کی ستم ظریفی کے سامنے سپر ڈال دی۔ گاڑی کے لیے زیادہ طویل انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پہلے میرا ارادہ انہیں بمبئی لے جانے کا تھا مگر پھر گلبرگہ کا خیال آ گیا۔ رکن الدین ایسے کئی موقعوں پر میرے کام آ چکا تھا۔ اس محفوظ ٹھکانے میں ان لڑکیوں کے سامنے میں پوری طرح شرمندہ ہو سکتا تھا اور ان کے زخموں کے اندمال کی کوشش کر سکتا تھا۔ میری جیب میں کوئی پیسہ نہیں تھا۔ انکا اور آنند لال کی وجہ سے پیسوں کی اب تک ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی پھر بھی میں فرسٹ کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گیا اور بیٹھنے کے بعد میں نے کھڑکیاں بند کر لیں۔ گاڑی دلی اسٹیشن سے چلی تو میں نے پاؤں پھیلا دیے اور لڑکیوں کو بھی آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

"کہاں کا ارادہ ہے؟ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں؟" زرافشاں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"ہاں آں، کیوں نہیں۔" میں نے ندامت سے کہا۔ "کیوں نہیں، میں تو تم سے خوب باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر سوچتا ہوں کس منہ سے تم سے باتیں کروں؟"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"نہیں، آپ کچھ کہیئے تو سہی۔ اس تنہائی اور خاموشی سے ہم اکتا گئے ہیں۔ اب آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟" درخشاں نے جرأت سے پوچھا۔

میں نے سرسری طور پر انہیں تزئین کی بازیابی کا قصہ سنایا۔ پھر شبن خان کا واقعہ سنایا۔ میں نے جب یہ بتایا کہ انہیں شبن خان کی حویلی سے لے جانے والا شخص میں نہیں تھا، رحیق تھا تو ان کی آنکھیں پھٹ گئیں، "پھر ہوا یہ......" میں نے انہیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "مجھے رحیق کا پیچھا کرنا پڑا کیونکہ وہ تمہیں بدنام کرتا رہتا جب کہ شاید میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھا منصوبہ ہو۔"

"یہ بڑی عجیب اور خوفناک روداد ہے۔" زرافشاں دانتوں میں انگلیاں دیتے ہوئے بولی۔

"مگر ہم اب بھی کس طرح یقین کریں کہ آپ رحیق نہیں ہیں؟" درخشاں معصومیت سے بولی۔

"ہاں دلچسپ سوال ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں جمیل احمد خان ہی ہوں کیونکہ تمہیں میرے چہرے پر جو ندامت نظر آتی ہے، وہ رحیق کے جمیل احمد خان میں نہیں ہوگی۔"

"آپ ندامت کا بار بار ذکر کر کے ہمیں دکھ دیتے ہیں اور شرمندہ بھی کرتے ہیں۔"

"میں تمہارا گناہ گار ہوں۔"

"للہ یہ ذکر بند کیجئے، کوئی اور بات کیجئے۔"

"کاش میں اس کا تدارک کر سکتا۔"

"خدا کو یہی منظور تھا، ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ہم اسی طرح دربدر ہوتے۔" وہ دونوں کرب سے بولیں۔

"آہ زری، رخشی! میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھاؤں؟ اس میں زخم ہی زخم ہیں۔" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تم مجھے معاف کر دو۔ تم مجھے معاف کر دو۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔

زرافشاں اور درخشاں بھی میرے ساتھ رونے لگیں۔ پھر آنسوؤں کی یہ جھڑی تھمے نہ تھمی۔ کتنے غم تھے جو بہنے لگے۔ وہ خوب روئیں۔ میں بھی خوب رویا۔ جب آنسو بھی باقی نہ رہے تو میں نے ان سے کہا۔ "زری، رخشی! مجھے یہ اعتماد بخشو کہ تم مجھ پر اعتبار کرتی ہو اور مجھے موقع دو کہ میں تمہاری بگڑی ہوئی دنیا سنوار سکوں۔"

"پہلے آپ یہ وعدہ کیجئے کہ دوبارہ کوئی پرانا ذکر نہیں کریں گے۔" درخشاں بولی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"پھر آپ خود سوچئے کہ ہمارا کون رہ گیا ہے؟ اب تو جو بھی ہمیں قریب سمجھنے کی عزت بخشے گا، وہی ہمارے لیے سب کچھ ہوگا۔ آپ ہی نے ....." وہ کہتے کہتے رک گئی۔ "چھوڑیئے پھر پرانی بات یاد آ جائے گی۔ آپ کے سوا اس زمین پر کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آتا۔"

"میں تمہارا اعتماد پر پورا اتروں گا۔ میں تمہارے لیے زندہ رہوں گا۔" میں نے جوش سے کہا۔ "سنو زری، رخشی! قریب آ جاؤ۔ میرے غم سنو، میرے آنسو سنو، سنو میں کون ہوں۔ میں کیا تھا اور کیا سے کیا بن گیا۔ شاید تمہیں یقین نہ آئے مگر میں تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔"

وہ میری برتھ پر آ گئیں اور میں نے آنکھیں موند لیں۔ "اپنا ہاتھ لاؤ۔" انہوں نے اپنے ہاتھ آگے کر دیئے تو میں نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "میرے دل میں تمہارے لیے صرف محبتیں ہیں۔ میں تمہیں کچھ سنانا چاہتا ہوں، شاید تم میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گئیں اور میں نے شروع سے آخر تک اپنی عجیب و غریب سرگزشت انہیں سنانی شروع کی۔ ان کی دلچسپی اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ دوپٹے ان کے سروں سے ڈھلک گئے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ سراپا استعجاب اور مجسم حیرت بنی ہوئی تھیں۔

"قسمت بھی خوب مذاق کرتی ہے۔" زرافشاں بہت دیر بعد خوابیدہ لہجے میں بولی۔ "خدا آپ کی زندگی کو سکون بخشے۔"

گاڑی رتلام کے اسٹیشن پر رکی تو ایک ٹکٹ چیکر آ گیا۔ اب کے درخشاں، زرافشاں ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوئیں۔ ٹکٹ چیکر جس طرح آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا گیا۔ اسے کچھ پوچھنے کا حوصلہ ہی نہ ہوا۔ سفر میں انہیں بھوک بھی لگی۔ میں تو ان باتوں کا عادی تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ہم تینوں میں سے کسی کے پاس دھیلا تک نہیں تھا۔ اتنی لمبی سرگزشت سنانے کے بعد یہ عجیب سا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اسٹیشن پر ان کے لئے کھانے کی فراہمی کا بندوبست بھی اٹھائی گیروں اور اچکوں کے انداز میں کروں۔ مجبوراً میں نے زری سے اس کے ہاتھ کی دوسری چوڑی مانگی۔ زری نے کسی تامل کے بغیر اسے میرے حوالے کر دیا۔ ایک اسٹیشن پر ہم نے کھانا منگوایا اور میں نے چپکے سے بیرے کے ہاتھ میں چوڑی تھما دی۔ وہ کوئی بھلا آدمی تھا۔ انکار کرنے لگا۔ میں نے اسے ڈپٹ دیا۔ اس نے خاموشی سے چوڑی جیب میں رکھ لی۔ بعد میں وہ ایسا ہمدرد ہو گیا کہ ہر اسٹیشن پر خیریت معلوم کرنے آنے لگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کیسی دلچسپ ہیں؟ میں نے بہت کم ان کا تذکرہ کیا ہے مگر جب گفتگو چھڑتی ہے تو تمام تفصیل خود بخود یاد آنے لگتی ہے۔ گلبرگہ تک زرافشاں، درخشاں کھل کر باتیں کرنے لگی تھیں اور اب ان کا رویہ اور لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔ ان کے چہروں کی زردی رخصت ہونے لگی تھی۔ مسکراتے وقت ان کے خوب صورت دانت نظر آنے لگے تھے۔ ایک رات اور دو دن کے اس سفر میں ہم بالکل نہیں سوئے، باتیں ہی ہوتی رہیں۔ وہ لڑکیاں اتنی شائستہ، اتنی دلچسپ اور اتنی خوش گوار گفتگو کرتی تھیں کہ سفر محسوس ہی نہیں ہوا۔ وہ اپنے بچپن اور اپنے اعزا کے بارے میں بتاتی رہیں کہ انہوں نے ان کے بگڑتے حالات دیکھ کر کیسا منہ موڑ لیا۔

میں جب گلبرگہ اترا تو میرا سینہ مسرت کے جذبے سے معمور تھا۔ اس بار مجھے گلبرگہ جانے میں کوئی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دشواری پیش نہیں آئی۔ رکن الدین سے ایک مدت بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ جیسی مجھے توقع تھی، اپنی پیرانہ سالی کے باوجود رکن الدین اور اس کے مختصر خاندان نے میری آمد پر آنکھیں بچھا دیں۔ میں نے رکن الدین سے کہا۔ ''تمہارے لیے دو بیٹیاں۔''

اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ ''یہ میرے لیے سعادت ہے۔'' زرافشاں، درخشاں کو ناہید کی چھوٹی بہن طلعت نے عمدہ لباس دیا اور وہ سب ایسی گھل مل گئیں جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتی ہوں۔ میرے لیے اوپر کا کمرا مخصوص تھا۔ بدھ گیا کے حضر سے ہنگامی سفر کے بعد تک اب کہیں سکون ملا تھا۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور ماہ و سال میری نگاہوں میں گردش کرنے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ چھت کے نقش و نگار گھوم رہے ہیں اور یہ کمرا گھوم رہا ہے۔ ہر چیز حرکت کر رہی ہے۔ مجھے اس حرکت سے چڑ ہونے لگی اور میرے دل میں حرکت سے بغاوت کا جذبہ ابھرا۔ میں پلنگ سے اٹھ گیا اور فرش پر آ گیا پھر میں نے اپنی دونوں ٹانگیں ایک دوسرے پر پھیلا دیں اور نگاہیں ساکت کر لیں اور اس طرح حرکت پر فتح حاصل کر لی۔ میں نے زندگی کے دوران میں زندگی کو شکست دے دی۔ میرے کان سماعت سے محروم ہو گئے اور میری آنکھیں میرے اندر کھلنے لگیں۔

☆......☆......☆

گلبرگہ چند روز قیام کے بعد میرا ارادہ یہ تھا کہ میں شبن خان کی مدد کے لئے دوبارہ دلی جاؤں۔ شبن خان جیل جانے کا عادی تو تھا ہی مگر خصوصاً اس بار اس پر یہ افتاد میری وجہ سے پڑی تھی پھر بھی زری اور رخشی کی خاطر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ تین چار روز بعد انکا میرے سر پر وارد ہو گئی اور اس نے تزئین کی صحت مندی اور سید غوث کی واپسی کا مژدہ سنایا۔ آنند لال انکا کو واپس بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ انکا اس سے ایک مختصر وقفے کی مہلت لے کر میرے پاس آ گئی تھی۔

انکا کی آمد کے بعد میں نے اپنی صداقت کے مدلل اظہار کے لیے ایک دن رخشی اور زری کو اپنے کمرے میں بلایا اور انکا کو باری باری ان کے سروں پر بھیج دیا۔ ''یہ انکا ہے، تزئین کے پاس سے واپس آئی ہے، کہتی ہے وہ سب بے حد خوش ہیں۔ کسی دن تمہیں بھی تزئین سے ملواؤں گا۔''

انکا یکے بعد دیگرے زری اور رخشی کے سروں پر گئی۔ وہ اچھل اچھل پڑیں۔ ''ارے واقعی! یہ ایک چھوٹی سی پیاری سی حسین لڑکی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔

''ہاں یہی ہے وہ۔'' میں نے خفت سے کہا۔ ''یہی ہے وہ۔ یہ کسی کی دوست بن جائے تو بھی مشکل ہے اور دشمن بن جائے تو بھی مشکل۔ اس چھوٹی سی لڑکی میں حیرت انگیز طاقتیں ہیں۔ میری داستان میں انکا کے بغیر کچھ نہیں ہے۔''

''انکا!'' انہوں نے حیرت سے زیر لب دہرایا۔ ''واقعی یہ کتنی عجیب بات ہے۔'' وہ آنکھیں پٹ پٹانے

لگیں۔ ''یہ بولتی بھی ہے؟''

''بولتی ہے، یہ بڑی قطامہ ہے، اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے، دل اس کا کوئلے کی طرح سیاہ ہے۔ آنکھیں اس کی طوطے کی طرح بے مروت ہیں۔'' میں نے انکا کے اوصاف بتاتے ہوئے کہا۔

''اچ...... چھا۔ تو ہم سے بھی بات کرائیے نا۔''

''بولو انکا۔ زری اور رخشی سے باتیں کرو۔ بہت دلکش باتیں۔'' میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ وہ رخشی کے سر پر بیٹھی تھی۔

''اب کیا بولوں؟ تم نے پہلے ہی میری تعریفوں کے پل باندھ دیئے ہیں۔'' انکا نے چٹک کر کہا۔ ''میں تمہاری نظروں میں گر گئی ہوں۔''

زری اور رخشی کا حیرت سے برا حال تھا۔ ''آپ انکا ہیں؟'' زری نے ادب سے کہا۔

''ہاں جی، میرا نام انکا ہے۔'' انکا نے ٹھنک کے جواب دیا۔

''آپ ایسی کیسے ہیں؟ آپ کسی کو نظر بھی نہیں آتیں؟''

''بس زری! ایسی باتیں نہ پوچھو۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''جو تمہاری راتوں کی نیند اڑا دیں۔ نہ جانے میں ایسی کیوں ہوں؟ سچ پوچھو تو مجھے خود نہیں معلوم۔''

''ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔'' رخشی بھی مبہوت تھی۔

''انہوں نے مجھے بڑا بدنام کیا ہے۔'' انکا نے ٹھنک کے میری طرف اشارہ کیا اور زری کے سر پہ پنجے چبھونے لگی۔

''ارے ارے، آپ نے ہمارا سر دکھا دیا۔'' زری خوف زدہ آواز میں بولی۔ ''کیا آپ ہم سے ناراض ہو گئیں؟''

انکا کو میں نے اس ابتدائی تعارف کے بعد زری اور رخشی ہی کے پاس رہنے دیا۔ مجھے بس ان کی خوشی عزیز تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح اپنا غم بھول جائیں اور خود کو اس گھر میں شامل سمجھیں، میرے مزید قیام کی یہی وجہ تھی۔ میری موجودگی میں وہ بہتر طریقے سے مفاہمت کر سکتی تھیں۔ رکن الدین نے حسب سابق ان کے لئے عمدہ ملبوسات سلوائے اور زیوروں سے ان کا جسم لاد دیا۔ ان ملبوسات اور زیورات میں وہ دلہنیں لگتی تھیں۔ زمانے کے حوادث نے ان کے چہروں سے جو شادابی چھین لی تھی وہ رفتہ رفتہ واپس آنے لگی تھی۔ طلعت انہیں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چھوڑتی تھی۔ انکا بھی دلچسپ حرکتیں کر کے ان کا دل بہلانے میں مصروف رہتی۔ خود زری اور رخشی اتنی شائستہ اور خوش اطوار تھیں کہ اپنی شستہ اور دلکش باتوں سے جلد ہی متاثر کر لیتی تھیں۔ ان کا رنگ نکھرنے لگا تھا اور اداسی کی پرچھائیاں دور ہونے لگی تھیں۔ میں نے انہیں رکن الدین کے گھر میں شہزادیوں کی طرح جگمگاتے دیکھا۔ دو چار دن مزید ان کی خاطر رہ کے اور جلد آنے کا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دلاسا دے کے میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔ انکا بھی میرے ساتھ تھی۔

☆......☆......☆

رکن الدین کے مکان سے کھلے آسمان کے نیچے آنے کے بعد میرا ذہن تذبذب کا شکار ہوگیا۔ میرے سامنے کئی راستے تھے، ایک طرف تزئین کا گھر تھا جہاں سید غوث جیسے شریف اور غیرت مند نوجوان ، میں نے مڑ کر نہیں پوچھا تھا۔ دوسری طرف شبن خان کو جیل سے چھڑانے کا مسئلہ درپیش تھا جو میری خاطر ایک بڑے نقصان سے دوچار ہوا تھا۔

انکا بھی میرے تذبذب سے آگاہ ہوگئی تھی۔ اس نے مجھے بمبئی جانے والی گاڑی میں بٹھادیا۔ تزئین اور سید غوث، مالا اور آنند لال۔ پریم اور سہراب نے جب اچانک مجھے بمبئی میں اپنے ساتھ دیکھا تو وہ سب خوشی کے ساتھ مجھ سے لپٹ گئے۔ ان سب کے چہرے آنسوؤں سے تر بتر ہوگئے۔ میں اپنے اس گھر سے دور تھا، یہاں آ کے مجھے احساس ہوا کہ تنہائی کے تمام احساسات خود ساختہ ہیں۔ یہ میری تزئین ہے، یہ غوث ہے، یہ مالا ہے جو میرے بازو سے چپکی ہوئی ہے، یہ آنند لال ہے جو میرے حکم کا منتظر ہے۔ یہ سہراب ہے جو صرف اشارے پر ایثار کے لئے تیار رہتا ہے اور یہ پریم ہے جو مینا کی طرح بول رہی ہے۔ یہ سب میرے چہرے ہیں، یہ سب میرا جسم ہیں۔ میں ان سب سے دور رہا۔ آنند لال نے اسی وجہ سے دھیان گیان ترک کر دیا تھا کہ اسے ایسا دلکش ماحول مل گیا تھا۔ ان سب میں آپس میں اتنی محبت تھی کہ مجھے رشک آتا تھا۔ میرے آنے پر وہ سب پریم کے میکے میں منتقل ہوگئے اور پھر وہاں انہوں نے خوب دھما چوکڑی مچائی۔ خوب پکوان پکوائے، زری اور رخشی بہت یاد آئیں۔ کاش میں انہیں ساتھ لے آتا۔ انکا مختلف سروں پر پھدکتی رہتی تھی۔ رحیق جن کی کمینگی کے اثرات تزئین پر ابھی تک قائم تھے۔ کبھی کبھی وہ گم ہو جایا کرتی تھی۔ ان مسرتوں میں کلدیپ کا چہرہ مجھے بار بار ستانے لگتا۔ آخر میں نے فیصلہ کرلیا۔ مجھے کسی کو بتائے بغیر کلدیپ کے استھان پر آخری بار ضرور جانا چاہیے۔

بمبئی سے نکلنا محال تھا، کوئی نکلنے ہی نہیں دیتا تھا۔ میرے اصرار پر انکا نے میری سفارش کی اور میں میسور میں کلدیپ کے استھان ہوتا ہوا دلی پہنچنے اور شبن خان کو رہائی دلانے کے بعد ناگرا سے معذرت کرنے کے ارادے سے طویل سفر کے لئے روانہ ہوگیا۔ ابھی میں کلدیپ کے استھان پر جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوا ہی تھا اور ابھی گاڑی چند ہی اسٹیشن آگے آئی تھی کہ انکا نے مجھے ایک ایسی خبر سنائی جو میں سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے سرگوشی سے کہا۔ ”جمیل! تمہارے راستے کا کانٹا کچھ دن کے لئے صاف ہوگیا ہے۔“

”کون؟“ میں نے بے خیالی میں پوچھا۔

”امرلال!“ انکا نے جذباتی انداز میں کہا۔ ”امرلال وندھیاچل کی برف پوش پہاڑیوں پر بیٹھا کافی

Downloaded from Paksociety.com

جاپ کررہا ہے۔ بدری نرائن آج کل بے یارومددگار ہے اور کلکتے میں ایک پنڈت کے گھر چھپا بیٹھا ہے، تم اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔“

”ختم کرو انکا!“ میں نے جھنجلا کر کہا۔ ”اب مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کیوں پرانے زخم کریدتی ہو؟“

”میں تمہیں کبھی کوئی غلط مشورہ دے سکتی ہوں؟“ انکا نے ناراضی سے کہا۔

”تم مجھے پھر پریشان کر رہی ہو۔ مجھے خاموشی سے زندہ رہنے دو۔“

”کیا تم ڈر رہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں بدری نرائن تنہا ہے۔ میری بات غور سے سنو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟“

”تم بڑی حرافہ ہو۔“

”میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں، بدری نرائن کی زندگی میں تم کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔“

”میں اب اس کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتا۔“

”تم بوڑھے ہوگئے ہو۔“ وہ تلخی سے بولی اور پھر خوشامد کے انداز میں کہنے لگی۔ ”میری بات مان لو۔“

گاڑی میں راستے بھر وہ یہی کہتی رہی اور میں اسے سرزنش کرتا رہا۔ وہ میرے تمام زخموں سے آگاہ تھی۔ اس نے میری دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا اور ایسی باتیں یاد دلادیں جنہیں برداشت کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ ”کہاں ہے وہ؟“ میں نے غصے میں پوچھا۔

”وہ کلکتے میں ہے۔“ انکا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔

”ٹھہرو۔“ میں نے آنکھیں میچ لیں اور میرے اندر ان گنت دریچے کھل گئے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو سینے میں جلن ہو رہی تھی۔

”گاڑی اب کب رکے گی؟“ میں نے اضطراب سے پوچھا۔

”چھوٹے اسٹیشنوں پر یہ گاڑی نہیں رکتی اور بڑا اسٹیشن خاصی دیر بعد آئے گا، بہرحال ایسی جلدی بھی کیا ہے؟“

”تم نے ذکر ہی ایسا کردیا، اب یہاں بیٹھا نہیں جاتا۔ کسی قریبی اسٹیشن پر گاڑی رک جانی چاہئے۔“ میں نے حکماً کہا۔

زنجیر کھینچنے میں خواہ مخواہ طوالت ہوتی۔ میں ڈبے میں تنہا بھی نہیں تھا۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ انجن ڈرائیور کے سر پر چلی جائے۔ انکا کسی چون و چرا کے بغیر اتر گئی۔

تھوڑی دیر میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر گاڑی کے فولادی پہیوں نے چیخنا شروع کردیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ گاڑی رک گئی۔ میں نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اسٹیشن کی عمارت اندھیرے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے اتر گیا اور ایک لمحے بعد ہی گاڑی کے پہیئے حرکت میں آ گئے۔

دوسرے لمحے انکا میرے سر پر آ گئی تھی۔ میں اسٹیشن پر اتر گیا جہاں گاڑی ٹھہری تھی۔

دور سے مجھے روشنی کا ایک نقطہ ٹمٹماتا نظر آیا۔ اسٹیشن کا کوئی عہدے دار لالٹین سنبھالے تفتیش حال کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا، پھر وہ روشنی بھی معدوم ہو گئی اور رات کو ٹرٹرانے اور رونے والی آوازوں کی سوگواری بھی تاریکی میں شامل ہو گئی۔ کوئی رات ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ میرا بس چلتا تو ان آوازوں کا گلا دبا دیتا۔ یوں بھی درون جسم کچھ کم شور نہیں ہو رہا تھا، یہ آوازیں اس پر مستزاد تھیں۔ بدھ گیا میں سکون اور قناعت کا جو خول میرے جسم پر چڑھ گیا تھا، انکا نے بدری نرائن کا ذکر کر کے اسے پھر کھرچ دیا تھا۔ غصے نے میرا سارا وجود لرزا دیا تھا۔ میں اندھیرے میں اسٹیشن کے کچے پلیٹ فارم کی ایک بینچ پر دراز ہو گیا۔

"اب گاڑی کب آئے گی؟" میں نے انکا سے پوچھا۔

انکا میرے اشتعال سے سہمی ہوئی تھی۔ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "گاڑی آنے میں خاصی دیر ہے لیکن مال گاڑیاں یہاں سے گزرتی رہتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے جو گاڑی بھی پہلے آ جائے گی، ہم اسی میں سوار ہو جائیں گے۔ چاہے وہ مال گاڑی ہی کیوں نہ ہو۔"

"مال گاڑی میں تمہیں تکلیف ہو گی۔ اچھا ہے تم سو جاؤ، جب سواری کی گاڑی آئے گی، میں تمہیں جگا دوں گی۔" انکا نے شفقت کے انداز میں مشورہ دیا۔

"تکلیف؟" میں نے زہر خند سے کہا۔ "کیا اب تک تکلیف اور راحت کا کوئی احساس باقی رہنا چاہئے؟ کیا میں کوئی انسان رہا ہوں؟"

"تم جو کہتے ہو، سچ ہے، مال گاڑی آئے گی تو تم مویشوں کے ساتھ بیٹھ جانا۔" انکا نے تنک کے جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔

میں نے ٹوٹی ہوئی بینچ پر اپنے جسم کا تناؤ دور کرنے کی کوشش کی لیکن غصے میں ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جہاں اسے کم کرنے کے بجائے فزوں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ میں اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ رات خاموشی سے بہہ رہی تھی۔ نہ معلوم یہ کون سا اسٹیشن تھا؟ میں اپنے اندر پیچ و تاب کھاتا ہوا اس کنارے سے اس کنارے تک چل رہا تھا۔ آخر تھک کر پھر بینچ پر دراز ہو گیا۔ اس خنک رات میں آنکھوں میں سوزش سی ہونے لگی تھی۔ مچھروں کے ایک غول نے میرے سر اور چہرے پر منڈلانا شروع کر دیا۔ انکا سر پر بیٹھی پھونکیں مار رہی تھی۔ میں نے ہاتھ نہیں ہلایا کیونکہ چھوٹے موٹے کیڑے جسم پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔ جسم زہر کا عادی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد انکا نے مال گاڑی آنے کی خبر دی اور میرے سر سے اتر گئی۔ اسٹیشن پر یہ لمبی ٹرین میری ہی وجہ سے ٹھہری تھی۔ تمام ڈبوں پر سیل لگی ہوئی تھی اور جو ڈبے کھلے ہوئے تھے، ان میں

Downloaded from Paksociety.com

لوہے کی سلاخیں دھری تھیں۔ میں نے ایک ڈبے کی سیل توڑ دی اور اندر داخل ہو گیا۔ اس میں لکڑی کی پیٹیوں میں مال بھرا تھا لیکن میرے ٹھہرنے کے لئے گنجائش کافی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی گاڑی روانہ ہو گئی اور جیسے ہی گاڑی چلی، انکا میرے سر پر وارد ہو گئی۔

"گاڑی واپس بمبئی جا رہی ہے۔" انکا نے محبت سے میرے بال کھینچتے ہوئے کہا۔

"اب تم مجھے بمبئی اسٹیشن پر ہی جگانا، میں یہاں سمادھی لگائے بیٹھتا ہوں، تم چاہو تو سو جاؤ۔"

"میں ویسے بھی خاموش رہوں گی، اطمینان رکھو۔"

انکا کی باتوں کا سچ جاننے کے لئے میں گاڑی میں ارتکاز میں مستغرق ہو گیا۔ میرے باہر ہر طرف اندھیرا تھا لیکن اندر روشنی ہی روشنی تھی۔ مجھے وہ مکان صاف نظر آ رہا تھا جہاں بدری نرائن مقیم تھا۔ اس کی طرف جانے والے تمام راستے بھی روشن نظر آ رہے تھے۔ درمیان میں کوئی دیوار حائل نہیں تھی۔ انکا کی اطلاع کے مطابق امر لال وندھیا چل کی پہاڑیوں پر گیان دھیان کرنے چلا گیا تھا اور بدری نرائن، امر لال کے ایک چیلے بھگوان داس کے ہاں مقیم تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ وہ کہیں میری آمد سے باخبر نہ ہو جائے چنانچہ میں نے اپنی سمتوں سے اسے لاعلم رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں۔ ڈبے میں صابن، اگربتی اور عمدہ لکڑی کی بو پھیلی ہوئی تھی اور میں اپنے آپ میں ضم ہو گیا تھا۔ جب میرا الحاق میرے باطن سے ہوتا تھا تو مجھے باہر کی خوشبوؤں اور آوازوں کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ بمبئی کے قریب انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے چبھوئے تو میں حواس میں آیا۔ مال گاڑی اسٹیشن سے دور ٹھہر گئی تھی۔ میں لائنوں پر اتر گیا۔ رات پر نزع کا عالم طاری تھا۔ میں لائنوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اسٹیشن پہنچ گیا۔ اسٹیشن صبح کاذب کے وقت بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ سید غوث اور تزئین اسی شہر میں رہتے تھے اور میں چند گھنٹے پیشتر ہی ان سے جدا ہوا تھا۔ اس وقت میری طبیعت میں کسی جھیل کا سا ٹھہراؤ تھا مگر اب میرے سینے میں ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن تھا۔ آدمی بھی کیا چیز ہے؟ وہ ہمیشہ اپنے دنوں، خود سے متعلق اشیا اور اپنے رشتوں ہی کا پابند رہتا ہے۔ یہ تمام سلسلے آدمی کی مشین کے بٹن ہیں، اسے جس طرح دبایئے اسی طرح کا ردِ عمل ظاہر ہو گا۔ انکا نے میری نفرت اور غضب کا بٹن دبا دیا تھا۔

صبح آٹھ بجے تک میں بمبئی سینٹرل اسٹیشن کی انتظار گاہ میں کلکتے جانے والی گاڑی کا انتظار کرتا رہا۔ عین وقت پر انکا نے میرے سر پر ٹہوکا دیا۔ میں فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں جا کے بیٹھ گیا۔ یہاں پہلے ہی ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ اس جوڑے نے میری آمد پر کسی قدر خفگی اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ میں خود وہاں سے واپس ہونا چاہتا تھا لیکن گاڑی چل پڑی تھی۔ میں نے مہذب لہجے میں ان سے معذرت چاہی۔ لڑکی بے حد حسین تھی اور نرم دل معلوم ہوتی تھی۔ وہ میری معذرت اور بھاری بھرکم لہجے سے متاثر ہو گئی۔

تزئین نے رخصت کے وقت ایک سوٹ کیس تیار کر دیا تھا جس میں میرے لیے چند کرتے پاجامے تھے اور

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

شیروانیاں رکھی تھیں۔ اس وقت میرا لباس خاصا معقول تھا۔ پاؤں میں جوتے بھی اچھے تھے۔ شیو بھی بنا ہوا تھا لیکن سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ شکل وصورت سے میں کوئی غیر معمولی شخص نظر آتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ہم سفر میری موجودگی سے ہراساں ہیں۔ کبھی لڑکی لڑکے کی طرف دیکھتی تھی، کبھی لڑکا لڑکی کی طرف دیکھتا تھا۔ تھوڑی دیر میں ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ لڑکی اپنے والدین سے جدا ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ لڑکا اس بات سے پریشان تھا کہ اسے راستے میں پکڑ نہ لیا جائے۔ انہوں نے چوری چھپے شادی بھی کر لی تھی۔ جب والدین اس شادی پر رضامند نہ ہوئے تو انہوں نے بمبئی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ انکا مجھے چپکے چپکے لڑکی اور لڑکے کے بارے میں بتاتی رہی۔ ان کے عشق میں فریب کی کوئی آمیزش نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے ان پر پیار آنے لگا۔ میں وہ ڈبا چھوڑ دیتا مگر میں نے ان کی حفاظت کے لئے وہیں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"میرے بچو! میں یہاں سے چلا جاتا۔ تمہیں تنہائی کی ضرورت ہے لیکن تمہیں شاید میری ضرورت پیش آئے اس لیے میں یہاں ٹھہر گیا ہوں۔"

میرے شفیق لہجے پر لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ ادب سے بولی۔ "بابا۔ آ...... آپ، ہمارے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"میں کیا جانتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "ارے بچو! میں کیا نہیں جانتا؟ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں پریمی ہو، تمہیں اپنا من اور گھر بسانے کی اجازت نہیں ملی تو تم نے اپنے گھر چھوڑ دیئے۔ تمہارے ماتا پتا بہت بیاکل ہیں۔"

"بابا......" ان دونوں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ انہوں نے دوڑ کر میرے پیر پکڑ لیے۔ "بابا ہمیں شرن دیجئے۔"

میں نے ان دونوں کو اپنے پیروں سے اٹھایا۔ وہ میری برتھ پر میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ میں ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ "ہم مجبور ہو گئے تھے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا ہوں مگر بچو! زندگی بڑی بری چیز ہے، تمہیں اس کا تجربہ نہیں ہے۔ آخر تم کہاں جا رہے ہو؟" میں نے ان دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔

"ہم اپنے ماتا پتا سے بہت دور کلکتے جا رہے ہیں۔" لڑکی نے معصومیت سے جواب دیا۔ "سریش انگلینڈ سے پڑھ کر آئے ہیں۔ کلکتے میں ان کے کئی دوست ہیں۔ میں بھی گریجویٹ ہوں۔ میں کسی اسکول میں پڑھانے لگوں گی۔"

مجھے اس کی معصوم باتیں بہت اچھی لگیں اور میں نے انہیں زمانے کے نرم وگرم کے بارے میں سنجیدگی سے سمجھانا شروع کر دیا۔ لڑکی کا نام انوپا تھا۔ بات چیت سے بھی وہ کسی اچھے خاندان کی لڑکی معلوم

ہوتی تھی۔ "تمہارے پاس روپے بھی بہت کم ہیں۔ یہی کوئی ڈیڑھ ہزار روپے۔" میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "اور کلکتہ بہت بڑا شہر ہے۔ اگر کسی نے وہاں تمہارا ساتھ نہ دیا تو تم کیا کرو گے؟"

وہ دونوں چونک کر میری طرف دیکھنے لگے۔ "بابا، آپ سب کچھ جانتے ہیں؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔" میں نے اعتماد سے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں مشورہ دیجئے، ہم کیا کریں؟" نوجوان سریش نے مچل کے پوچھا۔ اس کے چہرے سے حیرت ہویدا تھی۔

"کاش میرا کوئی گھر ہوتا تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلتا مگر میں ایک بے گھر شخص ہوں۔ تمہیں صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔" میں نے اداسی سے کہا۔

"آپ کو گھر کی کیا ضرورت ہے، بھگوان کے لئے ہماری مشکلیں حل کیجئے۔" انوپا نے اس طرح کہا جیسے مجھ پر اس کا حق ہے۔ وہ میری منتیں کرنے لگی۔

"ٹھہرو، ٹھہرو۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مجھے سوچنے کا موقع دو۔ پیارے سریش اور پیاری انوپا! میں اوپر کی برتھ پر جاتا ہوں تم میری موجودگی سے بے خبر ہو کے یہاں ایک دوسرے کے بارے میں باتیں کرو۔"

"مگر آ...... آپ......" انوپا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں یہیں موجود ہوں۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے اطمینان دلایا اور اوپر کی برتھ پر چڑھ گیا۔ دیر تک مجھے ان کی آواز نہیں آئی پھر ان کی دبی دبی سرگوشیاں ابھریں۔ وہ میرے متعلق باتیں کر رہے تھے اور انکا مجھ سے گفتگو کرنے میں محو تھی۔ انکا کو خاموش کر کے میں بے سدھ ہو گیا تھا۔ اوپر کی برتھ پر جیسے میری لاش پڑی تھی اور گاڑی تیزی سے کلکتے کی جانب رواں تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر کے قریب گاڑی ٹھہری ہوئی تھی کہ دروازے پر دھپ دھپ کی آوازیں آنے لگیں۔ ابھی تک کسی مسافر نے اس ڈبے میں آنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ انکا نے مجھے جگایا۔ "باہر پولیس تمہارے ان سفری رفیقوں کی منتظر ہے۔"

"پولیس؟" میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ہاں۔ انوپا کے پتا نے تمام بڑے اسٹیشنوں پر اطلاع کرا دی ہے۔" انکا نے ٹھنک کے کہا۔

میں چند لمحے سوچتا رہا پھر میں نے انوپا سے کہا۔ "دروازہ کھول دو انوپا!"

انوپا نے جھجک کے ساتھ چٹخنی گرا دی۔ دروازہ کھلا تو ایک انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ نظر آیا۔ سریش اور انوپا کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر رعونت کی ایک لہر گزر گئی۔ "معاف کیجئے۔" اس نے مصنوعی شائستگی سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"کیا آپ ہماری مدد کریں گے؟"

"کس قسم کی مدد؟" سریش نے گھبرا کے پوچھا۔

"کچھ معلومات درکار ہیں۔" انسپکٹر نے ڈبے کے اندر گھس کے ایک طائرانہ نظر ڈالی اور مجھے بطور خاص گھور کے دیکھا۔

"فرمائیے، ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟" سریش نے مہذب لہجے میں دریافت کیا۔

"آپ کا نام؟" انسپکٹر نے خشونت سے پوچھا۔

"میں، میرا نام رام چند ہے۔"

"یہ آپ کی دھرم پتنی ہیں؟"

"ہاں۔" سریش کے لہجے میں اضطراب تھا۔

انسپکٹر نے کچھ اور معلومات کر کے ان سے سامان کی تلاشی کے لئے کہا۔ سامان میں میرج سرٹیفکیٹ رکھا ہوا تھا۔ میں اب تک خاموش رہا تھا۔ انسپکٹر سریش اور انوپا کے جوابات سے لطف لینے لگا تھا مگر اسے اب تک یقین نہیں تھا کہ یہی وہ جوڑا ہے جس کی اسے تلاش ہے۔ عموماً فرسٹ کلاس کے مسافروں کے ساتھ پولیس کا رویہ ایسا نہیں ہوتا۔ انسپکٹر بتدریج سختی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ جب سامان کی تلاشی کی بات آئی تو میں نے کروٹ لی اور ایک انگڑائی لے کر اپنی نشست پر کسمسانے لگا۔

"بچو! اسے بتاؤ کہ تمہارے بزرگ اوپر بیٹھے ہیں اور اس سے کہو کہ وہ تہذیب کے دائرے میں رہ کے بات کرے۔" میں نے اوپر لیٹے لیٹے کہا۔

"یہ کون بدزبان ہے؟" انسپکٹر ایک دم بھڑک اٹھا۔

"یہ ہمارے بابا ہیں۔" اس بار انوپا نے ہمت سے جواب دیا۔

"بابا۔ کیا یہ تمہارے پتا جی ہیں؟"

"ہاں۔" انوپا جھجک کر بولی۔

انسپکٹر یقین کرنے نہ کرنے کی حالت میں مبتلا رہا۔ انکا میرے سر پر مضطرب تھی۔ میں نے اسے روکے رکھا تھا۔ "میں تمہارے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔ "میرے ساتھ تعاون کرو۔"

"ہم اپنی چیزیں غیروں کو نہیں دکھاتے۔" میں نے اوپر کی برتھ سے جواب دیا۔ "تمہیں معزز لوگوں سے بات کرنے کی تمیز آنی چاہیے۔"

"بڑے میاں نیچے اترو، یہ کیا اوپر سے بکواس لگا رکھی ہے۔" انسپکٹر نے گرج کر کہا۔ "میں تم سب کو عدم تعاون کی بنا پر گرفتار کر سکتا ہوں۔"

میں اتر کر نیچے آ گیا۔ انوپا اور سریش صورت حال کے بگڑ جانے کے خدشے سے سہمے ہوئے تھے۔

"یہ سامان ہے۔" میں نے ان دونوں کے سوٹ کیس اس کے سامنے ڈال دیے۔ "لے کھول لے۔" میں نے جلال کے عالم میں کہا۔

انسپکٹر میری قہر آلود نظروں اور پُر جلال لہجے کی تاب نہ لا سکا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا جسم جھرجھرا گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "چلو، یہاں سے واپس چلو، یہاں کچھ نہیں ہے۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے انوپا سے کہا۔ "دروازہ بند کر لو۔ میں اسی لیے تمہارے ساتھ ٹھہرا تھا۔"

"آپ تو کوئی اوتار ہیں، آپ نہ ہوتے تو ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔" سریش نے پھر میرے پیر پکڑ لیے۔

"سریش! قسمت نے عجب انداز میں مجھے تم سے ملایا ہے۔ میں میسور جا رہا تھا کہ میں نے راستے میں ارادہ بدل دیا اور واپس بمبئی چلا آیا۔ اتفاق سے میرے قدم تمہارے ہی ڈبے کی طرف اٹھے۔ یہ تمہارے پریم کی سچائی تھی کہ اس نے مجھے کہاں سے یہاں کھینچ لیا، سچا پریم اسے کہتے ہیں۔ وعدہ کرو کہ تم انوپا کو ہمیشہ خوش رکھو گے۔"

سریش کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں وچن دیتا ہوں۔"

گاڑی چل پڑی۔ انوپا میرے سرہانے بیٹھی تھی اور اس کے دل میں یہ شدید خواہش مچل رہی تھی کہ وہ میرا سر دبائے۔ میں نے اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ آہ اس کی نازک انگلیوں میں کیسی ٹھنڈک تھی۔ میں نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا اور انکا سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انکا میرے سر سے رخصت ہو گئی اور انوپا میرے بالوں میں عقیدت سے انگلیاں پھیرتی رہی۔ سریش میرے پائنتی بیٹھا تھا اور میں برتھ پر لیٹا ہوا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ دل جذبات سے لبریز تھا۔ انکا خاصی دیر بعد واپس آئی۔ اس نے مجھے جو کچھ سنایا، میں اس سے مطمئن ہو گیا۔ کئی وقت ہم نے کھانا ایک ساتھ ہی کھایا۔ میں نے بمبئی میں تزئین اور رسید غوث اور گلبرگے میں رکن الدین کا پتا سریش کو دیا کہ وہ انہیں اپنا گھر سمجھ کے جب چاہے وہاں جائے اور جب تک چاہے ٹھہرے۔ وہ میرے بارے میں پوچھتے رہے۔ اس جوڑے کی ہمسفری میں وقت کا پتا نہیں چلا۔ میں زیادہ تر انہی میں منہمک رہا۔ کلکتے سے کچھ اسٹیشن پہلے جب انکا میرے سر پر نہیں تھی اور سریش اور انوپا اونگھ رہے تھے، گاڑی ایک جگہ ٹھہری۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک شخص سر اسیمہ سا بھاگتا ہوا میرے ڈبے میں آیا اور ایک وزنی تھیلا چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ میں نے سریش اور انوپا کی نظریں بچا کر تھیلا اوپر کی برتھ پر لوٹ دیا۔ نوٹوں کی گڈیاں برتھ پر بچھ گئیں۔ یہ نوٹ ایک لاکھ سے کم کیا ہوں گے۔ میں نے گڈیاں جلدی جلدی برتھ کے اندر کی طرف دھکیل دیں اور گاڑی چلتے ہی خالی تھیلا کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کلکتے کے قریب سریش اور انوپا اداس ہونے لگے تھے۔ میں رخصت ہونے والا تھا اور ان پر نئی زندگی کے خوف مسلط تھے۔ وہ میری برتھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ انکا بھی واپس آ گئی تھی۔ میں نے انہیں گلوگیر لہجے میں مخاطب کیا۔ ”سریش اور انوپا! اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ تم جہاں رہو گے مجھے علم رہے گا۔ تمہاری شادی پر تمہارے گھر والوں نے خوشی نہیں منائی لیکن تم نے مجھے بابا کہا ہے۔ تم سدا سکھی رہو۔ میں نے تمہارے لیے اپنی طرف سے جہیز کا انتظام کیا ہے۔“ یہ کہہ کے میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے اوپری برتھ سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے حوالے کرنا چاہیں۔ ان کے چہرے پر حیرت اور مسرت سے ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔ ان کی زبانیں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ کبھی وہ منع کرتے تھے، کبھی میرا ہاتھ چومتے تھے۔ میں اس کیفیت کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ خود میری آنکھوں میں خوشی ہی خوشی بھری ہوئی تھی۔

”آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟“ انوپا اور سریش نے ایک ساتھ کہا۔

”میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔“ میں نے انوپا کے سر پر دھپ مارتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟“

”نہیں۔ مگر یہ بہت ہیں بابا، ہم ان کا کیا کریں گے؟“

”تم پہلے ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرو گے۔ پھر عمدہ سا مکان تلاش کرو گے۔ پھر سریش چاہے گا تو کوئی کاروبار کرے گا یا مزے سے انہیں اڑائے گا اور ملازمت کرلے گا۔ تم راج کرو گی۔“ میں نے سرشاری سے کہا۔

”او بابا، آپ بڑے دیالو ہیں، بابا! آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔“ انوپا نے بچوں کی طرح مچل کے کہا۔

”تم پگلی ہو۔ کبھی بابا بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں؟“ میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔

انہوں نے میرے اصرار پر نوٹ جلدی جلدی اپنے سوٹ کیسوں میں ٹھونسے اور عقیدت سے میرے قریب بیٹھ گئے۔ کلکتہ اسٹیشن پر ان سے وداع کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں کے رفیق چھوٹ رہے ہوں۔ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو مجھ پر بھی یاسیت اور نامرادی نے غلبہ پالیا اور میں انہیں دور تک جاتے دیکھتا رہا۔ انکا بھی مرجھا گئی تھی۔ کلکتہ اسٹیشن پر تنہا کھڑے ہوئے مجھے اکیلے پن کا شدید احساس ہوا۔ میں جیسے گہری نیند سے چونک گیا۔ بدری نرائن، ہاں وہی موذی بدری نرائن! مجھے اس کمینے کے استحان پر روانہ ہونا تھا۔ میں اسٹیشن سے باہر آ گیا اور شہر سے دور ایک نواحی آبادی میں داخل ہوا۔ یہ ایک نیم شہری علاقہ تھا۔ جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کی اس بستی میں داخل ہوتے ہی میرے اعصاب میں

رسا کشی ہونے لگی۔ میں محتاط انداز میں اپنا محاصرہ کرتا ہوا اس مکان کے قریب ہو رہا تھا جہاں وہ شیطان بدری نرائن ٹھہرا ہوا تھا۔ شیطان نے اپنے تعاقب میں میرے اوسان خطا کر دیے تھے۔

بستی میں کسی نے میری طرف مشکوک نظروں سے نہیں دیکھا، اب تک تمام راستہ بخیر و خوبی گزر گیا تھا۔ بستی کے ایک سرے پر چھوٹے چھوٹے مندروں کا سلسلہ تھا جن کے کلس ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی فکر میں سرگرداں معلوم ہوتے تھے۔ اسی کے قریب بھگوان داس کا دو منزلہ پختہ مکان دور سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک درخت کے نیچے بنے ہوئے مٹی کے صاف چبوترے پر دھرنا جما دیا۔ انکا بھی خلاف معمول گم صم بیٹھی تھی۔ میرے لیے آگے جانے سے پہلے احتیاطاً اپنے سامنے کے علاقے کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ میں آنکھیں نہیں بند کر سکا کیونکہ جب میں نے استغراق کے لئے انہیں بند کرنا چاہا تو وہ حیرت سے خود بخود کھل گئیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا، وہ حقیقت تھی۔ میں نے پریشانی کے عالم میں انکا کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بے قراری سے میرے سر پہ پہلو بدل رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری باطنی آنکھوں نے جس حیرت انگیز مظہر کا نظارہ کیا ہے، انکا کی سحر کار نظر نے بھی اسے دیکھ لیا ہے مگر انکا اب اسے بیان کرنے سے کترا رہی ہے، اس کے انداز میں ندامت تھی۔ آنکھوں میں شرمندگی اور حقیقت کا یہ تاثر مجھ پر ترس کھانے کے سوا کسی اور سبب سے نہیں تھا۔ انکا کی کوئی غلطی نہیں تھی، خود میں نے میسور اور بمبئی کے راستے میں اطمینان کر لیا تھا۔ راستہ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ اب کیا ہوا؟ بدری نرائن کو کیسے خبر ہو گئی کہ میرا رخ اس طرف ہے اور کس نے یہ فصیل تعمیر کر دی ہے؟ یہ جو ایک پُراسرار چادر تنی ہوئی ہے، یہ کسی مہان سادھو کی شکتی کا کرشمہ ہے؟ امرلال کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر امرلال کی موجودگی کے یہاں کوئی آثار نظر نہیں آتے، وہ خود وندھیا چل میں ہے۔ پھر کس نے یہ سنگلاخ دیوار کھڑی کر دی ہے؟ کس نے میری بو سونگھ لی اور پیش قدمی کی؟ کیا میں پھر ناکام واپس چلا جاؤں؟

”تم کچھ دیکھ رہی ہو؟“ میں نے بے بسی سے انکا کی طرف دیکھا۔

”ہاں، اندر بدری نرائن موجود ہے۔ بھگوان داس بھی ہے اور اس کی نوجوان لڑکی شاردا بھی۔ اس کا تمہارا فاصلہ بہت کم ہے مگر تم اندر نہیں جا سکتے۔ درمیان میں تم دیکھ رہے ہو، کیا ہے؟“ انکا نے پژمردگی سے اپنے لب کھولے۔

”میں یہ جال جلا دوں گا، یہ دیوار ڈھا دوں گا۔ میں قیامت تک یہیں بیٹھا رہوں گا۔“

”تم ایک حماقت کے بعد دوسری حماقت کرو گے۔“

”میں ایک آخری حماقت ضرور کروں گا۔ میں یہیں بیٹھ کر بدری نرائن کا حوصلہ آزماؤں گا اور جب تک اسے باہر نہیں کھینچ لاؤں گا، یہیں پڑا رہوں گا۔“

”[illegible] بدری نرائن کی مدد کو پہنچ جائیں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

گئے۔"

"تم کیا مذاق کراتی ہو؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا، تم نے خود ہی ذکر چھیڑا اور اب منزل پر آ کے کہہ رہی ہو کہ واپس چلا جاؤں۔ میں کہیں اور جا کے سکون سے رہ سکوں گا؟"

"مجھے معلوم ہے لیکن یہاں بیٹھے رہنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ادھر تم اپنی طاقتوں کا کھیل دکھاؤ گے، ادھر وہ تمہیں ہٹانے پر اپنا پورا زور لگا دیں گے۔ اب تو بدری نرائن کا خیال کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ چلو شبن خان کی طرف چلتے ہیں، وہ جیل میں کسمپرسی کے دن گزار رہا ہے۔ ادھر زرافشاں، درخشاں کے لیے تمہیں بر تلاش کرنے ہیں۔ تمہیں ابھی بہت سے کام ہیں، کہیں اور نہیں چلتے تو کلدیپ ہی کے ہاں چلو، وہیں سمادھی لگا دینا۔" انکا نے آہستگی سے کہا۔

"اب سب باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ میں تو یہاں سے کہیں اور نہیں جاؤں گا۔ اگر موت یہیں لکھی ہے تو اسی مٹی میں دفن ہو جاؤں گا۔" میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ پچھتاوا ہے لیکن بعد از وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ میسور جاتے ہوئے جب میں نے بدری نرائن کا ذکر چھیڑا تھا تو تم بری طرح بے چین ہو گئے تھے۔ اگر تمہارے اضطراب کا یہی حال رہتا تو بدری نرائن تمہاری آمد سے کبھی آگاہ نہ ہوتا لیکن تم اس معمولی جوڑے کی خاطر تواضع میں سب کچھ بھول گئے۔ سنو جمیل احمد خان!" انکا نے لہجہ بدل کے ترشی سے کہا۔ "یہ عمارت امر لال کی شرن میں ہے۔ اس نے بدری نرائن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا تو اپنی عدم موجودگی میں اسے تنہا کیسے چھوڑ دیتا؟ اس نے بدری نرائن کو اپنے چیلے بھگوان داس کے پاس بھیج دیا اور اسے کوئی ایسا منتر بتا دیا کہ جب تم ادھر کا رخ کرو، ایسا ایک جال تمہارے آنے سے پہلے یہاں بن جائے۔ ممکن ہے انہوں نے تمہیں گھیرنے کے لیے کوئی چال چلی ہو۔ تم یہاں بیٹھ کے اپنا وقت ضائع کرو گے۔ کچھ سمجھ میں آیا میں نے کیا بکواس کی ہے؟"

"میں تمہاری بکواس سن رہا ہوں انکا!" میں نے مایوسی سے کہا۔ "اب تک کیا، کیا ہے؟ وقت ہی ضائع کیا ہے۔ کچھ اور وقت ضائع کرنے دو۔ میں نے اپنا آخری ٹھکانا ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ درخت ہے۔ یہ چبوترا ہے اور میں ہوں۔ میں آنکھیں بند کرتا ہوں، تمہارے اندر برداشت کا حوصلہ ہے تو میرے سر پر ٹھہری رہو، نہیں تو اتر جاؤ۔"

"یہاں تم پر کوئی اور مصیبت آ سکتی ہے۔" انکا نے تلملا کے کہا۔

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور عمارت کی جانب نظر کی۔ کھڑکی میں مجھے بدری نرائن کا چہرہ نظر آیا۔ وہ میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور شدید نفرت سے اسے چار بار گھما کے عمارت کی جانب اچھال دیا۔ پتھر کسی آواز کے بغیر درمیان ہی میں ٹکرا کے واپس آ گیا۔ اتنی دور سے میں بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات دیکھ سکتا تھا۔ اس کی رعونت میری برداشت سے باہر

تھی۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی اور زور زور سے پھونکیں ماریں۔ میرے کسی عمل سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بدری نرائن نے رعونت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کھڑکی کے پٹ بند کر دیے اور میں اپنی جگہ تلملا کے رہ گیا۔ پہلے شاید میں انکا کے اصرار پر اس جگہ سے اٹھ جاتا مگر بدری نرائن کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ انکا اسی شد و مد سے واپسی کے لئے اصرار کر رہی تھی۔ میرا عزم اور پختہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر انکا نے ہار مان لی۔ اسے چپ سی لگ گئی اور میں نے چبوترے کو اپنا مسکن بنا لیا۔ میرا جسم ساکت ہو گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ اسی سمت مرکوز تھیں جہاں بدری نرائن کھڑا ہوا نظر آیا تھا۔ میں تین دن تک یوں ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ یہ برداشت کی انتہا تھی۔ اس دوران میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ تین دن بعد میں نے اپنے اندر کے دروازے بند کر کے باہر کی طرف جھانکنا چاہا تو مجھے شدید مایوسی ہوئی۔ میں نے بدری نرائن تک پہنچنے اور درمیان کا پردہ ہٹانے کی ایک اور کوشش کی۔ مکان کے گرد قائم حصار میں سر مو کوئی فرق نہیں آیا۔ البتہ میرے لیے ایک اور مشکل پیدا ہو گئی۔ یہ کوئی غیر آباد علاقہ نہیں تھا۔ میری موجودگی اور میری مشکل تپسیا کی خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ میں نے دھول جھاڑنے کے انداز میں اپنے جسم کو حرکت دی تو مجھے اپنے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتے ہوئے لوگ دکھائی دیے۔ یہ غریب لوگوں کی بستی تھی مگر میرے چبوترے پر انواع و اقسام کے کھانوں کے تھال رکھے تھے۔ میں نے انہیں چھوا تک نہیں۔ پھر میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بھگوان داس کے مکان کا چکر لگایا۔ بھگوان داس کے مکان میں گزشتہ تین روز سے کوئی شخص داخل نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مکان عام انسانی آنکھ سے اوجھل ہو گیا ہو۔ اس کی جانب کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں جو میری توجہ کے منتظر تھے۔ ان سب پر میری ہیبت اور بے نیازی کا اثر ہوا۔ رات کو مجھے سکون مل گیا اور میں نے دو چار لقمے زہر مار کیے۔ پھر سورج نکلنے سے پہلے میں اپنے عمل میں مصروف ہو گیا۔ میرے اور بدری نرائن کے درمیان قوت برداشت کی ایک جنگ جاری تھی۔ اگر میں اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا تو وہ بھی تو باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کی دیوار کے ساتھ میری بھی کئی دیواریں تھیں اور سب سے بڑی چٹان تو میں خود تھا۔

میں تیز تیز سانس لے کے اور پھیپھڑوں میں تازہ ہوا بھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی عقیدت مند ہاتھ جوڑے چبوترے کے نزدیک ہونے لگے۔ میری نظریں ابھی تک بھگوان داس کے مکان کی کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں جس کے پٹ بند تھے، میری آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ میری یہ کیفیت ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہی جو کسی معجزے کی تمنا میں میرے قریب اکٹھے ہو گئے تھے، جنہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص ساکت و جامد کچھ کھائے پیے بغیر دنوں اور ہفتوں بیٹھا رہتا ہے۔ میرے بارے میں انہوں نے صحیح اندازہ لگایا تھا، انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن خود میں اپنے آپ پر شبہ کر رہا تھا۔ میں گیارہ روز کی تپسیا کے بعد بھی بھگوان داس کے مکان میں داخل ہونے کے لئے کوئی چھوٹا سا راستہ تلاش نہیں کر سکا تھا، اچانک

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کھڑکی کے پٹ کھلے۔ میری پوری طاقت سمٹ کے نگاہوں میں مرکوز ہوگئی۔ وہاں بدری نرائن کی جگہ ایک نہایت حسین اور نازک اندام لڑکی کھڑی تھی۔ انکا بھی میری طرح کھڑکی کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے مجھے اسی وقت بتایا کہ یہ بھگوان داس کی لڑکی شاردا ہے۔ اسے حسن کی سند دینے میں کسی کو کوئی تعرض نہ ہوتا۔ اسے دیکھ کر میری نگاہوں میں ایک بجلی سی چمکی۔ شاردا صرف ایک لمحے میری مقناطیسی نگاہ کے سامنے ٹھہر سکی۔ پھر اس نے گھبرا کر نگاہیں نیچی کرلیں اور کھڑکی کے پٹ اسی طرح بند ہوگئے جس طرح میرے اچھے دنوں کے پٹ بند ہوگئے تھے۔ شاردا، یہ نام کئی بار میرے ذہن میں گونجا اور میرے جلے ہوئے اعصاب پر تیل کا اثر کر گیا۔

اس موقع پر مجھے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کی موجودگی بری محسوس ہوئی۔ میں نے انہیں پھنکار کر کہا۔ ”کیوں بیٹھے ہو؟ جاؤ اپنا راستہ لو۔ یہاں میٹھا تقسیم نہیں ہو رہا ہے۔“

”مہاراج! دیا کرو۔“ ایک ساتھ کئی آوازیں گونجیں۔ ”ہمیں اپنی سیوا کا اوسر دو۔“

”مجھے کسی سیوا کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے حقارت سے کہا۔ ”جاؤ اپنا کام کرو، میری تپسیا میں کیوں خلل ڈالتے ہو؟“

”تم گیانی دھیانی ہو مہاراج! کالی نے تمہیں ہمارے پاس بھیجا ہے، یہاں سب کالی مائی کے اشارے پر اپنا جیون تیاگ دینے کے لیے بیاکل ہیں۔ ہمارے بڑے بھاگیہ جو تم یہاں پدھارے۔ بتاؤ مہاراج! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟“ ان میں سے ایک عاجزی سے بولا۔

”نہیں بس اتنی سیوا کرو کہ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔“ میں نے ڈپٹ کر کہا۔

آخر وہ میرے حکم پر سہمے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور انکا انہیں ہنکا کے بستی میں لے گئی۔

ان لوگوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد میری نظریں پھر کھڑکی کی جانب ٹک گئیں۔ بھگوان داس کی عمارت کی ہر اینٹ میری نظروں کے احاطے میں تھی۔ ایک بار پھر شاردا کھڑکی پر نمودار ہوئی اور جلد ہی وہاں سے غائب ہوگئی۔ وہ دن اسی آنکھ مچولی میں گزر گیا۔ شام کو انکا میرے سر پر آگئی۔

”آخر تم نے کیا سوچا ہے؟“ انکا نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”تم نے شاردا کو دیکھا ہے؟ بھگوان داس کی یہ لڑکی کچھ عجب تیکھے نقوش رکھتی ہے۔“

”تم مجھے بہلا رہے ہو۔ شاردا اس گھر سے کبھی باہر نہیں آسکتی، یہ بات تم بھی جانتے ہو۔“

”بھگوان داس اور بدری نرائن کیا کر رہے ہیں؟“

”وہ تمہاری تپسیا کا جواب دینے کے لئے جاپ میں مگن ہوں گے۔ انہوں نے وندھیا چل میں امر لال سے پرارتھنا کی ہوگی۔ تم نے یہ عمارت ڈھانے کے لئے کون سی کسر اٹھا رکھی ہے۔“

”تو پھر شاردا اس بھرے گھر میں ویران، اداس، بکھری رہ ہوگی؟ تمہارا کیا خیال ہے؟“

”لیکن وہ اپنی اداسی مٹانے کے لئے تمہارے پاس نہیں آئے گی۔“

”میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔“

”تم پاگل ہو جاتے ہو۔“ انکا جز بز ہو کے بولی۔

شاردا کا ذکر میں نے اس سے دانستہ کیا تھا حالانکہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں انکا کو یہاں بیٹھنے کے لئے آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ رات کو میں نے ایک اور کوشش کی اور صبح جب سورج کی کرنوں نے اندھیرے پر غالب آنا شروع کیا تو انکا نے میرے سر پر بیٹھ کے پنجے مار مار کے پریشان کر دیا۔ کل میرے عقیدت مندوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، آج میں انہیں گننے سے قاصر تھا۔

میں آگے کی تفصیل کیا بیان کروں۔ انکا کی موجودگی میں روز لگنے والی اس نوٹنکی میں کیا کیا تماشا نہ ہوا ہوگا۔ اور میں نے خالی وقت میں ارتکاز، مراقبہ، تزکیہ نفس اور استغراق کا کون سا عمل نہ کیا ہوگا۔ کئی ہفتے بیت گئے اور میں وہ فاصلہ عبور کرنے میں ناکام رہا جو میرے اور بدری نرائن کے درمیان حائل تھا۔ اردگرد کے دیہات کے لوگ بھی اب اس طرف آنے لگے تھے۔ کئی نوجوان پنڈت پجاریوں نے میرے قریب ہی سمادھی لگا دی تھی۔ اس صورت حال سے میں بہت پریشان تھا۔ میں یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا اور آنے والے لوگوں کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی تعداد روز بہ روز بڑھتی جا رہی تھی۔ میری طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہوگیا۔ میں آنے والے لوگوں کو بری طرح دھتکار دیا کرتا لیکن میں جتنا انہیں دھتکارتا، اتنا ہی وہ میرے پیروں پڑ جاتے۔ صرف ایک امید نے مجھے یہاں روکے رکھا تھا ورنہ میں طویل ارتکاز میں ڈوب کر یہ قصہ ہی تمام کر دیتا۔ شاردا کی آنکھوں میں میرے لیے ایک کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا تھا کہ اسے کھڑکی پر دیر تک کھڑا رکھوں اور اس کے دل میں اپنا خیال منتقل کر سکوں۔ اگر یہ پُراسرار دیوار حائل نہ ہوتی تو شاردا بندھی چلی آتی۔ یہ ایک صبر آزما کام تھا۔ میری ریاضت اور عقیدت، ہندوؤں کی مجھ سے ارادات دیکھ کے شاردا نے میرے بارے میں بہت سی مثبت رائیں قائم کر لی ہوں گی جن کا ثبوت یہ تھا کہ اب وہ رات کو بھی کھڑکی میں کھڑی ہونے لگی تھی۔ میں سنگلاخ چٹان پر تنکے مار رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں یہ چٹان انہی تنکوں سے توڑ دوں گا۔ روز میرے روحانی اعمال میں شدت پیدا ہو جاتی تھی۔

میں نے انہی دنوں اچانک ایک رات اپنے قریب کوئی سایہ سا گزرتا محسوس کیا۔ انکا فوراً میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کلدیپ کا پرتو، اس کی نمائندہ کلپنا تھی۔ اس کی خلاف توقع آمد سے میرا انہماک ٹوٹ گیا اور میں خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ وہ جب بھی میرے پاس آتی تھی، میں سمجھتا تھا، کلدیپ آگئی۔ اس وقت مجھے کوئی ہمدردی قبول نہیں تھی، کوئی مشورہ یا دخل پسند نہیں تھا۔

کلپنا نے نرم لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ”جمیل احمد خان! میں کلپنا ہوں۔“

[illegible]

تم شاید مجھ سے ہمدردی کا اظہار

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کرنے آئی ہو مگر میں اپنے معاملے میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "اب تمہاری دیوی سے میرا کیا واسطہ؟ میری یہ حالت اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ بار بار مجھے کیوں تنگ کرتی ہے؟ میں مر جاؤں گا تو کیا ہوگا؟ میں ناکام ہو جاؤں گا تو اس کے گیان دھیان میں کیا فرق پڑے گا؟"

"تم دیوی سے بہت ناراض ہو؟ میں تم سے اس وقت کچھ نہیں کہوں گی۔ میں تمہیں یہ مشورہ دینے آئی ہوں کہ تم یہاں بیٹھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

"میں یہاں سے ہٹ کے بھی اپنا وقت ضائع ہی کروں گا۔ اب مجھے دنیا میں کون سا کام رہ گیا ہے؟ پنڈتوں، پجاریوں سے لڑنا، مشکلوں میں پڑنا اور ان سے نکلنا۔"

"تمہاری ایک لڑکی ہے، داماد اور تم سے متعلق اور لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ تم یہاں تنہا نہیں ہو۔" کلپنا نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں اپنے خیر خواہوں کے مشورے قبول کرنا چاہئیں۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی غیر ہمدردانہ سلوک نہیں کیا ہے۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں۔" میں نے طنزاً کہا۔ "میری زندگی پر نہ جانے کس کس کے احسانات ہیں؟ میں ان کے بوجھ تلے دب گیا ہوں۔ اب یہ وتیرہ ترک کر دو اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ زندہ رہا تو ایک بار تمہاری دیوی کے درشن ضرور کروں گا۔ میں اسے دیکھنے کے لئے جا رہا تھا کہ راستے ہی سے واپس آ گیا۔"

"چلو دیوی کے استھان چلو۔ یہاں بیٹھے ہوئے تم......" کلپنا کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے ناراضی اور غصے سے کہا۔ "مجھے یہاں سکون مل رہا ہے۔"

"تمہاری مرضی، لیکن تم میری بات پر غور کرنا۔ وقت سے پہلے یہاں سے اٹھ جانا۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا جمیل احمد خان کہ تمہارے کچھ اور بہی خواہ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔" کلپنا نے تیکھے لہجے میں کہا اور رات کی سیاہی میں مدغم ہو گئی۔ اس کے جانے سے مجھے سکون ہوا۔

☆......☆......☆

کلپنا نے انکا سے کوئی الگ بات نہیں کہی تھی۔ وہی تکرار تھی جسے سنتے سنتے میں تنگ آ گیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے رفتہ رفتہ پندرہ دن اور گزر گئے۔ ڈھائی ماہ کے عرصے میں کوئی شخص مکان میں داخل نہیں ہوا تھا نہ ہی گاؤں کے کسی آدمی نے نظر گھما کے مکان کی طرف دیکھنے کی جسارت کی تھی۔ ان سب کی نظریں یہ عمارت دیکھنے سے قاصر تھیں۔ میں اپنے انہماک میں حسب معمول غرق تھا۔ دوپہر تک میرے اطراف دیہاتیوں کا بڑا ہجوم شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتا رہتا اور انکا میرے حکم پر ہر شخص کی مشکل حل کرتی رہتی۔ جب اتنے دنوں کی صبر آزما تگ و دو کے بعد بھی کوئی روزن نہ کھلا، دیوار میں کوئی شگاف نہ پڑا اور شیشے میں کوئی بال نہ آیا تو کلپنا اور انکا کی باتیں

Downloaded from Paksociety.com

ناکام ہو چکا تھا میرا اعتماد مجروح ہونے لگا تھا۔ اب مجھے اپنی آگ بجھانے کے لئے کسی اور ہی ذریعے کی تلاش تھی۔ شاردا؟ ہاں شاردا بس ایک ہی چارہ تھا کہ کسی طور شاردا مکان سے باہر آ جائے۔ میری جانب سے اس کی آمادگی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ دیوار پھاند کر چلی آئے گی۔ اندر سے کسی شخص کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ قید صرف جانے والوں کے لئے ہونی چاہیے۔ میں نے اپنی پوری توجہ شاردا پر صرف کر دی تھی۔ شاردا میرے اشارے سمجھنے لگی تھی۔ وہ میرے چمتکار حیرت سے دیکھتی رہتی تھی۔ آخر ایک رات میں نے اسے آواز دی اور اشارے سے اپنے پاس بلانا چاہا۔ میری آواز دور دور تک گونج گئی۔ شاردا نہیں آئی۔ میں سمجھا میرے کلام میں اثر نہیں رہا اور میری نگاہ اپنی کشش کھو بیٹھی ہے۔ شاردا نہیں آئی جنون اور فزوں ہو گیا۔ اسے بلانے اور پکارنے میں اور شدت پیدا ہو گئی۔

لیکن دوسرے دن ہجوم میں ایک شخص بانسری بجاتا ہوا میری طرف نکل آیا۔ انکا کے مشورے پر میں نے اس سے بانسری طلب کر لی۔ اس نے بے پروائی سے اسے میری جانب پھینک دیا۔ انکا نے مجھے ایک افسانوی ترکیب بتائی تھی کہ ممکن ہے اس میں کوئی منفعت ہو۔ خود میں نے قدیم کہانیوں پر پڑھا تھا کہ ایک محبوب اپنی محبوبہ کو بلانے کیلئے رات کو جنگل میں بانسری بجایا کرتا تھا۔ محبوبہ کھنچ کر اس کے پاس پہنچ جاتی تھی اور اسے اپنی سدھ بدھ نہیں رہتی تھی۔ اسے آنے میں دیر ہو گئی تو محبوب نے اس رات فراق یار میں ایسی بانسری بجائی کہ اس کی سانس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ رات کو میں نے بھی افسانہ دہرایا۔ مجھے بانسری بجانی نہیں آتی تھی لیکن انکا میرا ساتھ دے رہی تھی۔ انکا نے اس میں عجب سوز پیدا کر دیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ میری دردناک لے نے پرندوں کی نیند اڑا دی ہوگی۔ بانسری میرے ہونٹوں سے لگی ہوئی تھی اور اس سے راگنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ میں خود مدہوش ہوا جا رہا تھا۔ موسیقی بھی جادو ہے۔ انکا اسے بجا رہی تھی۔ مجھے عمارت کے دروازے تیزی سے کھلنے کی آوازیں آئیں۔ شاردا بھاگتی ہوئی میری سمت آ رہی تھی۔ وہ جب دیوانے سے نکل آئی تو تیزی سے فاصلہ عبور کرنے لگی۔ اس کے پیچھے بھگوان داس چلاتا اور دوڑتا نظر آیا مگر شاردا کو ہوش نہیں تھا۔ وہ تڑپتی ہوئی آئی اور میرے قریب آ کے ٹک سی کھڑی ہو گئی۔ انکا اسی وقت اس کے سر پر پہنچ گئی۔ بانسری میرے ہونٹوں سے الگ ہو چکی تھی۔ موسیقی کے سحر نے اپنا کام کر دیا تھا۔ میں حیرت سے شاردا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنا سینہ چھپائے ہوئے تھے۔ ساڑھی جسم پر ٹھیک طرح نہیں بندھی تھی، وہ ہانپ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کا جسم گلاب کی کوئی شاخ تھا جس پر گلاب جیسا اس کا چہرہ لگا ہوا تھا۔ بھگوان داس دہشت میں شاردا شاردا پکارتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی شاردا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شاردا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں خاموش کھڑا کچھ دیر تک باپ بیٹی کی نوک جھوک سے لطف لیتا رہا۔ شاردا نے بھگوان داس کے ساتھ واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بھگوان داس [illegible]

کی جرأت نہیں کی تھی۔ خوف

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ آواز بھی تھرا گئی تھی۔ میں نے بڑھ کے شاردا کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ میں نے بھگوان داس سے تلخی کے ساتھ کہا۔ "صرف ایک شرط پر تم شاردا کو لے جا سکتے ہو کہ بدری نرائن کو میرے حوالے کر دو۔"

"میں بدری نرائن کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ میں نے گرو امر لال کو وچن دیا ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں گا۔" بھگوان داس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے شاردا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسے میں نے صرف بدری نرائن کو حاصل کرنے کے لئے بلایا ہے۔ اگر تمہیں یہ سودا منظور نہیں ہے تو میں شاردا کو ساتھ لے جاؤں گا۔" میں نے سیدھے سادے الفاظ میں کہا۔

"تم اسے نہیں لے جا سکتے۔ گرو دیو کی شکتی امر ہے۔ تم نے پہلے ہی بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ گرو دیو تمہیں اس بار بڑا کشٹ دیں گے۔"

"مجھے گرو دیو سے خوف ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ تم نے ایک کمینے شخص بدری نرائن کو شرن دی ہے۔ وہ میرا مجرم ہے۔ شاردا کے عوض تم اسے میرے حوالے کر سکتے ہو۔"

"مجھے مجبور نہ کرو مہاراج جمیل احمد خان! میں ایسا نہیں کر سکتا۔" بھگوان داس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم شاردا سے سدا کے لئے ہاتھ دھو لو۔ میرا مشورہ ہے بھگوان داس کہ تم بدری نرائن کے پاس جا کے اسے صورت حال سے آگاہ کرو۔ اگر وہ تمہارا دوست ہے اور بڑا پنڈت ہے تو تمہاری بیٹی کی زندگی کے لئے باہر آ جائے گا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں، وہ باہر نہیں آئے گا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"تو پھر تم نے ایسے نیچ شخص کو شرن کیوں دی ہے؟"

"میں نے گرو دیو امر لال کو دیے ہوئے وچن کا پالن کیا ہے۔"

"وچن؟" میں نے قہقہہ لگایا۔ "میں نے بھی اپنے آپ سے کوئی وچن کیا ہے بھگوان داس! تم میری شکتی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "پر مہاراج! میں مجبور ہوں۔ جب تک گرو دیو نہیں آ جاتے، میں اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ میری بیٹی مجھے واپس کر دو۔"

"میں بھی مجبور ہوں بھگوان داس! میں نے بہت کوشش کی کہ بدری نرائن خود بخود میرے پاس آ جائے مگر وہ نہ آیا۔ مجھے یہ قدم مجبوراً اٹھانا پڑا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ شاردا یا بدری نرائن۔ بیٹی یا وچن کا پالن، ان میں سے ایک چیز اپنے لیے چن لو۔ سمجھے"

"مہاراج! اسے معلوم ہے شاردا چلی گئی ہے۔ اگر وہ آنا چاہتا تو کب کا آ چکا ہوتا۔ میں نے اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر بتایا تھا مگر وہ اپنے جاپ میں لگا رہا۔ اس نے میری بات نہیں سنی۔ میں نے ہی اپنا جاپ توڑ دیا۔" بھگوان داس عاجزی سے بولا۔

"جب تم امر لال کو یہ سب بتاؤ گے تو وہ تمہیں کوئی کشٹ نہیں دے گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرو۔ میں شاردا کو لیے جا رہا ہوں۔ جب تمہارے گرو دیو وندھیا چل سے ادھر پدھاریں گے تو ان سے معاملہ نمٹ لیا جائے گا۔"

شاردا چپ چاپ میرے اور بھگوان داس کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ بھگوان داس عاجزی کے ساتھ مجھ سے فریادیں کرتا رہا لیکن میں نے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ بھگوان داس کی فریاد حد سے تجاوز کر گئی اور اسے سننا میری برداشت سے باہر ہو گیا تو میں نے عمارت کی جانب منہ کر کے چیخ چیخ کر بدری نرائن کو مخاطب کیا۔ عمارت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے غصے سے شاردا کو اپنی طرف کھینچا اور اندھیرے میں ایک سمت چل پڑا۔ بھگوان داس لجاجت سے درخواست کرتا رہا۔ اس نے میرے پیر پکڑ لیے۔ میں نے اسے حقارت سے ٹھوکر مار دی۔ اچانک بھگوان داس کی عاجزی، درشتی میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے سخت لہجے میں مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں شاردا کو چھوڑ دوں پھر وہ مجھے امر لال کا خوف دلانے لگا۔ میں نے اس کی بات پر کان نہیں دھرے، بس چلتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی پتھر کھینچ مارا ہو۔ غصے میں میری آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ بھگوان داس میرے پیر جکڑنے کے لئے منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ بدری نرائن کے نہ ملنے سے میرے رگ و پے میں زہر دوڑ گیا تھا۔ میں نے شاردا کا ہاتھ چھوڑا اور بھاگ کر بھگوان داس کے زمین بوس جثے پر ایک ٹھوکر ماردی۔ وہ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا اور کرب سے چیختا رہا۔ دفعتاً مجھے خیال آیا کہ بھگوان داس کو مارنے سے ممکن ہے، شیشے کی وہ دیوار ٹوٹ جائے جو میرے اور بدری نرائن کے درمیان حائل ہے۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی۔ بھگوان داس ایک معمولی درجے کا پنڈت تھا۔ وہ زمین پر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے چند لمحے توقف بھی کیا کہ شاید بدری نرائن اپنے دوست کو موت و زیست کی کشمکش میں محسوس کر کے باہر آ جائے مگر وہ نہ آیا۔ بھگوان داس زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا، ہولناک چیخوں کے ساتھ تڑپتا ہوا دنیا سے اپنے رشتے توڑ بیٹھا۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے جل گیا تھا، یوں بھی اگر میرا اس کا جسمانی مقابلہ ہوتا تو اسے زیر کرنے میں مجھے زیادہ زحمت نہ کرنی پڑتی۔ بہرحال بھگوان داس نے اپنے عہد کی اور میں نے اپنے فیصلے کی پاس داری کی۔ میں اپنے اس جارحانہ فعل پر قطعاً نادم نہیں تھا۔ بھگوان داس کو تو مجھ سے گفتگو کرنے کی مہلت بھی مل گئی۔ اس عمارت میں رینگنے والے حقیر کیڑوں تک سے مجھے نفرت ہو گئی تھی۔ شاردا نے اپنے باپ بھگوان داس کی عبرت ناک موت اپنی آنکھوں سے دیکھی مگر وہ کچھ بھی نہیں دکھ سکی۔ اس کے سر پر انکا تھی۔ انکا نے اس کے حواس اپنے قابو میں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کر لیے تھے۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے پر نصب تھی مگر اسے ان پر اختیار نہیں رہا تھا۔

میں شاردا کے ساتھ دوبارہ اپنے چبوترے کی طرف آگیا اور میں نے مکان کے گرد چکر لگا کے کئی عمل آزمالیے، دیوار جوں کی توں موجود تھی اور اس کے اندر بدری نرائن بہت معمولی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھگوان داس کو مارنے اور شاردا کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد بھی اسے باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ انکا نے مجھے صبح سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔ میں انتظار کرتا رہا مگر انتظار بے سود ثابت ہوا۔ اندھیرا چھٹنے کو تھا۔ عمارت کی طرف تھوک کر میں نے کہا۔ "بدری نرائن! تجھ پر لعنت......" آگے کے الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ میں انہیں تلخ گھونٹ کے مانند پی گیا۔

شاردا ہمارے ساتھ تھی۔ بھگوان داس کے مکان میں اب صرف بدری نرائن رہ گیا تھا۔ اس کے باہر نکلنے کی اب ہر امید ختم ہوگئی تھی۔ وہ اس وقت تک باہر نہیں آتا جب تک اسرلال واپس نہ آجاتا یا جب تک اس کے سر سے میرا خطرہ نہ نکل جاتا۔ میں نے بھگوان داس کو ختم کر کے اور شاردا پر قبضہ کر کے اسرلال سے ایک بڑی مڈھ بھیڑ کے لئے میدان ہموار کرلیا تھا۔ اسرلال اپنے اطاعت شعار چیلے بھگوان داس کی موت پر خاموش بیٹھنے والا شخص نہیں تھا۔ ہم اندھیرے اندھیرے میں بستی سے نکل گئے اور ایک بس میں بیٹھ کر شہر میں داخل ہوگئے۔

☆......☆......☆

ٹرین میں انکا شاردا کے سر سے اتر کے میرے پاس آگئی۔ شاردا اس کے ہٹتے ہی چونک کر کھڑی ہوگئی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے گردوپیش تک رہی تھی۔ جب دوسرے شانئے اس نے مجھے دیکھا تو اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ میں نے اسے سنبھالا ورنہ وہ بے ہوش ہو جاتی۔ "تم میرے پاس ہو شاردا۔" میں نے محبت سے کہا۔ "کیا تم میرے پاس آنا نہیں چاہتی تھیں؟"

"میں کہاں ہوں؟" وہ سہم کر بولی۔

"تم ریل گاڑی میں ہو اور میرے ساتھ جارہی ہو۔ تم نے کئی بار میرے قریب آنے کا ارادہ کیا مگر کوئی تمہارے پاؤں پکڑ لیتا تھا، آخر ایک رات میں نے بانسری بجائی اور تمہیں زنجیریں توڑنے پر مجبور کر دیا پھر تمہیں کچھ ہوش نہیں رہا۔ تمہارے باپ نے بدری نرائن کو اپنے ہاں پناہ دینے کے جرم میں سزا پائی اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ تمہارا کوئی نہیں رہ گیا تھا، اس لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا۔"

"میرے پتا جی کو کیا ہوا؟" وہ میری نرم، ٹھنڈی گفتگو سے متاثر نظر آتی تھی لیکن اپنے باپ کا ذکر سن کے بے چین ہوگئی۔

"مجھے افسوس ہے، وہ اسرار شکتیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بدری نرائن ان کی مدد کو نہیں آیا۔"

اس کے چہرے پر تذبذب اور کشمکش کے آثار نمودار ہوئے اور اس کی سسکیاں نکل پڑیں۔ میں نے

اسے مکمل کر رونے دیا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میں اسے تسلیاں دیتا رہا۔ اتنے بڑے حادثے اور اپنے گھر سے اچانک دور ہو جانے کا صدمہ معمولی نہیں تھا۔ میں تمام سفر میں اپنے حسنِ سلوک اور شفیق رویے سے اس کا سینہ ہلکا کرنے میں مصروف رہا۔ اس میں پہلے ہی از خود وابستگی پیدا ہوگئی تھی۔ جو کچھ جھجک تھی، وہ انکا نے ہموار کردی۔

☆......☆......☆

دلی تک کے سفر میں مجھے خاصا وقت مل گیا تھا۔ میں نے اسے دلی پہنچنے تک پوری طرح منقلب کرلیا تھا اور اب میں اطمینان سے اس کے رخ زیبا کا نظارہ کرسکتا تھا۔ میں نے اس کے حسن جہاں تاب کا خوب نظارہ کیا اور میں، جس کے جذبات کہیں سو گئے تھے، اس کے حسن کی گرمی سے پگھلنے لگا۔ اس کے سامنے عجیب وغریب شخص بیٹھا تھا، جس کا مشاہدہ کرنے اور جس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرنے کے لئے اسے کافی وقت مل گیا تھا۔ میری شخصیت کی گوناگوں خوبیوں، میرے اسرار اور بات چیت سے وہ بہت متاثر تھی۔ اب اس کے لبوں پر ایک سپردگی تھی کیونکہ وہ پھڑکتے تھے جیسے میں ہی اس کا سب کچھ ہوں۔ اس کی جانب میری توجہ دیکھ کے انکا کو شرارتیں سوجھیں۔ وہ مجھے چھیڑنے لگی اور ایک عرصے بعد اپنی روایتی شوخیوں پر اتر آئی ہے۔ کہنے لگی۔ "اے جمیل! اس کے لبوں میں کس بلا کا رس ہے؟"

میں نے کہا "ہاں ہے تو۔"

"تو پھر اس تنہائی میں اپنی تھکن دور کیوں نہیں کرلیتے؟ تمہیں یہ خشک زندگی بسر کرتے ہوئے کتنے دن ہوگئے؟"

"اسے صرف دیکھتے رہنا بھی کسی لذت سے کم نہیں ہے۔"

"مگر اس کے اصل جوہر تو اس وقت کھلیں گے جب اسے برتو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، میں اسے کس طرح برتوں؟"

"ایک بہترین لڑکی کی طرح ...... یہ تو مال غنیمت ہے۔ اس پر تمہیں پورا اختیار ہے بلکہ تمہارا حق ہے۔"

"اب مجھے کچھ بھی نہیں کرنا، اس کی مظلومیت پر ترس آرہا ہے۔"

"واقعی، تم سے بڑا مظلوم کون ہوگا؟"

"ہاں ...... خاصا وقت گزر گیا۔ اب میں شاید بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"تم بے وقوف ہوگئے ہو۔ سنو! اسرلال شاردا کا اغوا اور بھگوان داس کی موت آسانی سے درگزر نہیں کرے گا۔ شاردا آئی ہے تو جا بھی سکتی ہے۔ پہلی فرصت میں اس پر محبت کی مہر ثبت کردو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"ابھی نہیں۔ اور کل کا ذکر مت کرو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

میں انکا کی باقی باتیں نہیں سن سکا۔ شاردا کے چہرے میں مجھے کئی چہرے نظر آنے لگے تھے۔ نرگس، مالا کلد یپ، سارا، جبین، درخشاں، زرافشاں کے چہرے۔ انکا نہ جانے کیا کیا کہتی رہی اور میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچتا رہا۔ کاش اور بہت سی طاقتوں کی طرح مجھ میں آنے والے وقت کو گرفت میں لینے کی طاقت بھی ہوتی۔

میری سوچوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دلی اسٹیشن آ گیا تھا۔ شاردا کا دلکش سراپا سنبھالتے ہوئے میں نے دلی کی سرزمین پر قدم رکھے۔ زرافشاں، درخشاں کو کسی محفوظ جگہ رکھنے کے لئے پہلے تو شبن خان کا قمار خانہ مل گیا تھا۔ اب شبن خان جیل میں تھا اور اس کا قمار خانہ اس کے بدقماش ساتھی چلا رہے تھے۔ شبن خان کی رہائی کے لئے مجھے انکا کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس طرح شاردا تنہا رہ جاتی۔ اسے ساتھ لے کر جیل جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دلی میں اور کوئی جان، پہچان بھی نہیں تھی۔ ہوٹل میں بھی قیام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں مخمصے میں پڑ گیا۔ شبن خان کی قیام گاہ میں پھر کسی سے ربط ضبط قائم کرنا اور وہاں شاردا کو محفوظ کرنے کا مرحلہ طوالت طلب تھا۔ شاردا کو ہوٹل کے لاک اپ یا سرد خانے میں بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ میری سمجھ میں ایک ہی بات آئی۔

اسٹیشن سے ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور جیل خانے کے نزدیک اتر گئے۔ ہم جیل کے گردونواح میں چل رہے تھے کہ دفعتاً شاردا ایک چیخ مار کے زمین پر گر گئی۔ میری مدد کو کئی راہ گیر آ گئے۔ شاردا بے ہوش ہو گئی تھی، راہ گیروں نے جلدی سے ایک ٹیکسی فراہم کی اور مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے اسپیشل کلینک کا پتا دیا۔ میں نے لشتم پشتم شاردا کو ٹیکسی میں دھکیلا اور ہسپتال پہنچ گیا۔ تفصیل فضول ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کو معقول معاوضہ دے کر میں نے ایک خاص کمرا شاردا کے لئے محفوظ کرا لیا اور دو نرسیں اس کی خدمت پر مامور کرا دیں۔ کمرا محصور کر کے اپنے گھر والوں کو اطلاع دینے اور مزید روپے فراہم کرنے کے بہانے میں وہاں سے چلا آیا۔ ڈاکٹر نے اسے میرے سامنے ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شاردا کو کوئی مرض ہوتا تو وہ ڈاکٹر کے علاج سے ہوش میں آ جاتی۔ یہ مرض ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ پیسہ سب کچھ کرا دیتا ہے۔ اس میں ماورائی طاقتوں سے کہیں زیادہ طاقت ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا اور اس وقت تک ڈاکٹر بھٹناگر اور اس کی نرسیں شاردا کو ہوش میں لانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔ شاردا کی طرف سے مطمئن ہو کے میں ہسپتال سے باہر آیا اور پیدل ہی جیل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیل میں قیدیوں سے ملاقات کا ایک وقت مقرر ہے۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ اس بار شبن خان کو پولیس نے بری طرح پھانس لیا ہے اور شبن خان کے ساتھی ایک دوسرے بدمعاش راحت گینڈا سے مل گئے ہیں اور انہوں نے شبن خان کی سزا بڑھوانے اور اس کے اڈے پر قبضہ جمانے کے لئے پولیس کا منہ بھر دیا

Downloaded from Paksociety.com

ہے۔ بہر حال اب شبن خان کا دوست جمیل احمد خان جیل کے دروازے پر موجود تھا۔ میں نے وہاں جاتے ہی غیر معمولی حرکتیں شروع کر دی تھیں جس سے تمام پہرے داروں کی توجہ میری جانب مبذول ہو گئی تھی۔ میں نے دھمکی کے انداز میں جیلر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جسے حسب توقع مسترد کر دیا گیا مگر پھر انکار کرنے والا پہرے دار اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکا بلکہ دھم سے زمین پر گر گیا اور میں نے حلق سے ایک نعرہ لگایا۔ میرے حلیئے اور ناقابل فہم رویے سے دوسرے پہرے دار سراسیمہ ہو گئے۔ میں جیل میں لمبے جھگڑے اور خون خرابے کے ارادے سے نہیں آیا تھا جب میں نے باقی پہرے داروں کی ذات کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کیے تو وہ تمام کام چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئے۔ یہ ایک آزمودہ اور تیر بہدف نسخہ تھا۔ نتیجتاً وہ تمام لوگ ریشہ خطمی ہو گئے جنہوں نے پہلے مجھے کرختگی سے مخاطب کیا تھا۔ مجھے مزید کسی تاویل اور حجت کے بغیر جیلر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ انکا میرے سر پر پوری طرح مستعدی سے کھڑی تھی۔ جیلر نے خوش دلی سے میرا استقبال نہیں کیا لیکن میں نے جیلر کی ویران اور خشک آنکھوں میں اپنی آنکھیں جما دیں۔ اس سے میرا تعارف ایک پہنچے ہوئے بزرگ کی حیثیت سے کرایا گیا۔ وہ سٹپٹا سا گیا اور گھبراہٹ میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

"میں تیرے کان پکڑنے آیا ہوں۔ تو نے میرا ایک آدمی روک رکھا ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"کون ہے وہ؟" اس بار اس نے سنبھل کر تلخی سے کہا۔

"شبن خان۔ میرا آدمی۔" میں نے خشونت سے کہا۔

"اوہ!" وہ زہریلی مسکراہٹ سے بولا۔ "شبن خان، بدمعاش؟ تم اس نکھے سے ملنے آئے ہو؟"

"ہاں۔ تو صحیح سمجھا ہے۔" میں نے کہا۔

اس نے جواب دینے کے بجائے پہرے داروں کو ڈانٹا کہ وہ ایک پاگل آدمی کو کیوں اس کے کمرے میں لے آئے ہیں۔ پہرے داروں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کی جگہ میں بول پڑا۔ "ان سے کیا پوچھتا ہے؟ میں خود آیا ہوں۔ چل، بلا شبن خان کو۔ مجھے اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"جانتے ہو اس طرح جیل میں گھسنے کی سزا کیا ہے؟ میں تمہیں بھی اس کے ساتھ بند کر دوں گا۔" جیلر نے غصے میں کہا۔

"چڑی مار۔" میں نے ڈانٹ کر کہا۔ "تو مجھے بند کرے گا؟"

"لے جاؤ اسے۔" جیلر نے پہرے داروں کو حکم دیا۔

پہرے دار میری طرف بڑھے۔ میں نے تساہل سے کام لیا۔ جیلر نے گرج کے انہیں دوبارہ حکم دینا چاہا لیکن میرے ایک اشارے پر جیلر کی تلخ و تند آواز حلق میں اٹک گئی۔ وہ اپنا گلا پکڑ کے رہ گیا۔ ایک لمحے میں اس کا عجیب حال ہو گیا۔ وہ میری سمت خوف سے بڑھا اور کرب سے اپنے گلے پر ہاتھ رکھ کے اچھلنے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کودنے لگا۔

"تیری آواز کہاں گئی؟ بولتا کیوں نہیں؟" میں نے چیختے ہوئے پوچھا اور اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ جیلر کی سہمی سہمی آواز نکلی۔ اس نے فوراً مجھے کرسی پیش کی اور پہرے داروں کو باہر جانے کا حکم دیا۔

"میں آپ کو غلط سمجھا بڑے صاحب، مجھے معاف کر دیجیے، مجھ سے پہچاننے میں کوتاہی ہو گئی۔" وہ فدویانہ انداز میں بولا۔

"چل اب زیادہ باتیں نہ بنا۔ شبن خان کو بلا۔"

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔ اس کا مقدمہ عدالت میں چل رہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یاد رکھو وہ میرا آدمی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں۔" اس نے فوراً شبن خان کو کمرے میں لانے کا حکم دیا اور مجھ سے معذرت چاہنے لگا۔ شبن خان کے آنے تک میں نے جیلر کے بارے میں چند حقائق بیان کیے تو وہ اور فدوی بن گیا۔ اس نے میرے لیے ناشتا اور چائے منگوائی۔ تھوڑی دیر میں شبن خان اندر آ گیا اور مجھے دیکھتے ہی مچل گیا۔ واہ استاد، تم یہاں؟ میں تو سمجھا تھا بھول گئے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا شبن خان! سناؤ کیس کہاں تک پہنچا؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

شبن خان نے جیلر کی طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جیلر کی موجودگی سے گھٹ رہا ہے۔ "اس کا خیال کر رہے ہو۔" میں نے جیلر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی طرف سے بے فکر رہو، یہ ہماری باتیں نہیں سن رہا ہے۔"

"کیسے نہیں سن رہا ہے؟ وہ ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔"

"یہ مت پوچھو کہ وہ کیسے نہیں سن رہا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے شبن خان! کام کی بات کرو۔"

"وہ بالکل ٹھیک تو بیٹھا ہے۔" شبن خان ڈرتے ہوئے بولا۔

"وہ بہرا ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے میں نے اسے بہرا کر دیا ہے، وہ ہماری باتیں نہیں سن سکتا۔" میں اسے تفصیل کیا بتاتا کہ انکا اس کے سر پر پہنچ چکی ہے۔

شبن خان نے تصدیق کے لئے جیل کے انتظام پر ایک غلیظ گالی دی، جیلر خاموش رہا۔ اس پر شبن خان کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی اور وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "تم کیا آدمی ہو خان صاحب! تم کوئی جادوگر ہو۔"

"میں تمہارا دوست ہوں شبن خان! اس وقت بس یہی بات ذہن نشین رکھو۔ میں تمہیں یہاں سے لے جا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ ابھی اس وقت جیلر تمہاری رہائی کے احکام صادر کر سکتا ہے مگر میں چاہتا ہوں، تم عدالت سے باعزت بری ہو جاؤ اور نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔"

"مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ شبن خان جیل کا پرانا آدمی ہے۔ یہاں اپنے بڑے ٹھاٹ ہیں۔ میں تو کسی دن چھوٹ ہی جاؤں گا، تم بتاؤ استاد! نگینے ملے یا نہیں؟"

شبن خان کا اشارہ زرافشاں اور درخشاں کی طرف تھا۔ میں نے اسے مختصراً بتایا کہ دونوں لڑکیاں نہ صرف مجھے مل گئی ہیں بلکہ خیریت سے محفوظ جگہ پہنچ گئی ہیں۔ میں خاموش ہوا تو شبن خان نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ "کہاں سے اڑا لائے تھے انہیں؟"

"فضول باتیں مت کرو۔ سنو، راحت گینڈا تمہارا دشمن ہے، وہ کھل کر تمہاری مخالفت کر رہا ہے۔ تمہارے چند ساتھی بھی اس سے مل گئے ہیں، کہو تو میں ان سب کو ٹھکانے لگا دوں؟"

"وہ ولدالحرام؟" شبن خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "استاد، میں جیل کے اندر ہوں لیکن باہر کی ایک ایک خبر مجھے اپنے مخبروں کے ذریعے ملتی رہتی ہے۔ مجھے یہاں سے باہر نکلنے دو پھر راحت گینڈے کی لاش کے ٹکڑے پولیس چوکیوں کے آگے بکھرے نظر آئیں گے۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی شبن خان!" میں بڑے وثوق سے بولا۔ "تم جب چاہو، باہر جا سکتے ہو۔"

"سچ بتاؤ استاد! تم ہو کیا بلا؟" وہ بائیں آنکھ جھپکا کے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "تم کوئی عجیب شے ہو۔"

"تمہاری اگلی پیشی کب ہے؟"

"یہ بھی پولیس والے جانیں، کون تاریخیں یاد رکھے۔"

"ٹھیک ہے، میں پہلے تم سے ملنا چاہتا تھا۔ اب تم بے فکر رہو، میں دلی آ گیا ہوں۔ ممکن ہے کل یا پرسوں تمہاری پیشی ہو جائے۔ ایک دو پیشیوں میں تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"تم جانو۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے شبن خان! اب ذرا توجہ سے ایک بات سنو، عدالت میں اگر تمہیں کوئی دقت پیش آئے تو انکا کا نام لینا۔ ویسے وہ وہیں موجود ہو گی اور تمہارے سامنے حیرت انگیز باتیں پیش آئیں گی، تم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہنا۔ زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"یہ انکا کون ہے؟"

"تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ میں اب جا رہا ہوں۔"

"ارے، یہ جیلر کیسا خاموش بیٹھا ہے خان صاحب! خدا کی قسم کمال کر دیا۔"

"یہ ابھی ہوش میں آتا ہے۔" میں نے انکا کو اشارہ کیا۔

اچانک جیلر ششدر نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

شمبن خان نے اسے سلام کیا اور کمرے سے چلا گیا۔ میں نے جیلر کے ساتھ چائے پی اور اسے چند نصیحتیں کر کے چلا آیا۔

شاردا ہسپتال کے کمرے میں ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ میرے جاتے ہی ہوش میں آ گئی اور میں اسے وہاں سے لے آیا، اب میں کسی بھی ہوٹل میں ٹھہر سکتا تھا اور شاردا کے ساتھ اطمینان سے چند روز گزار سکتا تھا کیونکہ اب باقی کام انکا کا رہ گیا تھا۔ ہم جب ہوٹل کے ایک شان دار کمرے میں داخل ہوئے تو ماحول بدلنے کی وجہ سے شاردا کی طبیعت کسی قدر بہتر لگنے لگی۔

پولیس کی فائل شمبن خان کے خلاف ثبوتوں سے بھری ہوئی تھی۔ انکا اس دن بہت مصروف رہی۔

تیسرے دن شمبن خان کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس پر بہت معمولی جرح ہوئی اور اسے باعزت بری کر دیا گیا۔ نہ عدالت میں فائل پیش کی جا سکی نہ سرکاری وکیل کے منہ سے شمبن خان کے خلاف کوئی لفظ نکل سکا، نہ جج نے فیصلہ لکھنے میں کوئی تامل کیا۔ انکا مختلف سروں پر کودتی اور شرانگیزیاں کرتی رہی۔ میں اسی طرح شمبن خان کو رہا کرانا چاہتا تھا ورنہ انکا کو جیلر سے رہائی کا حکم صادر کرانے میں دیر نہیں لگتی اور ان کاموں میں ذہن اتنا مشاق ہو گیا تھا کہ شمبن خان کا معاملہ تو بہت آسان نظر آتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ شمبن خان کب رہا ہو گا۔ چنانچہ میں ہوٹل کا کرایہ ادا کر کے اور شاردا کو ایک نفیس ساڑی میں ملبوس کرا کے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ میں فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ شمبن خان آ موجود ہوا۔ انکا اسے وہیں لے آئی تھی۔ راحت گینڈے کے اڈے پر چھاپا پڑ چکا تھا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ شمبن خان نے انتظار گاہ میں قدم رکھا تو انکا اس کے سر سے اتر گئی اور شمبن خان ہوش و حواس میں آ گیا۔ وہ اپنے چاروں طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔ میں اس کے سامنے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ وہ دوڑ کر میرے گلے لگ گیا۔ ''خان صاحب! یہ سب کیا ہو گیا؟'' وہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

''میں نے جو وعدہ کیا تھا شمبن خان، وہ پورا ہو گیا۔''

''تم وہ نہیں ہو جو مجھے نظر آتے ہو۔'' وہ آب دیدہ ہو کر بولا۔ ''مجھے بتاؤ تم کون ہو؟''

''شمبن خان!'' میں نے ایک سرد آہ بھر کے کہا۔ ''ہاں، میں وہ نہیں ہوں۔''

''پھر تم کیا ہو؟''

''چھوڑو بھئی، یہ بتاؤ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں اب تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ تم نے ساتھ نبھایا ہے تو اب مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔''

''سوچ لو۔ تمہارا اڈا، وہ قمار خانہ؟''

''میں اسے جلا دوں گا تم نے مجھ میں سویا ہوا آدمی بیدار کر دیا ہے۔ مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دو خان صاحب!'' شمبن خان رقت انگیز حالت میں گویا ہوا۔

Downloaded from Paksociety.com

میں نے اس کے لئے نیا نام تجویز کیا۔ ''آج سے تمہارا نام شہر علی خان ہے لیکن میں تمہیں شمبن میاں ہی کہوں گا۔''

''آپ جو چاہیں کہیں۔'' شمبن خان مارے احترام کے تم سے آپ پر آ گیا تھا۔ ''آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔''

''تمہیں نئی زندگی مبارک ہو شمبن خان، کامیابیاں تمہارے قدم چومیں۔ میں نے بھی تمہیں اپنا بھائی کہا ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر کے لوگوں میں شامل سمجھتا ہوں اور وہیں تمہیں لے جا رہا ہوں۔'' میں نے حسرت سے کہا۔

''آپ جہاں چاہیں لے جائیں، اب میری ڈوری آپ سے بندھی ہوئی ہے۔'' شمبن خان نے سر جھکا کر کہا۔

''آؤ چلیں۔'' میں نے شاردا کو اشارہ کیا۔

☆......☆......☆

میں پہلے شاردا کو گلبرگے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ایک وہی دارالامان ان بدنصیب لڑکیوں کے لئے رہ گیا تھا۔ رکن الدین کے ہاں جاتے ہوئے مجھے جھینپ سی ہو رہی تھی لیکن اس کے گھر کے سوا اور کون سا گھر تھا؟ شمبن خان اور شاردا کی تطہیر قلب کے لئے رکن الدین کے گھر سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ میں نے پورا ڈبا اپنے لیے محفوظ کرا لیا تھا۔ ڈبے کے باہر ''ریزرو'' کا کارڈ لگا ہوا تھا۔

میں شمبن خان اور شاردا کو اپنی زندگی کے بعض واقعات سنا کر ان کے دلوں سے اپنا خوف دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سفر بہت پُرلطف طریقے سے کٹ رہا تھا۔ انکا بھی مزے سے سو رہی تھی۔ میں نے شاردا کی حفاظت کے خیال سے ڈبا اپنے ایک عمل سے جکڑ دیا تھا۔ ناگپور کے اسٹیشن پر شمبن خان نے دروازہ کھول دیا اور نیچے اتر کے کچھ خریدنے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کئی پتے تھے۔ اس کے پیچھے ہی ایک دراز ریش سادھو اندر داخل ہو گیا۔ میں اپنی برتھ سے چیخا۔ ''چلے جاؤ...... یہاں کیوں آئے ہو؟''

سادھو مسکرانے لگا اور اس کی ہیبت ناک آنکھوں میں نفرت سمٹ آئی۔ شمبن خان اور شاردا دونوں سہم گئے تھے۔ میں نے شمبن خان کے ہاتھ سے تمام پتے لے کر کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ سادھو نے شمبن خان کی نظروں کے سامنے پتوں پر ایک جلتا ہوا کوئلہ رکھ دیا تھا۔ شمبن خان کو پتا نہیں چلا اور وہ ڈبے میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت ڈبے سے میری جکڑ بندیاں ختم ہو گئیں اور سادھو کو اندر آنے کا موقع مل گیا۔

''جمیل احمد خان! لڑکی مجھے دے دو۔'' سادھو نے گرج دار آواز میں مجھے حکم دیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مجھے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا۔ وہ ایک بڑا سادھو تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''یہ لڑکی مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔''

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"میں کہتا ہوں، اسے واپس کر دو۔" سادھو نے برہمی سے کہا۔

"تم بدری نرائن کو میرے حوالے کر دو۔"

"میں یہ لڑکی ابھی لے جا سکتا ہوں۔"

"تم یقیناً لے جا سکتے ہو مگر اس سے پہلے تمہیں جمیل احمد خان کی لاش پر سے گزرنا ہوگا اور جمیل احمد خان کو ختم کرنے کے لئے ابھی تمہیں پچاس سال نالکھا آشرم میں گزارنے پڑیں گے۔"

"میں تمہاری لاش سے گزر سکتا ہوں مگر تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔" سادھو نے بے نیازی سے کہا۔

"پھر تم اس لڑکی کو نہیں لے جا سکتے۔"

"مجھے مجبور نہ کر، مورکھ!"

"یہ لڑکی میری ہے۔ تم اپنی شکتیاں آزمالو، میں اسے نہیں جانے دوں گا۔"

"یہ ایک ہندو پنڈت کی لڑکی ہے۔ اس پر تمہارا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔" سادھو نے بپھر کر کہا۔

"بدری نرائن کمینہ بھی تو ہندو ہے؟ تم ایک طرف جرم اور ظلم کی پشت پناہی کرتے ہو اور دوسری طرف ادھیکار کی بات کرتے ہو؟ تم ایک بڑے سادھو ہو۔ یہ لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

"مورکھ! یہ لڑکی تمہارے ساتھ خوش نہیں ہے۔ تم اسے اس کی مرضی کے بغیر اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔"

"اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ یہ کس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہے تو میں اس سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں۔ سوچ لو تمہیں یہ شرط منظور ہے۔"

سادھو چند لمحے سوچتا رہا، پھر شاردا سے بولا۔ "لڑکی! تو ایک ہندو پنڈت کی لڑکی ہے۔ کیا تو نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے کہ تو اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے یا میرے ساتھ؟ خوب وچار کر لے۔ یہ مسلمان ہے اور اس نے کئی ہندو پنڈتوں، پجاریوں کو مار ڈالا ہے۔ میرے ساتھ پُن اور شانتی کے راستے پر چلنا چاہتی ہے یا اس کی طرف؟ بتا، اگر تو اس سے خوف زدہ ہے تو یقین رکھ۔ میں تجھے لے جانے کی شکتی رکھتا ہوں۔"

"ہاں شاردا! بتا دو...... تم فیصلہ کر دو۔" میں نے شاردا سے کہا۔

میں اس سادھو سے کوئی لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ الکا نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا۔

شاردا دیر تک مذبذب میں مبتلا رہی۔ سادھو اور میں اس سے بار بار پوچھتے رہے۔ شبن خان اس کی طرف حسرت ناک نظروں سے دیکھتا رہا۔ آخر بڑی مشکل سے شاردا کے لب کھلے، سادھو نے الکا کو بھی اس کے سر پر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ الکا پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ آخر شاردا نے ہمت کی۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ "میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔" یہ کہہ کر اس نے گردن جھکا لی۔

"تو نے...... تو نے فیصلہ دے دیا ہے۔" سادھو چونک کر بولا پھر آہستگی سے کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے،

تیری مرضی۔ بھگوان تجھے خوش رکھے۔" وہ بڑبڑانے لگا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ "جمیل احمد خان! تو جیت گیا، میں جا رہا ہوں۔"

میں نے اسے بٹھانا چاہا مگر وہ فوراً پلیٹ فارم پر اتر گیا اور بھیڑ میں گم ہو گیا۔ میں نے شاردا کے سر پر ہاتھ رکھ کے عہد کیا۔ "شاردا، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

ناگپور سے گاڑی چلی تو میں نے ڈبا دوبارہ محصور کر لیا۔ گلبرگے تک ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے چل رہی تھی کہ اچانک ایک گم نام اسٹیشن پر ٹھہر گئی اور کسی نے زور سے میرے دروازے پر ضرب لگائی۔ چٹخنی ٹوٹ کر گر گئی اور دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھل گیا۔ میں چوکنا ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ سید مجذوب لاٹھی پٹکتا اوپر کی سمت آ رہا تھا۔ میں دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ پھر میں نے اسے سہارا دے کر اندر لے جانا چاہا تو اس نے مجھے دھکا دے دیا۔

"پیرومرشد! تم؟" میں نے اس کے جلال سے مبہوت ہو کے کہا۔ "تمہی یہاں آ سکتے تھے۔"

سید پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔ شاردا نے اس کی خدمت میں پانی پیش کیا۔ سید نے اس کے سر پر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ رکھا اور آدھا پانی پیتے ہوئے اور آدھا گراتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ میری ہے، اسے مجھے دے دے اور اس کے بدلے یہ لاٹھی لے لے۔"

میں سید مجذوب کی اچانک آمد اور اس کے خلاف توقع مطالبے پر ششدر رہ گیا۔ وہ پھر عجیب و غریب حالات میں میرے سامنے آ گیا تھا۔ ایک ثانیے کے لئے میں نے اس مرد قلندر کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن اپنے تمام طنطنے کے باوجود اس سے نظریں نہیں ملا سکا۔ وہ سید ہی تھا۔ کوئی سادھو بہروپ بھر کر ڈبے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ سید کی آمد اور روانگی کے بعد میں نے ڈبا پوری طرح محصور کر لیا۔ سید پیر کامل اور صاحب کرامت تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اتنی آسانی اور بے باکی سے ڈبے میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرتا۔ ممکن تھا کہ جل کر خاک ہو جاتا۔

الکا میرے بالوں میں چھپ گئی تھی اور شبن خان برتھ پر بیٹھا سہمی سہمی نظروں سے سید کو گھور رہا تھا۔ ڈبے میں جیسے کوئی زلزلہ سا آ گیا تھا۔ سیّد کے ہاتھ میں شاردا کا ہاتھ تھا۔ وہ اس سے خائف نظر نہیں آتی تھی۔ گاڑی نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا۔ اس نامعلوم اسٹیشن پر وہ سید کے لئے ٹھہری ہو گی۔ میں گم صم کھڑا کبھی سید کے چہرے کا جلال دیکھتا، کبھی اس کا نحیف و نزار ہڈیوں پر لٹکتے ہوئے گوشت کا جثہ دیکھتا۔ میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

"بیٹھ جا، میرے سر پر کیوں کھڑا ہے؟" سید نے گرج کر کہا۔ "کانوں میں سیسہ بھر لیا ہے۔ سنتا ہے، میں نے کیا کہا ہے؟ تاجر! میں کاروبار کرنے آیا ہوں، لے یہ لاٹھی لے لے اور لڑکی دے دے۔"

"پیرومرشد!" میں نے تڑپ کے کہا۔ "پیرومرشد! مجھے بھی خرید لو یا کہیں میرا سودا کرا دو۔"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"سودائی! بولی لگنے والی ہے۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"کب؟" میں نے اضطراب سے پوچھا۔

"ابھی پیڑوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا رہ اور اپنی کھال خشک کرتا رہ۔"

"عجب نا قابل بیان حالت ہے پیرو مرشد۔"

"عشق کرنے سے پہلے شاعری کرتا ہے۔"

"میرے قدم زمین پر ٹھہر گئے ہیں۔ میں نے اپنے دل سے ہر چیز کھرچ کے پھینک دینے کی کوشش کی ہے۔"

"دل پر برما چلا خانماں برباد۔"

"سید، اے مرد حق!" میں نے عاجزی سے کہا۔ "مجھے اپنے نزدیک بٹھا لو۔ کیا اب بھی میں تمہارے قریب بیٹھنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا؟ کیا ابھی تک میرے جسم سے بدبو آ رہی ہے؟"

سید نے ناک سکیڑ لی اور نفرت سے منہ بنا کے کہا۔ "کھڑکیاں کھول دے، کھڑکیاں کھول دے۔"

میرے بجائے شبن خان نے جھٹ پٹ کھڑکیاں کھول دیں۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور سید کے بال اس کے چہرے پر اڑنے لگے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بے نیازی سے کہنے لگا۔ "بتا یہ کوہ نور مجھے دیتا ہے یا اپنے گلے میں ڈالے رہے گا۔ اسے میری جھول میں ڈال دے۔"

"پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔" میں نے مچل کے کہا۔ "انکار نہ کرو، تم بہت عرصے بعد ملے ہو، میں بار بار بہک جاتا ہوں۔"

"لڑکی!" اچانک سید نے شاردا کا ہاتھ چھوڑ کے اپنی لاٹھی کا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "تو فیصلہ کر دے، میں تجھے لینے آیا ہوں۔ بول کس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی؟"

شاردا اس کی آواز سے لرزنے لگی اور اس نے میری طرف بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ شبن خان میرے قریب کھڑا تھا۔ میری نظریں شاردا پر مرکوز تھیں۔ میں ایک لمحے کے لئے بھول گیا کہ شاردا سے یہ سوال سید نے کیا ہے، اس سادھو نے نہیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا تھا اور شاردا نے جس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"بابا! میں اپنا جیون تمہارے چرنوں میں بتانا پسند کروں گی۔"

شاردا کی آواز میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ وہ اپنا فیصلہ سنا چکی تھی۔ سید فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ پھر لاٹھی میری جانب اچھالتے ہوئے بولا۔ "سودا منظور ہے، اسے سنبھال کے رکھ لڑکی میری ہو گئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بے اختیار سید کی لاٹھی اٹھا کر عقیدت سے چومنے لگا۔ یہ دیکھتے ہی شبن خان نے تیزی سے لپک کے سید کے پیر تھام لیے اور گلوگیر آواز میں بولا۔ "بابا! مجھے بھی اپنے ساتھ

لے چلو بابا مان جاؤ۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلتے ہیں، ہم سب کو تمہاری ہدایت کی ضرورت ہے۔"

"چل پرے ہٹ۔" سید نے شبن خان کو دھتکار دیا۔

"پیر مت چھوڑنا شبن خان، سید کے پیر مت چھوڑنا۔" میں نے شبن خان سے کہا۔

شبن خان نے اور مضبوطی سے سید کے پیر پکڑ لیے۔ سید نے انہیں چھڑانا چاہا مگر شبن خان اڑا رہا۔

"اسے بہکاتا ہے، اسے بھی اپنے ساتھ لیتا جا، خوب گزرے گی، دونوں کتے جب ایک ساتھ بھونکیں گے۔"

"میں اب تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا۔" شبن خان نے گستاخی کی حد تک سید سے اصرار کیا۔

میں سمجھا سید غضب میں آ جائے گا لیکن سید کے چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت چھا گئی اور وہ شبن خان کے بال پکڑ کے بولا۔ "استاد کو تنہا چھوڑ رہا ہے پگلے!"

"پیرو مرشد۔ بس کرو، میں پہلے ہی بہت ٹوٹا ہوا ہوں۔" میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"سیڑھی کے بغیر آسمان پر چلا جا، چلا جا۔ ٹوٹے ہوئے آدمی!" سید نے ہاتھ نچاتے ہوئے حقارت سے کہا۔

"خدا کے لئے سید!" میں نے کرب سے کہا۔ "خدا کے لئے بس کرو۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"نا......نا......نا!" سید نے ہاتھ ہوا میں لہرائے۔ "پیشانی زمین پر رکھی تو گرد آلود ہو جائے گی، زخم پڑ جائے گا۔ سلامت جان، نزاکت جان سے آشنائی نہ رہے گی۔"

"ٹھیک ہے پیرو مرشد۔ ان سب کو لے جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہاں میرے فشار میں کوئی کمی ہے یا درون خانہ کوئی آلودگی ہے؟ میں اپنے ہونٹوں کو تالا لگا لیتا ہوں۔" میں نے گریہ کیا۔

"لاٹھی سنبھال کے رکھنا ٹھوکر لگ جائے گی۔"

"آپ دعا کریں سید۔" میں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

"پیشانی، مٹی پر رگڑ۔"

"کتے بھونکنے لگتے ہیں۔"

"لاٹھی سے انہیں بھگا دینا۔ لاٹھی چلانا سیکھ لے۔" سید نے مسکرا کے کہا۔ انکا میرے بالوں میں دبکی ہوئی تھی۔ شبن خان نے ابھی تک سید کے پیر پکڑے ہوئے تھے۔ شاردا نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ سیّد نے کھلے دروازے سے باہر کی جانب دیکھا۔ گاڑی کی رفتار مدھم پڑ رہی تھی۔ میں سیّد کے چہرے پر نرمی تلاش کر رہا تھا۔ سید نے بال پکڑ کے شبن خان کو اٹھایا اور اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "چل اٹھ!" اس نے شفقت سے کہا۔ گاڑی اسٹیشن کے بغیر ایک سنسان جگہ پر رک گئی تھی۔ سید نے ہُو حق کا ایک نعرہ لگایا۔ شاردا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اور شمن خان نے پُر امید اور یاس بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ تینوں خاموشی سے اتر گئے۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ گاڑی چند ثانیوں کے بعد حرکت میں آگئی۔ انکا نے بھی میرے بالوں کی پناہ گاہ سے سر ابھارا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ جب یہ سارا واقعہ گزر گیا تو مجھے ہوش آیا۔ میرے ہاتھوں میں سید کی لاٹھی تھی۔ میں کسی بیمار اور نادار کی طرح برتھ پر گر پڑا۔ انجن کی چنگھاڑتی ہوئی سیٹی کلیجے میں چبھ رہی تھی۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں اور میں نے سید کی لاٹھی اپنے سینے سے لگالی۔

☆......☆......☆

کچھ ہی دیر بعد آنکھ کھل گئی، ذہن پر بوجھ طاری تھا۔ انکا میرے سر پر کھڑی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ سید آیا اور چلا گیا۔ وہ اپنی جھلکی دکھا کے چلا گیا اور میرے سینے میں آگ پھونک گیا۔ سید اچانک کیوں آگیا اور اس نے شاردا کو لے جانے میں اتنی دلچسپی کیوں لی؟ یقیناً سید نے کوئی مصلحت سمجھی ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میرے حال واعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

میری سوچوں میں انکا نے خلل ڈالا اور اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی جو کسی آنے والے خطرے کی گھنٹی تھی۔

"جمیل! اگلا اسٹیشن آنے میں ابھی تھوڑی دیر باقی ہے۔ میں ڈرائیور کے سر پر جا کے گاڑی رکواتی ہوں۔ تم اسٹیشن آنے سے پہلے اپنا سفر ترک کر دو۔ یہیں آبادی سے دور اتر جاؤ۔"

"کیوں؟" میں نے چونک کے پوچھا۔ "تم کیا دیکھ رہی ہو؟"

"وقت کم ہے جمیل خان!" انکا تشویش ناک آواز میں بولی۔

"شاردا کی بازیابی کے لئے پولیس گارڈ اسٹیشن پر موجود ہے۔ تم ان کے لئے نئے آدمی نہیں ہو۔ بدری نرائن نے شاردا کے اغوا سے تمام پنڈتوں، پجاریوں کو مطلع کر دیا ہے۔ حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ کسی بڑے خطرے سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ تم یہیں اتر جاؤ۔"

"اوہ......" میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ بات ہے، ان سے بھی نمٹ لیا جائے گا تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟"

"میں تنہا کس کس کے سر پر اچھلتی رہوں گی۔ حالات سمجھنے کی کوشش کرو۔" انکا نے مضطرب آواز میں کہا۔

"یہ ہندوستان ہے انکا رانی! یہاں قدم قدم پر پنڈت اور پولیس والے موجود ہیں۔ تم ان سے کہاں کہاں بچوگی؟ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے، وہی پھر ہو جائے گا۔" میں نے پاؤں پسار کے کہا۔

"میں کہتی ہوں میری بات غور سے سنو۔ جس سادھو نے شاردا کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، اس

کے دو ساتھی اس وقت بھی دائیں بائیں ڈبوں میں موجود ہیں۔ ان دونوں کی گواہی پولیس کے لئے بڑی اہم ہوگی۔"

"کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ شاردا اور شمن خان سید کے ساتھ جا چکے ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے جمیل!" انکا تیزی سے بولی۔ "یہ بوڑھا شخص پُر اسرار قوتوں کا مالک ہے۔"

"ہاں، وہ ایک بہت بڑا بزرگ ہے۔" میں نے فخر سے کہا۔

"تم اس کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہو۔"

"میں اس کے بارے میں تمہاری رائے سے آگاہ ہوں انکا۔ بس آگے کچھ نہ کہنا۔ تم اپنی زبان کو لگام دیئے رکھو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"تم بعض اوقات ایسے لہجے میں بات کرتے ہو جیسے میرا تم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔" انکا ناراضی سے بولی۔

"تم مجھ سے التفات کا وعدہ کرنے کے باوجود پوری طرح میرے جذبات واحساسات میں شامل بھی تو نہیں ہو پائیں۔"

اسٹیشن قریب آرہا تھا۔ انکا روٹھے ہوئے انداز میں آلتی پالتی مار کے میرے سر پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں چمک رہی تھیں۔ انکا کے اندیشے غلط نہیں ہو سکتے تھے مگر شاردا اور شمن خان کی عدم موجودگی میں پولیس کا سامنا کرتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار بتدریج سست ہو رہی تھی۔ میں نے کھڑکی سے باہر سر نکال کے دیکھا۔ صرف ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر باوردی اور مسلح سپاہیوں کی بھاری تعداد موجود تھی۔ گاڑی جیسے ہی پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی پولیس نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ کسی مسافر کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انکا تشویش ناک انداز میں میرے چہرے پر بکھرے ہوئے اطمینان کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں کھڑکی سے ہٹ کے دوسری برتھ پر چلا گیا تھا۔

میری نگاہیں پلیٹ فارم پر تھیں کہ اچانک انکا نے کہا۔ "جمیل وہ سامنے جو آدمی نسواری دھوتیوں میں ملبوس ہیں، یہی اس سادھو کے چیلے ہیں جس نے شاردا کو تم سے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

میں نے ان دونوں پجاریوں کو غور سے دیکھا۔ وہ دونوں اوسط درجے کے تھے۔ پولیس افسران جلد ہی ان کے قریب پہنچ گئے۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان کھسر پھسر ہوتی رہی پھر افسران ان دونوں کے ہمراہ میرے ڈبے کی جانب گھوم گئے۔ آدھے درجن سپاہی رائفلیں لیے افسروں کے ساتھ تھے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ افسران دونوں مخبروں سمیت ڈبے میں گھس آئے۔ میں نے انہیں وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟" ایک افسر نے کرخت لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"خاکسار کو جمیل احمد خان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے شائستگی سے کہا۔ دونوں پجاری ڈبے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بیت الخلا بھی کھول کر دیکھ لیا۔

"تمہارے ساتھ شاردا نامی لڑکی سفر کر رہی تھی؟" پولیس افسر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اس لڑکی کی تلاش ہے۔"

"بڑی دلچسپ بات ہے، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں کہ میں تنہا سفر کر رہا ہوں۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"یہ جھوٹ بولتا ہے مہاشے!" ایک پجاری نے اپنی نسوانی آواز میں کہا۔ "پچھلے اسٹیشن تک ہم نے لڑکی کو اسی ڈبے میں دیکھا تھا۔"

"خوب، کیا اچھا مذاق ہے۔ ایک لڑکی چھو منتر ہو گئی۔ اسٹیشن سے اسٹیشن تک چلتی گاڑی میں سے ایک سموچی لڑکی غائب ہو گئی۔"

"بتاؤ لڑکی کہاں ہے؟" پولیس افسر نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم نے میری بات پر غور نہیں کیا؟"

"ہم دوسری طرح بھی اگلوانا جانتے ہیں۔"

"مجھے آپ حضرات کے کارناموں کا پورا علم ہے۔"

"شٹ اپ!" وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "سیدھی طرح لڑکی کا پتا بتا دو۔ میں ہاں کے سوا کوئی لفظ سننا پسند نہیں کرتا۔"

"تم نے مجھے چھیڑنے سے پہلے غور کر لیا تھا؟"

"گدھا!" وہ ایک دم دہاڑا۔ "میرا نام سنا ہے؟"

"ہاں نریش کمار جی! آپ کا نام کس نے نہیں سنا؟" میں نے طنزاً کہا اور کچھ توقف کے بعد آنکھیں کھول کر بولا۔ "تم حالات کے جس دوراہے پر کھڑے ہو وہاں ایک جانب ترقی ہے اور عزت بھی۔ اور دوسری جانب رسوائی۔ سمجھے؟ اب تم یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ، مجھے مت چھیڑو۔"

"کیا بکتا ہے؟" وہ حقارت سے بولا۔ "تجھے ہمارے ساتھ چوکی تک چلنا ہوگا، چل کھڑا ہو جا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔" میں معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھا۔ "میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں لیکن اتنا یاد رہے کہ مجھے ساتھ لے جا کے تم اپنی رسوائی کو دعوت دے رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو ورنہ چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" پولیس افسر جو مقامی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھا، انتہائی کرخت آواز میں بولا۔

"زبان کو لگام دو ڈپٹی صاحب!" میں نے بگڑے ہوئے تیوروں سے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ میں

پولیس چوکی جانے سے بیشتر اس بنگلے تک پہنچ جاؤں جس کی چوکیداری بلاوجہ نہیں کی جا رہی ہے۔"

"تم......" ڈپٹی ہکلا کے رہ گیا۔ میرے ایک ہی جملے نے اس کے کس بل ڈھیلے کر دیئے تھے۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ ڈپٹی ان دنوں ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہے اور اس نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کے اسے اغوا کرا لیا ہے۔ لڑکی ایک بنگلے میں چھپائی گئی ہے اور اس بنگلے پر کئی قابل اعتماد افراد پہرا دے رہے ہیں۔ یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ ڈپٹی ان دنوں اس کشمکش میں مبتلا تھا۔ ویسے بھی ڈپٹی کے بہت سے راز میں اس کے سامنے اگل سکتا تھا۔ میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ماتحتوں کی موجودگی میں وہ کھل کے بات کرنے سے گھبرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں خوف جاگ اٹھا تھا۔ میں نے اسے اور مغلوب کرنے کے لئے کہا۔ "اور سن......! تفتیش کے کاغذات کس کی مرضی سے مرتب کیے جا رہے ہیں، مجھے معلوم ہے تو سب سے زیادہ اعتماد جس کمینے پر کر رہا ہے، وہی کم اصل نکلے گا۔"

ڈپٹی کے چہرے پر ایک رنگ آ کے گزر گیا۔ وہ پوری طرح میرے قبضے میں تھا لیکن مخبروں اور ماتحتوں کی موجودگی میں کچھ کہنے سے قاصر تھا۔ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک پجاری کو مخاطب کیا۔ "مہاشے! اپنا سمے کیوں برباد کر رہے ہو۔ جاؤ جا کر مہابیر کا جیون نشٹ کرو، وہ راون تمہارے وشواش کو دھوکا دے رہا ہے۔ اپنی پتی ورتا دھرم پتنی کو نالکھ آشرم کی یاترا پر لے جاؤ۔ اس کے شریر کا میل ڈھل جائے گا۔"

"مہاراج!" پجاری نے بڑھ کے میرے چرن چھوتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے بھول ہوئی ہے۔ تم مہاپُرش ہو تمہارے گیان دھیان میں کوئی کھوٹ نہیں، شیو شنکر، شیو شنکر۔"

ڈپٹی چلا گیا۔ میں سید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر شبن خان اور شاردا میرے ساتھ ہوتے تو حالات کچھ اور ہوتے۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے بعد میں خود کو خاصا سرد محسوس کر رہا تھا۔ گرد و پیش کچھ ہلکا ہلکا سا لگ رہا تھا۔ ایسے لمحے میرے نصیب میں شاذ ہی آتے ہیں۔ میں نے جب اپنی ذات کے بکھیڑوں پر غور کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا میں ایک آزاد شخص کہاں ہوں؟ سکون کی یہ لہر تو کبھی کبھی آتی ہے اور آتے ہی گزر جاتی ہے اور پھر وہی آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔ سردی نفس کو تازگی بخشتی ہے لیکن زخموں میں ٹیسیں پیدا کر دیتی ہے۔

گاڑی گلبرگہ کی طرف بھاگ رہی تھی۔ میرے خیالوں کی رفتار اس سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر ٹھہر جائے گی مگر میرے خیالوں، میری الجھنوں اور فکروں کا سفر ختم نہیں ہوگا۔ کون جانے ہر واقعہ دبنے کے بجائے ایک نئے خطرے کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔

گلبرگے میں شریف النفس، خدا ترس رکن الدین نے اپنی وضع داری قائم رکھی۔ اس نے کشادہ قلبی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے میرا استقبال کیا۔ اس کے مکان میں میرے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا جہاں میری عدم موجودگی میں بھی صفائی ستھرائی کی جاتی تھی چونکہ میرے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ رکن الدین کے اصرار پر میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے۔ تمام گھر والے کسی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ شام تک وہ لوگ آ گئے۔ میں اس وقت دیوان خانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری آمد کی اطلاع سن کے بھی لوگ دوڑے دوڑے وہاں پہنچ گئے۔ زرافشاں اور درخشاں۔ ناہید کی چھوٹی بہن طلعت، رکن الدین کی بیوی، میں نے ان سب کے ہاتھوں کو بوسے دیے اور انہیں اپنے قریب بٹھا لیا۔ زرافشاں، درخشاں یہاں پوری طرح مطمئن معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے حسن اور دلکشی میں اب ایک سکون جھلکتا تھا۔ وہ میرے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ ناہید کی چھوٹی بہن طلعت شوخی پر مائل تھی۔ وہ اشاروں اشاروں میں مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میری اس کی بننے بھی خوب لگی تھی چنانچہ میں نے اس کی شوخی کا سبب دریافت کیا تو وہ شرارت سے بولی۔ ''ابھی پردہ اٹھنے والا ہے، آپ کے خاندان میں دو نئے چہروں کا اضافہ ہوا ہے۔ ہم نے انہیں آپ کے سامنے پیش نہیں کیا۔ پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ اس بار زیادہ دن قیام کریں گے پھر بتائیں گے کہ وہ کون ہیں؟''

''نہیں، پہلے بتاؤ۔'' میں نے اس کے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں، پہلے وعدہ کیجئے۔'' وہ کان چھڑاتے ہوئے بولی۔

''اچھا بھئی وعدہ کیا۔'' میں ان شوخیوں سے لطف لینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دل ڈوب سا گیا تھا لیکن ان کی باتوں میں ایسا خلوص تھا، ایسی چاشنی اور دلچسپی تھی کہ مجھے ردعمل کا اظہار کرنا پڑا۔ میں نے زیادہ دن ٹھہرنے کا وعدہ کر لیا۔

طلعت نے تالی بجائی۔ ''آ جائیے، آ جائیے۔'' اس نے زور زور سے کہا۔ انکا بھی مسکرا رہی تھی۔ دیوان خانے کا ایک پردہ ہلا اور میں نے دیکھا کہ ایک جامہ زیب نوجوان، غرارے میں ملبوس ایک حسین لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہو رہا ہے۔ میں پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا۔ وہ شبن خان اور شاردا تھے۔ میں انہیں یہاں دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ دونوں نے قریب آ کے آداب کیا پھر شبن خان دوڑ کے مجھ سے لپٹ گیا۔ سیاہ شیروانی اور چوڑی دار پائجامے میں وہ کوئی شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ شاردا بھی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ لڑکیوں نے ان کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ وہ دونوں میرے نزدیک بیٹھ گئے۔ شاردا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ''تم دونوں بھی یہاں آ گئے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' رکن الدین نے وضاحت کی۔ ''ان دونوں کو یہاں سید بابا لائے تھے۔ بعد میں جو کچھ ہوا، اس میں بھی سید صاحب قبلہ کی مرضی کو دخل تھا حالانکہ میں نے چاہا تھا، آپ کو اطلاع دے کے بلوا لیا جائے لیکن بابا نے اس کا موقع نہیں دیا۔''

میں نے شاردا کو حیرت سے دیکھا۔ ''شاردا، تم یہاں خوش ہو؟''

وہ شاخ گل کی طرح لجا گئی۔ طلعت بولی۔ ''شاردا نہیں، انہیں یاسمین کہئے، بیگم یاسمین شبر خان۔''

یاسمین شبر خان شرما گئی اور کمرے سے نکل گئی۔ اس کے پیچھے درخشاں، زرافشاں بھی مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ رکن الدین نے مجھے بتایا کہ شاردا اپنی مرضی سے حضرت خواجہ گیسو دراز کے مزار پر مسلمان ہوئی ہے اور سید مجذوب کی مرضی سے شبر خان کے ساتھ منسوب کر دی گئی ہے۔ میرے پاس بیٹے کی کمی تھی، سو وہ بھی اللہ نے پوری کر دی۔'' رکن الدین خوش دلی سے بولا۔

☆......☆......☆

میں عموماً اپنے کمرے میں بند ہو کے مشقیں کرتا رہتا۔ انکا اکتا کے نیچے چلی جاتی اور زری رخشی کے سروں پر کھیلتی، اودھم مچاتی رہتی تھی۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب میں کھانے سے نمٹا ہی تھا کہ انکا میرے سر پر وارد ہو گئی۔ ''کیسے آ گئیں؟'' میں نے اس کی بدلی ہوئی شکل دیکھ کے پوچھا۔

''جمیل! میں تمہیں ایک بہت منحوس خبر سنانے آئی ہوں۔''

میں نے کوئی تجسس ظاہر نہیں کیا۔ انکا تیزی سے بولی۔ ''امرلال بمبئی پہنچ کر اپنا وار کر گیا۔''

''کیا!'' میں اچھل پڑا۔ میرا ذہن فوراً ترئین اور سید غوث کی طرف گیا۔ انکا کی اطلاع کسی بم کی طرح میرے دماغ پر پھٹی۔

''امرلال آج صبح وندھیاچل سے لوٹا ہے، بدری نرائن اس کے ہمراہ ہے اور تمام واقعات سن کے وہ زخمی شیر کی طرح پاگل ہو گیا ہے۔ امرلال تمہارے پتے سے آگاہ ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ رکن الدین کی حویلی اس کی دسترس سے باہر ہے چنانچہ اس نے یہ اوچھا ہتھیار تمہیں اس حویلی سے باہر لانے کے لئے استعمال کیا ہے۔''

''تم کہہ رہی تھیں کہ امرلال بمبئی پہنچ کے اپنا وار کر گیا ہے۔'' میں نے غصے سے پوچھا۔ ''مجھے بتاؤ انکا کہ اس نے کس مظلوم کو نشانہ بنایا ہے؟''

''آنند لال کو۔'' انکا نے جواب دیا۔ ''مالا کو ابھی تک اپنے پتی کی موت کی خبر نہیں ہوئی ہے۔ آنند لال کی لاش مسخ کر کے ساحل پر ڈال دی گئی ہے۔''

میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ فوراً نیچے اترا اور رکن الدین کو علیحدگی میں لے جا کے حالات سے باخبر کیا۔ وہ بھی سکتے میں آ گیا، اب میرا گلبرگے میں رکنا نامناسب تھا۔ چنانچہ میں نے رکن الدین کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس سانحے کا گھر کے کسی فرد سے تذکرہ نہ کرے۔ بمبئی پہنچ کے حالات کیا رخ اختیار کریں گے؟ اس کا مجھے خود علم نہیں ہے۔ رخشی اور زری کی منگنی کر دی جائے اور کسی کو گلبرگے سے باہر نہ جانے دیا جائے۔

''میں حضرت سید بابا کو تلاش کرتا ہوں۔'' رکن الدین نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"وہ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ تم دعائیں کرتے رہنا۔"

"مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلئے۔"

"نہیں رکن الدین!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "زندہ رہا تو ایک بار تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔ مر جاؤں تو میری خطائیں معاف کر دینا۔"

رکن الدین میری دل گرفتہ باتیں سن کے آب دیدہ ہو گیا۔ میں نے اسے صبر کی تلقین کی اور سید کی لاٹھی اٹھا کے کسی اور کو اطلاع دیے بغیر گلبرگے سے روانہ ہو گیا۔ روانگی سے پہلے میں نے خود کو بیرونی طاقتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے پوری طرح محصور کر لیا۔ انکا بھی میری طرح بے چین نظر آ رہی تھی۔ سفر کا ذکر فضول ہے۔ بمبئی پہنچنے تک ہم دونوں اپنے اپنے خیالوں میں غرق رہے۔ میں بمبئی اسٹیشن پر اترا تو انکا نے مجھے ایک نئی اطلاع دی۔

"جمیل! بدری نرائن اور امرلال مالا کو اغوا کر چکے ہیں۔ تم نے شاردا کو اغوا کر کے جو جال بدری نرائن کے لئے بچھایا تھا۔ وہی طریقہ وہ بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

"باقی لوگوں کا کیا حال ہے؟"

"باقی لوگ ابھی تک محفوظ ہیں۔ مالا اور آنند لال کے بارے میں انہیں خبر ہو گئی ہے اور وہ سخت پریشان ہیں۔"

"مالا کہاں ہے؟" میں نے کچھ فیصلے کرتے ہوئے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

"مالا کی بازیابی کا ارادہ ترک کر دو۔ امرلال کی طاقت کا کرشمہ تم اس وقت بھی دیکھ چکے ہو جب تم نے بدری نرائن کو بھگوان داس کے گھر سے باہر لانے کی کوشش کی تھی۔" انکا کے لہجے میں مایوسی تھی۔

میں جھلاہٹ میں اس پر برس پڑا۔ "میں تم سے مشورہ نہیں، مالا کا پتا طلب کر رہا ہوں۔"

"جلد بازی میں کوئی قدم مت اٹھانا جمیل! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ دور اندیشی سے کام لو۔ مالا جہاں قید ہے، وہاں تک تمہاری رسائی مشکل ہے۔" انکا نے کترانے کی کوشش کی۔

میں اور بپھر گیا۔ "دفع ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔" انکا لجاجت سے بولی۔

"میں مالا کا پتا خود جان سکتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم جان سکتے ہو۔ تم ہر بات معلوم کر سکتے ہو۔" انکا نے سہم کے کہا۔ "مگر تم نے ہر موقع پر اپنی جلد بازی سے نقصان اٹھایا ہے۔ سنو بدری نرائن نے امرلال کی ہدایت پر مالا کو یہاں سے دس میل دور ایک پرانے مندر میں قید کر رکھا ہے۔ امرلال بھی بدری نرائن کے ساتھ وہیں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ تم وہاں ضرور پہنچو گے۔"

"ان کا یقین درست ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہی ہوگا۔" میں اسی راستے پر چل پڑا جو پرانے مندر کی طرف جاتا تھا۔ انکا کے چہرے پر تشویش کے بھیانک تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ بے چینی اور کرب کی حالتوں سے دوچار تھی۔ وہ کبھی پُرخیال انداز سے خلاؤں میں گھورنے لگتی کبھی میرا چہرہ تکنے لگتی۔ میسور جاتے وقت اس نے کچھ سنگین پیش گوئیاں کی تھیں۔

"دو فریقوں کی جنگ کا انجام ہمیشہ ایک فریق کی شکست کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ مجھے زندگی کی کوئی تمنا نہیں رہی ہے۔ میں مر گیا تو تم بھی آزاد ہو جاؤ گی۔" میں نے راستے میں انکا سے کہا۔

"میں نے صرف دور اندیشی سے کام لینے کا مشورہ دیا ہے، جو بیتے گی، ساتھ بیتے گی۔ میں تمہارا ساتھ ہوں۔" انکا نے عزم سے کہا۔

میری رفتار خاصی تیز تھی۔ امرلال نے مجھے مدعو کیا تھا۔ میں اس کی دعوت پر افتاں و خیزاں جا رہا تھا۔ ایک بار پہلے میں ایک ذرا سی غفلت سے اس کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا۔ یہ مردانگی کی توہین تھی۔ یہ جمیل احمد خان کی توہین تھی کہ میں اپنے دوست کی موت پر خاموش بیٹھ جاتا۔ آگے جا کر میں تقریباً بھاگنے لگا۔ پرانے مندر سے میرا فاصلہ پچاس گز کے قریب رہ گیا تو انکا نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہرو! امرلال نے مندر کے گرد ویسا ہی حصار قائم کر رکھا ہے جیسا بھگوان داس کے گھر کے اطراف میں تھا۔ تمہیں آگے بڑھنے سے پہلے وہ دیوار مسمار کرنی ہوگی۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ امرلال مجھے گلبرگے سے یہاں کھینچنا چاہتا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں آ گیا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ خود ہی مجھ سے الجھنے کے لئے باہر آ جائے گا۔" میں نے سیدی لاٹھی پر اپنی گرفت جماتے ہوئے کہا۔ میں نے ہر ممکن تدبیر اختیار کر لی تھی اور میری نظریں اس پرانے مندر کے گرد گھوم رہی تھیں جو ویران نظر آ رہا تھا۔ امرلال سے مجھے اس بات کی توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ چھپ کر وار کرے گا۔ میں کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا اور امرلال کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب کچھ دیر ہو گئی تو میں نے محتاط انداز میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ مندر سے بیس گز کے فاصلے پر میں پھر ٹھہر گیا اور میں نے بلند آواز میں بدری نرائن کو للکارا۔ "او بزدل پنڈت! اگر مرد ہے تو باہر نکل کے کھل کے آخری بار مقابلہ کر لے اور اپنے جی کا حوصلہ نکال لے۔"

میری چیخ پکار ضائع نہیں ہوئی۔ میں نے بدری نرائن اور امرلال کو مندر سے باہر نکلتے دیکھا۔ امرلال کے چہرے پر گہرا سکوت تھا لیکن اس کی آنکھیں انگارا لگ رہی تھیں۔ بدری نرائن اس سے تین قدم پیچھے چل رہا تھا۔ امرلال کچھ فاصلے پر رک گیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہے، میں نے پہل کی۔ "امرلال مہاراج!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تم نے مجھے یاد کیا تھا، میں آ گیا ہوں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں بالک کہ تو آ گیا ہے۔ پر میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تیرے کس بل ابھی نہیں نکلے۔"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میرا اصول ہے کہ میں کوئی کشٹ دینے سے پہلے شما کا پورا موقع دیتا ہوں۔'' امرلال نے رعونت سے کہا۔

''یہ مذاق اس موقع پر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ تم میری طاقتوں کے بارے میں بھی جانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ارادے کا کتنا مضبوط شخص ہوں۔ اپنے مہمان کا خیال کرو اور اسے عزت سے بیٹھنے کے لئے کہو اور تحفے کے طور پر مالا اور بدری نرائن اسے دے دو۔ سورگ میں تم بڑے شانت رہو گے اور بھگوان بھی خوش ہوگا۔'' میں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

وہ میرے جواب سے جز بز ہو گیا اور گمبھیر آواز میں بولا۔ ''بدری نرائن بھی تیرا دوست ہے، تیرا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ مالا بھی تجھے مل جائے گی۔ تجھے بہت کچھ مل جائے گا پر تو اس طرح کی باتیں کرنا چھوڑ دے اور دھرم کی بات کر۔ تو میرے ساتھ وندھیا چل چلنا۔ میں تجھے جاپ کے کئی کٹھن آسن بتاؤں گا۔ پھر تیری آتما پوتر ہو جائے گی اور تجھے بڑا مان ملے گا۔''

''ان باتوں کا جواب میں پہلی ملاقات میں دے چکا ہوں، اب دوبارہ ان کا ذکر نہ کرنا۔ دھرم کی بات کرتے ہو تو جرم اور ظلم کی پشت پناہی سے باز آ جاؤ۔ بدری بڑا نیچ ہے۔ اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہے۔ نامہ اعمال سمجھتے ہو؟ اس کا سارا جیون ہی گناہوں میں گزرا ہے۔''

''تو پچھلا کشٹ بھول گیا ہے مورکھ؟'' امرلال کی آواز میں لرزش آ گئی۔

''میں پھر کہتا ہوں، جھگڑا میرے اور بدری نرائن کے درمیان ہے، تم درمیان میں کیوں آتے ہو؟ اس جھگڑے میں بھارت کے تمام پنڈت پجاری شامل ہو گئے ہیں اور ان کا کیا ہوا؟ تم جانتے ہو کیا ہوا۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ جھگڑا اور نہ بڑھاؤ۔ بات یہیں ختم کر دو۔ بدری نرائن سے مجھے نمٹنے دو۔'' میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ''مجھے اپنا سینہ ٹھنڈا کرنے دو۔ پھر کوئی بات تم سے ہو سکے گی۔''

''مجھے سبق نہ پڑھا۔'' امرلال اشتعال میں بولا۔ ''میں نے اس لیے نہیں بلایا ہے کہ تو مجھے دھرم، پاپ اور پُن کا سبق پڑھائے۔ بدری نرائن میرا چیلا ہے، بھگوان داس بھی میرا چیلا تھا۔ اس کے اور اس کی پتری کے ساتھ تو نے جو انیائے کیا ہے، اس کی خبر مجھے مل گئی ہے۔''

''ضد مت کرو امرلال۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شاید میں تمہیں اور تم مجھے باتوں سے قائل نہ کر سکو گے۔ پچھلی باتیں مجھے خوب یاد ہیں۔ پہلے مجھے بدری نرائن سے دو دو ہاتھ کر لینے دو۔ پھر اگر تم نے ضد کی تو میں تمہارا حساب بھی بے باق کر دوں گا۔''

''تو دیوانہ ہو گیا ہے بالک! جا کچھ دیر آرام کر لے۔ اتنی دور سے چل کے آیا ہے۔ پانی پی کے سوچ لے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے مجھے دھتکارتے ہوئے کہا۔

''میں خالی ہاتھ جانے کے لئے نہیں آیا ہوں مہاراج!''

''ہٹ مت کر بالک! تجھے شانتی کی ضرورت ہے، مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ کیوں اپنا جیون نشٹ کرنا

چاہتا ہے۔''

''تم بہت کچھ کہہ چکے مہاراج!'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''تم گیانی دھیانی ہو۔ گرو ہو کے، چیلوں کی باتوں میں تمہارا بولنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔''

''بدری کے بارے میں تو نے غلط اندازے لگائے ہیں مورکھ!'' امرلال درشت آواز میں بولا۔ ''وہ کالی کا پجاری ہے اور میرا چیلا ہے۔ کالی کے پجاری اس کی بھگتی میں جیون تیاگ دیتے ہیں۔ وہ کسی یدھ سے نہیں ڈرتے۔''

''تم جن پجاریوں کی بات کر رہے ہو امرلال! ان کے من میں کھوٹ نہیں ہوتا۔'' ہم یہ تلخ باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے احساس تھا کہ میں فضول وقت ضائع کر رہا ہوں لیکن میری جانب سے کسی جارحانہ اقدام کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ یہ دور اندیشی کے منافی تھا۔ امرلال بھی موقع کا منتظر تھا کہ کب میں اپنے حصار سے باہر نکلوں اور وہ مجھ پر بھرپور وار کرے۔ بدری نرائن بدستور امرلال کی پشت پر موجود تھا اور رانکا میرے سر پر مستعد انداز میں بیٹھی تھی۔ اس بار وہ میرے سر سے بھی نہیں ہٹی تھی۔ میں امرلال کی دیوار توڑنے کی فکر میں تھا اور وہ میرا دائرہ ختم کرنے کی جستجو میں۔ میرے سامنے ایک چھوڑ دو دو موذی دشمن تھے۔ احتیاطاً ہر قدم پر لازم تھی۔

''تو کالی کے مہان پجاریوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔'' پھر اس نے مندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کالی مائی، تو گواہ رہنا۔''

''تم بلوان ہو مہاراج اور مہان بھی۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''تمہاری آ گیا ہو تو میں مرنے کے لئے بھی تیار ہوں لیکن تم بدری نرائن کو میری روح قبض کرنے کے لئے حصار سے باہر بھیجو۔ ایک آخری تماشا تو ہونا ہی ہے، وہ آج کیوں نہ ہو جائے؟ تم بھی وندھیا چل جا کے سکون سے بھگتی میں لگ جاؤ، میں بھی آرام سے مر سکوں۔''

''تو کالی کے پجاریوں کے منہ آ رہا ہے؟'' وہ سلگنے لگا تھا۔

''اور کالی کا ایک پجاری بزدلوں کی طرح تمہاری پشت پر ہے، ذرا پیچھے کی طرف مڑ کے دیکھو، وہ کانپ رہا ہے۔''

''بدری!'' امرلال نے پلٹ کے بدری کو حکم دیا۔ ''بدری، گرو کی آگیہ کا پالن کر اور اسے بتا دے کہ کالی کے بھگت کیسے ہوتے ہیں۔ کالی کا شبھ نام لے کے اس اپرادھی کو نشٹ کر دے۔ یہ تیرے ہی ہاتھوں سے مرنا چاہتا ہے۔''

''مہاراج!'' بدری کی زبان میں لکنت آ گئی اور چہرے پر زردی پھیل گئی۔

''چنتا مت کر۔ میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''تم......تم نہیں جانتے مہاراج!'' بدری نرائن خوف زدہ آواز میں بولا۔ ''یہ منش نہیں، کسی مردے کی پلید آتما ہے۔''

''سنا مہاراج!'' میں نے تیزی سے امرلال کو مخاطب کیا۔ ''تمہار چیلا کالی کا مہان پجاری ہونے کے باوجود خوف زدہ ہے۔ فیصلہ کب کا ہو چکا ہے مہاراج کہ کون بلوان ہے۔''

امرلال ایک طرف میری باتیں سن کے اور دوسری طرف بدری نرائن کو ہچکچاتے دیکھ کر غصے بپھر گیا۔ میری ہر بات جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ میں ان دونوں کو مغلظات سنانا چاہتا تھا لیکن خلاف توقع غیر معمولی تحمل کا ثبوت دے رہا تھا۔ امرلال نے بدری نرائن کو گدی سے پکڑ کے حصار سے باہر پھینک دیا اور کڑک کے بولا۔ ''کالی کا نام لے! میری آگیہ کا پالن کر۔ اس مسلے کو کالی کے چرنوں میں بلیدان کر دے یا اسے جلا کر بھسم کر دے۔''

بدری نرائن منڈل سے باہر تھا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا اور تیزی سے اپنی تمام باطنی قوتیں نگاہوں میں سمیٹیں اور میری انگلیاں تیزی سے حرکت میں آ گئیں۔ اس وقت میرے جوش کا عجیب عالم تھا۔ ایک مدت بعد بدری نرائن میرا بدترین دشمن اس وقت میرے سامنے تھا۔ میرے دیکھتے اور عمل کرتے ہی بدری نرائن تڑپ کر زمین پر گرا۔ مجھے بہت مزہ آیا۔ میں نے اس اذیت کو طول دینا چاہا۔ وہ زمین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتارتا، بدری ایک قلابازی کھا کے اٹھا اور زمین سے مٹی اٹھا کے مندر کی طرف پھینکنے لگا۔ پلک جھپکتے میں اس نے جوابی حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے منتر کے تمام بیروں کو بلا لیا جنہوں نے اچانک نمودار ہو کے مجھ پر تابڑ توڑ حملے کرنے چاہے لیکن میں اپنے دائرے میں محفوظ تھا۔ میں نے بدری نرائن سے لطف لینے کے لئے اسے کھل کھیلنے کا موقع دیا۔ اس نے لمحوں میں جھلا جھلا کر پے در پے کئی وار کیے۔ امرلال اس کی پشت پر خاموشی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ انکا نے چپکے سے سرگوشی کی۔

''جمیل! کھیل جلد سے جلد نمٹانے کی کوشش کی۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ امرلال کے تیور خطرناک ہیں۔ اس سے کسی اصول کی توقع مت رکھنا۔''

''اب یہ میرے رحم و کرم پر ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں انکا سے رابطہ قائم کیا۔ ''میں اسے بڑی اذیت ناک موت ماروں گا۔ اس بدبخت کا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

''دیر مت کرو۔'' انکا نے سہمی سہمی نظروں سے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں آسمان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے، کر گزرو۔ میری بات بھی کبھی مان لیا کرو۔ پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔''

''آسمان پر نرگس، مالا کے خون کے دھبے ہیں۔ اب میں یہ قصہ نمٹا ہی رہا ہوں حالانکہ مجھے زندگی بھر

بدری نرائن کے جلد مرنے کا افسوس رہے گا۔''

بدری نرائن کو اتنا خوں خوار میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ انکا نے خون کے دھبوں کا تذکرہ کر کے میرے سینے میں دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے دی۔ میں نے ایک نتیجہ خیز فیصلہ کن حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بدری نرائن کا سراپا نظر میں رکھ کے میں نے ایک سخت عمل کیا لیکن ابھی میں اپنے انگلی اٹھا ہی رہا تھا کہ امرلال نے درمیان میں داخل اندازی کر دی۔ اس نے اپنے سینے کا سفید بال توڑ کے ہوا میں اڑا دیا اور میں نے دیکھا کہ بدری نرائن کے گرد ایک نیا منڈل بن چکا ہے اور اس کے چہرے پر نئی زندگی کی رمق چھا گئی ہے۔ اس نے ممنونیت کی نظر سے امرلال کی جانب دیکھا اور مجھے شدید طیش میں للکارا۔ ''کمینے! اگر بلوان ہے تو منڈل سے نکل۔ میں تجھے بتاؤں گا شکتی کسے کہتے ہیں۔''

''خبردار جمیل!'' انکا نے مجھے ٹوکا۔ ''حصار سے باہر قدم نہ نکالنا۔''

''تو چپ رہ کلنکنی۔'' امرلال میری طرف دیکھ کے گرج دار آواز میں بولا۔ ''دیوتاؤں کا خیال نہ ہوتا تو تجھے ایسا سراپ دیتا کہ تو بھی یاد رکھتی۔''

بدری نرائن کو محفوظ دیکھ کے میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے تیزی سے یہ نئی فصیل ڈھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ معاً مجھے سید کی لاٹھی کا خیال آیا۔ میں نے لاٹھی گھما کے بدری نرائن کی طرف پھینکی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ بدری نرائن کے گرد امرلال کا قائم کردہ منڈل ٹوٹ چکا تھا۔ لاٹھی بدری نرائن کے سر پر لگی تھی اور وہ کربناک آواز میں چیختا ہوا دھڑام سے گر گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے دوسرا حملہ کیا۔ بدری نرائن دہاڑ مار کے اوپر اچھل کے زمین پر آ گرا۔ اس کی ہولناک چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ یہ اذیت میرے لیے باعث راحت تھی۔ نرگس اور مالا کا انتقام پورا ہو رہا تھا۔ اس کی ہر چیخ میرے رگ و پے میں ایک عجب احساس نشاط پیدا کر رہی تھی۔ اسے حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنے حصار سے باہر آنا پڑتا۔ اس لیے میں نے اس کی فکر چھوڑ دی اور بدری نرائن کو مزید اذیت سے دوچار کرنے کے لئے میں نے تیسرا وار کرنا چاہا۔ اسی لمحے مجھے اپنے پیروں سے زمین سرکتی محسوس ہوئی اور میں نے امرلال کے قریب بے شمار پنڈت اور سادھو کھڑے دیکھے۔ میں نے جھٹ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس دہشت انگیز منظر سے لڑکھڑا گیا۔ انکا نے میرے سر میں زور سے اپنے پنجے چبھونے شروع کر دیے لیکن میں کسی پاگل کی طرح بے اختیار اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا اور امرلال میرا حصار توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ امرلال نے درمیان میں بول کر بد دیانتی کی تھی۔ میری ساری توجہ بدری نرائن پر مرکوز تھی۔ بدقسمتی سے میری لاٹھی بھی دور تھی۔ میں گرتا پڑتا اپنی لاٹھی اٹھانے کے لئے دوڑا۔ امرلال کا ایک خوفناک قہقہہ میرے کانوں میں گونجا۔ پھر بھی میں نے اسے اوسان بجا کیے اور ایک جگہ رک کر دوبارہ خود کو محصور کرنا چاہا لیکن امرلال نے اس کا موقع نہیں دیا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے تمام پجاری، سادھو اور پنڈت غائب ہو چکے تھے۔ امرلال نے بیک وقت کئی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

حرب استعمال کر کے میرا حصار توڑ دیا تھا۔ اسی وقت اس نے پھڑ پھڑانے کے انداز میں مندر کی طرف دیکھ کے ایک جھرجھری لی اور ہولناک صدا لگائی۔ میرا جسم ہزار ہا رسیوں اور ڈوریوں سے بندھ گیا تھا۔ یہ رسیاں اور ڈوریاں بظاہر نظر نہیں آتی تھیں مگر انہوں نے میری حرکت پر پابندی لگا دی تھی۔ پہلے بھی امرلال نے یہی کیا تھا۔ میرے لیے جنبش کرنا محال تھا۔ اگر سید کی لاٹھی میرے پاس ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا لیکن اب وہ بھی دور پڑی میرا منہ چڑا رہی تھی۔ بدری نرائن بدستور کربناک انداز میں چلا رہا تھا۔ میرے حصار سے باہر آتے ہی انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔ کیا میں نے کوئی حماقت کی تھی؟ نہیں، میں نے کوئی حماقت اور جلدی یا دیر نہیں کی تھی۔ میرا یہ قیاس غلط تھا کہ امرلال جیسا مہان سادھو بدری نرائن کی شکست دیکھ کے کم ظرفی پر اتر آئے گا۔ میری غلطی صرف یہ تھی کہ میں نے امرلال کے متعلق غلط رائے قائم کی تھی۔ مجھے افسوس تھا کہ اگر میں پہلی فرصت میں بدری نرائن کو مار دیتا تو مجھے امرلال کے ہاتھوں مرنے پر کوئی افسوس نہ ہوتا۔ امرلال نے بدری نرائن کی آہ وزاری بند کرنے کے لئے اسے ساکت کر دیا تھا۔ وہ مرا نہیں تھا لیکن سکتے کی سی کیفیت سے دوچار تھا۔ کاش مجھے اک لمحے کی فرصت اور مل جاتی۔ امرلال میرے سامنے فاتحانہ انداز میں کھڑا مجھے حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا سوچ رہا ہے مورکھ! میں نے پہلے ہی کہا تھا، میرے منہ نہ آ۔" وہ نفرت سے بولا۔

"تم اگر مرد ہو اور تمہارے اندر ذرا سی بھی غیرت ہے تو تم یقیناً اپنی حرکت پر نادم ہو گے۔ تم کتے ہو۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"یہ بدھ (جنگ) تھی بالک!" وہ رعونت سے مسکرایا۔ "تو نے بدری کو بھگوان داس کے مکان سے نکالنے کے لئے شاردا پر وار کیا تھا۔ حالانکہ وہ نردوش تھی۔"

"تم نے پشت سے وار کیا ہے، تم ایک عورت ہو۔ اگر میرے بازو آزمانا چاہتے ہو تو مجھے رسیوں سے آزاد کر کے دیکھو۔"

"بالک!" وہ مجھے کھینچتے ہوئے سکون سے بولا۔ "میرا نام امرلال ہے۔ کٹھن تپسیا کے بعد میں نے جو شکتی پراپت کی ہے تو اس کا وچار بھی نہیں کر سکتا۔ دیکھ تو کیسا بے بس ہو گیا ہے۔ اگر شکتی ہے تو خود کو چھڑا لے۔"

"وقت کی بات ہے امرلال! مجھے خوشی ہے کہ میں تمہاری طرح کسی کمینے پن اور عیاری سے فتح مند نہیں ہوا۔ اگر تمہاری اور بدری نرائن کی مڈھ بھیڑ ہوتی تو میں درمیان میں ٹانگ اڑانے کی نیچ حرکت ہرگز نہ کرتا۔"

"تو نے پہلے بھی مجھے دیکھا ہے۔ تو بھول کیوں جاتا ہے؟" امرلال سنگ دلی سے بولا۔ "اب تجھے میرے سراپ سے کوئی شکتی نجات نہیں دلا سکتی۔ تو نے بدری کو کشٹ دے کے، بھگوان داس کو مار کے اور شاردا

کو اغوا کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے۔ میں دیوتاؤں کے چرنوں میں تیرا بلیدان کروں گا۔"

میں نے اپنے طور پر ایک کوشش کی اور امرلال کو جواب دینے کے بجائے تمام تر توجہ بندشوں سے آزاد ہونے میں صرف کر دی۔ امرلال کے فلک شگاف قہقہے میرا ارتکاز درہم برہم کر رہے تھے۔ "وہ سندری انکا کہاں گئی؟ تمہارے جنتر منتر کہاں گئے؟"

"بتاتا ہوں......" یہ کہہ کے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زبردست جبر کر کے اور گردوپیش سے بے نیاز ہو کے گہرے ارتکاز میں ڈوبنا چاہا لیکن امرلال نے طے کر لیا تھا کہ وہ مجھے اس قسم کا کوئی عمل کرنے کا موقع فراہم نہیں کرے گا۔ ہر طرف سے بے ہنگم آوازیں میرا سکون غارت کرنے لگیں۔ ادھر امرلال کے قہقہے، پھر امرلال نے مٹی زمین سے اٹھا کے بدری نرائن کی طرف پھینک دی۔ وہ کسمسانے لگا اور زمین سے اٹھ کے سیدھا امرلال کی طرف دوڑا۔ میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

"اب تو کشٹ اٹھانے کے لئے تیار ہو جا اپرادھی۔" امرلال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "کالی کے شبھ نام پر اب بدری اپنی ٹھوکروں سے تجھے نرک میں جھونکے گا۔ تیرے شریر کا ماس چیل کوؤں کے کام آئے گا۔ میں تجھے ایسا سراپ دوں گا کہ تیری آتما تک بیاکل رہے گی۔ جس طرح ان تمام پنڈتوں اور پجاریوں کی آتمائیں بیاکل ہیں جنہیں تو نے ان کے شریر سے جدا کیا تھا۔"

میں نے پھر مراقبے میں جانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ امرلال کے چہرے پر خون پھیل چکا تھا۔ اس نے بدری نرائن کو نیا حکم دیا۔ "وہ سمے آ گیا بدری، جس کا تجھے انتظار تھا۔ میرا وچن پورا ہوا۔ کالی کے نام کے لئے آگے بڑھ اور اس مُسلے کو ٹھوکریں مار مار کے نرک تک چھوڑ آ۔ مارنا نہیں، اسے کالی کے چرنوں میں لے جا کے بلیدان کرنا ہے، سمجھا۔"

"جو آگیا مہاراج!" بدری نرائن نے ہاتھ جوڑ کے امرلال کے سامنے ڈنڈوت کیا۔ پھر کسی خونخوار درندے کی طرح میری سمت بڑھنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بدری نرائن نے میرے قریب آ کے کہا۔ "چپ کیوں ہو، کچھ بولو، چمتکار دکھاؤ۔ یہ آنکھیں کیا بند کر رکھی ہیں، آنکھیں تو ملاؤ جمیل احمد خان!"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور جب سماعت کا دروازہ بند کرنا چاہا تو بدری نرائن نے کہا۔ "امرلال مہاراج سے ٹکر لینے آیا تھا۔"

میں ارتکاز کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے بدری نرائن نے کیا کہا [illegible] مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میں ڈوریوں اور رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑے [illegible] گیا تھا۔ بدری نرائن نے میرے ساکت جسم پر ایک ضرب لگائی۔ میں کسی بت کی طرح [illegible] لمحے میری ایک جنبش سے تمام رسیاں ٹوٹ گئیں اور بدری نرائن کی ہولناک چیخ [illegible] انہماک ٹوٹ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ بدری نرائن زمین پر دوبارہ لوٹ رہا تھا [illegible]

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کھڑا ہوا۔ مجھے حیرت تھی۔ امرلال بھی پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ میرے عقب میں کسی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ وہاں پورے طمطراق اور وقار کے ساتھ کلدیپ کھڑی تھی۔

ایک لمحے کو مجھے شبہ ہوا کہ کلدیپ کیسے نیچے آسکتی ہے؟ میں نے بے تابانہ پلکیں جھپکائیں، حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ کلدیپ ہی تھی جو میرے عقب میں پورے سکون اور اعتماد سے کھڑی تھی۔

امرلال کی خوں خوار نظریں کلدیپ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ میرے ذہن کا حال عجیب تھا۔ اس بے بسی اور لاچاری میں کلدیپ کے اچانک وارد ہونے سے تسلی بھی ہوئی تھی اور سبکی بھی محسوس ہوتی تھی کہ میں ان دو نطفۂ حرام مردودوں کو زیر کرنے میں پھر ناکام رہا لیکن اب وہ میری مدد کے لئے نیچے آہی گئی تھی۔ اس نے پریتم لال کے استھان سے نیچے نہ اترنے کا عہدہ توڑ دیا تھا۔ جمیل احمد خان پر کوئی زیادہ سے زیادہ احسان کرسکتا تھا تو وہ یہی تھا۔ کلدیپ کے آنے کے فوراً بعد انکا بھی میرے سر پر آگئی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا اور وہ تجسس سے اردگرد نظریں دوڑا رہی تھی۔ خود میرے جسم میں ایک نئی طاقت عود کر آئی تھی۔

بدری نرائن جو ابھی ابھی امرلال کی شہ پا کر میری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے پاش پاش کرنے کے ارادے سے فاتحانہ، سینہ تان کے آگے بڑھا تھا، دوبارہ زخمی پرندے کے مانند زمین پر پھڑک رہا تھا۔ اس کے حلقوم سے بھیانک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس کی ہر چیخ مسرت کی ایک لہر بن کے میرے کانوں میں داخل ہوتی تھی اور سارے جسم میں ہلچل مچا دی تھی۔ میری رسیاں پہلے ہی ٹوٹ چکی تھیں۔ میں پُر جوش انداز میں زمین سے اٹھا۔ میں اپنی انگلی کے ایک ہی اشارے سے بدری نرائن اور امرلال کو نذرِ آتش کر دینا چاہتا تھا لیکن کلدیپ کے پُرسکون چہرے نے مجھے اس ارادے سے باز رکھا۔ میں اس کے برابر کھڑا ہو گیا اور میں نے براہِ راست امرلال کو مخاطب کیا۔ ”کس وچار میں کھو گئے مہاراج!“ مجھے اپنے لہجے پر قابو پانے میں بڑی مشکل پیش آئی۔

”ہاں!“ امرلال نے ہاتھ اٹھا کے گہرا سانس لیا۔ ”ہاں، جا تیری مکتی ہو گئی۔ تو نے جو کمایا تھا، وہ تیرے کام آگیا۔“ وہ سرد لہجے میں بولا لیکن اس کی نظریں کلدیپ ہی پر مرکوز تھیں۔ پھر اچانک اس کا لہجہ سخت ہو گیا ”چلا جا۔ اپرادھی، دشٹ، بھاگ جا۔“

”میں کہتا ہوں، بدری نرائن اور مالا کو میرے حوالے کر دو اور تم اطمینان سے وندھیاچل لوٹ جاؤ۔ کھیل سمجھو ختم ہو گیا۔“ میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

جواب میں وہ ایک دم گرج کے بولا۔ ”جا چلا جا اپرادھی! ایسی باتیں نہ کر جو تیرے منہ سے بڑی ہیں۔“

”تمہی نے اس کا اوسر دیا ہے مہاراج! اگر تم کمینے بدری نرائن کا گندا ہاتھ نہ پکڑتے تو اچھا تھا۔ ایک پنڈت کو بچانے کے لیے کتنے لوگ مارے گئے، کتنے گھر اجڑ گئے۔ ناریوں کا سہاگ لٹا، بچے بن باپ کے ہو گئے۔ سبھی نے انیائے کا ساتھ دیا۔ پرسادھو جگدیو، پریت لال، آنند لال، کلدیپ، تالکھ آشرم کے مہان

سادھو۔ ان مہاپُرشوں نے کیوں اس کا ساتھ نہیں دیا؟ کیا ان کے گیان دھیان میں کوئی کمی رہ گئی تھی یا تمہاری تپسیا میں کوئی خامی ہے؟ تم نے اس چھوٹے آدمی کے لئے کیا نہیں کیا؟ وہ ایک ہندو پنڈت ہے اور اس کا نام بدری نرائن ہے۔ ہم دونوں ہی دشٹ ہیں، پر تم نے کچھ وچار ہی نہیں کیا، تم بدری نرائن کے نام پر ریجھ گئے کیونکہ اس کے مقابلے میں جمیل احمد خان تھا اور تم نے سب کچھ بھلا دیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا۔“

”بس کر، بس کر۔“ امرلال نے میرا غضب دیکھ کے نفرت سے کہا ”بس کر، میں سب جانتا ہوں۔“

”تم کچھ نہیں جانتے کیونکہ تم ایک بے وقوف پجاری ہو۔“ میں نے اشتعال میں کہا۔

”چپ رہ، بکواس بند کر۔“ امرلال نے چیخ کر کہا۔ ”اپنے برابر کھڑی ہوئی دیوی سے پوچھ کے کچھ کہنے کی جرأت کر، اسے معلوم ہے امرلال نے کتنے ورش کالی کی سیوا میں بتائے ہیں......“

”اور گھاس کاٹی ہے، کالی نے اس کی بھگتی سے خوش ہو کر ایک گدھے کو شکتی دے دی ہے۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

امرلال کے جسم میں لرزش ہونے لگی۔ ”تو کالی کا اپمان کر رہا ہے۔“

”کالی جانتی ہے، میں کس کا اپمان کر رہا ہوں۔“

”تو یہاں سے چلا جا۔ دیوی اسے یہاں سے لے جا۔“ اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے راستہ دکھاتے ہوئے کہا۔

”میں چلا جاؤں گا لیکن مالا کو اندر سے برآمد کرو اور بدری نرائن کو عزت سے میرے حوالے کر دو۔“

”دیوی!“ وہ کلدیپ سے بولا۔ ”اسے لے جا اور کالی کے سیوکوں کا اتنا اپمان نہ کرا۔“

کلدیپ خاموش کھڑی رہی۔ ”اپنے چیلے کی خبر لو مہاراج!“ میں نے پینترا بدل کے کہا اور بدری نرائن کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس نے ابھی تک تمہاری آگیا کا پالن نہیں کیا۔ اگر اسے ساتھ نہیں لے جانے دیتے تو کوئی چمتکار دکھاؤ اور بدری کو اس دکھ سے چھٹکارا دلاؤ۔ مجھے نرک میں جھونکنے کا کوئی اپائے کرو۔ میرے شریر کا ماس چیل کوؤں کو کھلاؤ یا اسے تبرک کے طور پر ہندوستان کے تمام پنڈتوں، پجاریوں میں تقسیم کر دو کہ یہ جمیل احمد خان کا ماس ہے جس نے ان کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ تم رک گئے امرلال جی! یا تم نے ارادہ بدل دیا ہے؟“

”سن مورکھ! میرے نام امرلال ہے۔“ امرلال لرزیدہ آواز میں حیرت سے بولا۔ ”مجھے مت چھیڑ۔ جا میں نے تجھے چھوڑ دیا کیونکہ تیرے برابر پریتم لال کی مہان پتری کھڑی ہے۔ کالی کے سیوک ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں، تو یہ باتیں نہیں سمجھے گا۔ مجھ سے بات کرنے کے بجائے اس سے پوچھ لے، وہ کیا کہتی ہے؟“

میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ وہ وقار کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہم دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اس کی خاموشی نے مجھے اور اکسایا، اس طرف بدری نرائن زمین پر تڑپ رہا تھا۔ "اس سے پوچھ لوں؟" میں نے امرلال سے کہا۔ "خوب۔ عیاری کی بات کرتے ہو؟ تم نے اس کا خیال ہی کب کیا؟ تم نے اس کے پوتر استھان کے نیچے پنڈتوں کے غول جمع کرا دیے اور میرے راستے بند کرا دیے۔ تم لوگوں نے اسے بدنام کیا۔ تمہیں معلوم تھا، میرا اس کا کیا تعلق ہے؟ پر تم نے اس کا خیال نہیں کیا۔ تمہیں اس سے کالی کے سیوک کی یاد نہیں آئی جب تمہارے اس حرام زادے لاڈلے بدری نرائن نے پرتم لال کی پتری مالا کو اپنے بیروں سے مروا دیا۔ امرلال ان باتوں کا ذکر چھوڑو۔ آؤ، ایک فیصلہ کر لو۔ بدری نرائن اور مالا اس طرف یا پھر ایک لڑائی جس میں کوئی ایک کامیاب ہو سکتا ہے۔ چلو پہلے کی طرح اپنے وار کرو۔ میرا سینہ حاضر ہے۔" یہ کہتا ہوا میں بدری نرائن کی طرف گیا۔ اس کے قریب سید کی لاٹھی پڑی تھی، جسے میں نے پھرتی سے اٹھا لیا اور بدری نرائن پر ایک زبردست ضرب لگائی۔ وہ زمین سے اوپر اٹھ گیا اور بلبلا کے چاروں طرف ناچنے لگا۔ لاٹھی سنبھال کے میں پھر کلدیپ کے پاس آ گیا۔

اچانک امرلال نے اپنا الٹا پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ زمین میرے قدموں کے نیچے لرز اٹھی تھی۔ اسی وقت امرلال نے زمین سے مٹی اٹھا کے اپنے بالوں اور سینے سے مس کی اور اس پر کوئی منتر پھونک کے اسے بدری نرائن پر اچھال دیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہو گیا اور بدری نرائن ایک بار پھر اپنی اذیتوں سے نجات حاصل کر کے بڑی پھرتی سے اٹھ گیا۔ وہ اٹھتے ہی آندھی کی سی تیزی سے میری طرف بڑھا مگر جیسے ہی اس کی نظر کلدیپ پر پڑی وہ ایک جھٹکے سے رک گیا اور آنکھیں پٹ پٹانے لگا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ سہم کے جلدی سے امرلال کے پیچھے ہو گیا۔ کلدیپ مہر بہ لب تھی۔ امرلال نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ "دیوی! تیرے آنے سے میرا وچن اور کالی کی بھینٹ دونوں چیزیں ادھوری رہ گئیں۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنے استھان کی اور واپس چلی جا۔ پرتم لال مہان تھا۔ تو اس کی داسی ہے تو اسے بھی ساتھ لے جا۔ جا بھگتی کر۔"

"تم کالی کے مہان پجاری ہو امرلال!" کلدیپ نے پُر وقار آواز میں جواب دیا۔ "میں تمہاری بھگتی اور شکتی جانتی ہوں اور تمہیں پرنام کرتی ہوں۔ تم انیائے کر رہے ہو اور میں تمہیں بتانے آئی ہوں کہ تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔"

"سندر دیوی!" امرلال نے سکون سے کہا۔ "مجھے نیائے اور انیائے کی شکشا دیتے وقت تو بھول رہی ہے کہ تو کس کا ساتھ دینے آئی ہے؟"

"ہاں، اس کا نام جمیل احمد خان ہے اور سب جانتے ہیں کہ میرا اس سے کیا سمبندھ ہے۔ میں اسے بچانے کے لئے آئی ہوں۔ میں نے دیوی کا آشیرباد پراپت کر لیا ہے۔" کلدیپ نے عزم کے ساتھ کہا۔

"میں اسے تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔" امرلال نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اس کا جو جی چاہے

Download from Paksociety.com

کرنا، میں نے تمہارا مان کیا ہے۔"

"میرا مان اور بڑھاؤ اور جمیل احمد خان کی بات مان لو۔ مالا اور بدری نرائن سے دست بردار ہو جاؤ۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" امرلال نے سخت لہجے میں کہا۔ "دیوی! میں نے تیرا بڑا خیال کیا ہے، اب اور ہٹ نہ کر۔"

"امرلال مہاراج! میں جس ارادے سے نیچے آئی ہوں، وہ تم جانتے ہو۔ تمہارے مان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر تم میری مان لو۔" کلدیپ نے عاجزی سے کہا۔

"نہیں، میں جو کچھ دے سکتا تھا، وہ دے دیا۔ اب اس سے زیادہ مت مانگو۔ مالا میرے چیلے بھگوان داس کی لڑکی شاردا کے بدلے میں ہے اور بدری نرائن اسی طرح میرے ساتھ ہے جس طرح جمیل احمد خان یہ مسلا تمہارے ساتھ۔"

"تو پھر...... تو پھر......" کلدیپ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "مجھے جمیل احمد خان کو اس کی مرضی پر چھوڑنا ہوگا تا کہ وہ میری موجودگی میں بدری نرائن سے اپنا حساب چکا لے۔" کلدیپ کے نرم لہجے میں گرمی آ گئی تھی۔

"میں بھی یہاں موجود ہوں۔"

"اور میں بھی کسی کارن یہاں آئی ہوں۔"

"یہ ایک اچھی بات نہیں ہوگی۔" امرلال تاسف سے بولا۔

"یہی بات میں تمہیں سمجھا رہی ہوں۔"

"تمہاری مرضی۔" امرلال نے زچ ہو کر کہا۔

اسی وقت میں نے بدری نرائن کو پکارا۔ "او مردود پنڈت! آ سامنے آ جا۔ اگر امرلال اور کلدیپ دیوی میں کوئی سمجھوتا بھی ہو گیا تو میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں تیرے گرو امرلال کو نشٹ کر سکتا ہوں۔" میں نے لاٹھی گھما کے کہا۔ اس تلخ کلامی سے میرا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امرلال مشتعل ہو جائے اور کلدیپ اور اس کے درمیان ٹھن جائے تا کہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ کلدیپ کے آنے سے پہلے میں اپنے بارے میں تمام خوش فہمیاں ختم کر چکا تھا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب میرا وقت آ گیا ہے۔ اس یقین کے بعد اس کسی بڑے سے بڑے معرکے سے گھبرانا بے معنی ہے۔

"میں آخری بار تجھ سے کہتا ہوں جمیل احمد خان!" امرلال دہاڑا۔ "یہاں سے بھاگ جا۔"

لیکن میں نے سنی ان سنی کر دی اور بدری نرائن کو للکار کے حملہ کیا۔ بدری نرائن چیختا ہوا مندر کی طرف بھاگنے لگا۔ اس کے جسم میں آگ لگ رہی تھی۔ مندر کے دروازے سے وہ یکبارگی مڑا اور امرلال سے چمٹ گیا۔ امرلال نے سخت غصے کے عالم میں اس کا بازو پکڑ لیا۔ آگ بجھ گئی۔ "اسے چھوڑ دو امرلال۔ نہیں تو تم بھی آگ کی لپیٹ میں آ جاؤ گے۔" میں نے طیش میں کہا۔ "چھوڑ دو اسے۔"

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"بدری! اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" امرلال چیخا۔ "میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔"

"مہاراج کی آگیہ کا پالن کرو بدری!" میں نے گرہ لگائی۔

بدری نرائن گھگیانے لگا۔ وہ کبھی امرلال کی سمت دیکھتا، کبھی کلدیپ کی طرف۔ اسے کوئی مزید مہلت عاجزی کی بھی نہیں ملی۔ امرلال نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیر کے اور کچھ پڑھ پڑھا کے اسے خود سے جدا کر دیا۔ اچانک بدری نرائن کو موت اور زندگی کا اہم فیصلہ کرنا پڑا اور وہ مقابلے کے لیے خم ٹھونک کے میدان میں آ گیا۔ "جے شیو شنکر کی۔" اس نے ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور اس طرح گھوم گیا جیسے کسی نے اس کے قدموں کے نیچے پھرکی لگا دی ہو۔ میں نے تیزی سے اپنے گرد حصار قائم کر لیا حالانکہ کلدیپ کی موجودگی میں یہ اقدام بے کار تھا۔ بدری نرائن ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ مجھے معلوم تھا، اس کا ہر حربہ ناکام ہوگا۔ امرلال نے اسے خود سے جدا کر کے سخت غلطی کی تھی۔ شاید اس کا خیال ہوگا کہ پھر اسے کمینگی کا موقع مل جائے گا اور کلدیپ دخل اندازی سے باز رہے گی۔ اس کے بیر میرے حصار کی طرف بڑھے۔ میں نے اپنے حصار کے آخری۔ رے پر پہنچ کے انہیں سید کی لاٹھی سے مارنا شروع کر دیا۔ بیر ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے گئے۔ پھر میں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ انکا مجھے ٹوکنے لگی کہ میں دیر کر رہا ہوں اور بدری نرائن کو خواہ مخواہ موقع دے رہا ہوں۔

"آج دل کی تمام حسرتیں نکال لے حرام کے تخم!" میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔ "کوئی وار نہ رہ جائے۔"

"منڈل سے باہر نکل کے دیکھ سور کی اولاد!" بدری نرائن نے میرے لہجے کی نقل کی۔

"لے یہ بھی سہی۔" انکا نے مجھے روکا مگر میں نے حصار توڑ دیا۔ جیسے ہی میں باہر آیا، کسی چیز سے ٹکرا کے اوندھے منہ گر گیا۔ بدری نرائن نے فوراً میری پشت پر چڑھ کے ایک زبردست ٹھوکر رسید کی۔ میں اسے لیے لیے زمین سے اس طرح اٹھا کہ بدری نرائن کی ایک ٹانگ میرے ہاتھ میں آ گئی۔ کاش میرے پاس دوسرا ہاتھ ہوتا۔ بدری نرائن نے زور کر کے اپنی ٹانگ چھڑا لی۔ اس گڑبڑ میں دوبارہ میری لاٹھی گر گئی اور بدری نرائن ایک جست لگا کر اسے حاصل کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا۔ لاٹھی بدری نرائن کے جسم کے نیچے دبی ہوئی تھی اور میں اس پر سوار ہو گیا تھا۔ یہ موقع بڑا اچھا تھا۔ میں اپنی غیر معمولی قوتوں کا سہارا لے کر بدری نرائن کا قصہ تمام کر دیتا مگر اس کا جسم بازوؤں میں آیا تو میری حالت ہی عجیب ہو گئی۔ میں نے اپنے ایک ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ کے اسے اٹھانے کی کوشش کی اور اٹھا لیا کیونکہ انکا نے بھی میری مدد کی تھی۔ لاٹھی بدری نرائن کے سینے سے چپکی ہوئی تھی اور وہ کسی چوہے کی طرح میرے ہاتھ کی زد سے نکلنے کے لیے تھرک رہا تھا۔ وہ میرا توازن بگاڑنا چاہتا تھا۔ ماورائی طاقتوں کی اس لڑائی نے جسمانی لڑائی کی شکل اختیار کر لی تھی جو میری خواہش کے عین مطابق تھی۔ میں نے اسے زیادہ دیر اپنے ہاتھ میں نہیں

نکلنے دیا بلکہ ایک جھٹکے سے زمین پر پھینک دیا۔ وہ چرمرا کے گرا۔ اس کے چیخنے کی ہذیانی آواز امرلال نے بھی سنی ہوگی۔ میں نے اس کے گرتے ہی ایک ٹھوکر لگائی۔ وہ بلبلاتے دور جا پڑا لیکن اس نے لاٹھی نہیں چھوڑی۔ میں نے فوراً دوسری ٹھوکر لگائی۔ وہ لڑھکتا ہوا چلا گیا اور دور جا کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ لاٹھی گھما رہا تھا۔ سید کی متبرک لاٹھی اس کے پلید ہاتھوں میں دیکھ کے میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی تھی۔ میں اس وقت سارے جنتر منتر بھول گیا تھا۔ میں نے اس پر ٹوٹنے کے لئے اس طرح پر تولے جیسے میں ایک درندہ ہوں اور وہ میرا ایک شکار۔ بدری نرائن میرا خوفناک ارادہ دیکھ کے امرلال کی طرف کھسک گیا۔ میں بھی امرلال کے قریب ہو گیا۔ چوہے بلی کے اس کھیل میں امرلال خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔ بدری نرائن مڑ مڑ کے امرلال کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ مجھے اپنے پیچھے لپکتا دیکھ کے آخر وہ ایک جگہ ٹھہر گیا اور اس نے چاروں طرف لاٹھی گھمانا شروع کر دی، میں نے اس کی پروا نہ کی کہ لاٹھی میرے سر پر پڑے گی یا سینے پر۔ میں درانہ لاٹھی کے دائرے میں داخل ہو گیا۔ لاٹھی کی ایک شدید ضرب میرے کان پر پڑی لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا، بدری نرائن گھبراہٹ میں اسے چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا اور میں نے اس کا تعاقب کرنے کے بجائے اس بار وہیں ٹھہر کے انکا کے بار بار مجبور کرنے پر اپنی انگلیاں اٹھائیں۔ بدری نرائن مجھ سے خاصا دور تھا مگر چوپٹ گر گیا۔ میں فوراً دوسرے منتر آزما سکتا تھا مگر میں لاٹھی بلند کیے کیے تڑپتے ہوئے بدری نرائن کے زندہ لاشے پر پہنچ گیا اور میں نے پوری طاقت سے لاٹھی اس کے سر پر دے ماری۔ بدری نرائن کی ایک کربناک چیخ بلند ہوئی۔ اس کا چہرہ خون سے نہا گیا۔ پھر میں نے دوسری بار لاٹھی اٹھائی اور اس کی ٹانگوں پر وار کیا۔ اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دینے لگی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کے اٹھایا اور جھنجھوڑ کر اسے دوبارہ زمین پر چھوڑ دیا۔ وحشت سے میرا جسم سلگ رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر لات رسید کی اور اس کا لہولہان سر اپنی ٹانگوں پر رکھ کے بے تحاشا طمانچے رسید کرنے لگا۔ میں نے اس کے منہ پر حقارت سے تھوک دیا۔ وہ جتنا تیز چلاتا اور سر پٹختا تھا اتنا ہی اس کی ٹانگیں توڑنے اور سر کچلنے کے لئے میرا ہاتھ بے تاب ہوا جاتا تھا۔ میرا ہاتھ امرلال کی گونج سے رک گیا۔

"دیوی! دیکھ رہی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "کالی کا ایک پجاری، ایک سیوک دم توڑ رہا ہے۔"

"میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں امرلال!" کلدیپ سرد آواز میں بولی۔ "میری ان آنکھوں نے اس سے زیادہ بھیانک مناظر دیکھے ہیں۔ اس وقت تم تپسیا میں مگن تھے۔"

"سمے گزر جائے گا، مورکھ!" امرلال تلملا کے بولا۔

"سمے کا کام گزرنا ہے۔" کلدیپ نے کہا۔ "تم اور میں اسے نہیں روک سکتے۔"

"میں اپنے چیلے کو بچاؤں گا۔" امرلال نے چھاتی پر ہاتھ مار کے کہا، پھر وہ تیزی سے بدری نرائن کی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

® Scanned PDF By HAMEEDI

جانب مڑا جسے میری عدم توجہی سے چند لمحوں کی مہلت مل گئی تھی۔ میری لاٹھی نے اس کا جسم خون سے رنگ دیا تھا۔ میری ٹھوکروں نے جگہ جگہ سے اس کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ بدری نرائن کی قوت مدافعت جواب دے رہی تھی۔ موت اور زندگی کا فیصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔

امرلال کے چہرے پر جلال اور غضب تھا۔ اس نے بدری کی شکستہ اور عبرت ناک حالت دیکھ کے ایک جھرجھری لی پھر اس کا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہوا لیکن اس سے قبل کہ اس کا بلند ہاتھ نیچے گر کر کوئی ہنگامہ کرتا، کلدیپ چیخ پڑی۔ "امرلال! بدری نرائن اور جمیل احمد خان کے درمیان مت بولنا۔ اس میں تمہاری اور ہماری دونوں کی مکتی ہے۔"

"تم خاموش رہو دیوی! میں نے کالی کی سیوا میں تم سے زیادہ جیون بتایا ہے۔ تم اگر بولو گی تو مجھے ایک ناری پر ہاتھ اٹھانے کا پاپ کرنا پڑے گا۔" امرلال جنونی انداز میں بولا۔

"جمیل!" اسی وقت انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے گاڑ کے مجھے متنبہ کیا۔ "بدری نرائن کا کھیل ختم کر دو۔"

مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ میں نے اپنی انگلی سے اسے یک لخت ہلاک کرنے کے بجائے اس پر لاٹھیاں برسانی شروع کیں۔

"رک جا، رک جا!" امرلال چیخا۔ "بس کر۔"

میں نے رک کر دیکھا۔ امرلال میری طرف آ رہا تھا۔ میں ڈٹ کے کھڑا ہو گیا۔ بدری نرائن آخری سانسیں گن رہا تھا، امرلال نے آ کے اسے غور سے دیکھا اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ "بدری!" وہ آہستہ سے بولا۔

بدری نرائن نے اس کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر میں نے اس کے منہ پر ایک اور لات رسید کر دی۔ امرلال نے بڑھ کے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کا ہاتھ چھوڑ دو امرلال!" کلدیپ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بدری کی شکستہ حالت نے امرلال کے ہوش و حواس معطل کر دیے تھے۔ وہ کلدیپ کو مخاطب کر کے چلایا۔ "اپرادھن! تیرے کارن میرا سیوک نشٹ ہو رہا ہے، اب تو اور تیرا دلال دونوں یہاں سے زندہ نہ جا سکیں گے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو مہاراج!" کلدیپ نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بدری نرائن کا انجام تمہارے سامنے ہے امرلال!"

میں درمیان میں بول پڑا۔ "مکتی چاہتے ہو تو ملا کو ہمارے ساتھ کر دو ہم چلے جائیں گے ورنہ پھر پچھتانے کے لئے بھی تمہارے پاس وقت نہ رہے گا۔"

"تو بہت بڑھ گیا ہے پلید!" امرلال نے اچانک اپنی مٹھی کھول کے میری طرف خاک کی ہوا کو اچھ

اچھال دی۔ وہ سفید راکھ تھی یا دھواں تھا، وہ مرچیں تھیں یا اس کے ہاتھ میں آگ بند تھی میرے جسم میں سوزش ہونے لگی۔ میں جھلسنے لگا۔ اس کا توڑ کرنے کی مجھے فرصت ہی نہیں ملی۔ چشم زدن میں جہاں راکھ پڑی تھی وہاں آبلے سے ابھرنے لگے اور تکلیف سے برا حال ہو گیا۔ لاٹھی پھر میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ میں اپنا جسم نوچنے لگا۔

انکا بھی میرے سر پر سہمی بیٹھی تھی۔ میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی کسمپرسی کی حالت میں مبتلا تھی۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔

"اب کیا وچار ہے تیرا؟" امرلال کلدیپ کو گھورتے ہوئے بولا۔

"دیوتا پر اپنا جیون بلیدان کرنا ہر پجاری کا دھرم ہونا چاہئے امرلال! میں ہر قیمت پر جمیل کی سہائتا کروں گی۔"

"کالی تجھے شما نہیں کرے گی پاپن!"

"میں نے کالی کو وچن دے دیا ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔"

ان دونوں کی بے وقت تکلیف دہ گفتگو میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھی۔ میں نڈھال ہو کے گرنے کے قریب تھا، میری ساری طاقت رخصت ہوا چاہتی تھی۔

"انکا! تمہی کچھ کرو۔" میں نے شدت کرب میں انکا سے کہا۔

"ذرا ہمت سے کام لو جمیل!" انکا نے اپنے ہاتھوں سے سر سہلاتے ہوئے کہا۔

"سوچ لے کلنکنی!" امرلال نے کلدیپ سے کہا۔

"امرلال! تم دھرماتما نہیں ہو۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا کہ میں نے کالی کے ایک مہان سیوک سے جھگڑا مول لیا تھا۔" کلدیپ غصے میں بولی اور پہلی مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹی۔ اس نے میری کلائی پکڑ لی اور تین بار جھٹکے دیے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سلگتے ہوئے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ میرے قدموں میں پھر جان آ گئی اور آبلے دب گئے۔ امرلال قریب کھڑا ہیبت ناک نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ "تم میرے پیچھے ہو جاؤ جمیل!" کلدیپ نے مجھے مخاطب کیا۔ "دخل اندازی کی کوشش نہ کرنا ورنہ امرلال مہاراج کو شکایت ہو جائے گی۔"

"نہیں کلدیپ! میں نے بدھ گیا اور نندا کے استھان پر بھاڑ نہیں جھونکا ہے۔ یہ بدبخت پیچھے سے وار کرتا ہے، یہ بڑا عیار ہے، میں اسے سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے ضد کی۔

"میری بات مان جاؤ جمیل!" وہ حکمیہ انداز میں بولی۔ "میں نے بھی تمہارا کہا مانا ہے۔ میں پرتم لال کا استھان چھوڑ کے تمہارے پاس آ گئی ہوں۔"

"کلدیپ......" میں نے مچل کے کہنا چاہا۔

Download from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"تمہیں کلدیپ کی قسم۔ جاؤ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

"یہ مجھ سے کیسے ہوگا کہ تمہیں اس موذی سے نمٹنے کے لئے تنہا چھوڑ دوں۔"

"جمیل!" کلدیپ کے لہجے میں محبت سمٹ آئی۔ "کیا میں تمہاری طاقتوں، تمہاری خوبیوں سے ناواقف ہوں؟"

میں مجبور ہو کے اس کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے کلدیپ کا اور اپنا درمیانی فاصلہ کم سے کم رکھا۔ انکا کو کسی پہلو قرار نہیں تھا۔

"آہ!" کلدیپ نے کہا۔ "امرلال! تم پہل کر سکتے ہو۔"

"تو دیوانی ہو گئی ہے۔" امرلال نے یہ کہہ کے زمین پر تین بار ڈنڈوت کیا اور کالی کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ کلدیپ کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اب میں کیا لکھوں کہ امرلال نے کیا، کیا؟ اس نے کون سا وار نہیں آزمایا؟ کون سا تیر نہیں چلایا؟ میں زخموں کی طرح دیکھتا رہا۔ بار بار میرا جی چاہتا تھا کہ کود جاؤں لیکن انکا ہر بار مجھے روک دیتی تھی۔ کلدیپ کسی بت کی طرح خاموش کھڑی تھی۔ سب سے پہلے امرلال نے کلدیپ کی زبان بند کرنا چاہی پھر اس کے جسم پر متعدد سوئیاں سی گھونپ دیں۔ اس کے بیر کلدیپ کے کپڑے کھینچنے لگے۔ یہ اقدام میرے لیے سوہان روح تھا۔ انکا نے شدت سے اس موقع پر مجھے روک دیا۔ اس کی ساڑھی اوپر کے جسم سے کھل گئی تھی۔ میری موجودگی میں امرلال کے سامنے کلدیپ کے بدن کا اوپری حصہ عریاں ہو گیا۔ اس کے صاف و شفاف بدن پر اچانک سیاہ دھبے چھانے لگے۔ میں نے رسی تڑانے کے انداز میں اپنی جگہ سے بھاگنا چاہا مگر انکا نے مجھے روک دیا۔ امرلال کا ہر حملہ ناکام ہو رہا تھا۔ نہ وہ سوئیاں چبھو کے کلدیپ کے قدم ہٹا سکا نہ اس کے بیروں نے کلدیپ کو عریاں کیا۔ کلدیپ میں نہ کسمساہٹ پیدا ہوئی نہ اس نے سیاہ دھبوں کی پروا کی۔ نہ وہ شعلے اس میں جلن پیدا کر سکے جو امرلال کے ہاتھوں سے برس رہے تھے۔ امرلال نے وہی سفید راکھ کلدیپ کے جسم پر اچھال دی جس نے میرے جسم پر آبلے ڈال دیے تھے۔ کلدیپ کی جلد بھدی ہو گئی اور اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ وہ لمحوں میں کریہہ شکل کی کوئی عورت معلوم ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کلدیپ کا ظاہری جسم اس تمام واردات سے متاثر ہو رہا ہے مگر باطنی طور پر وہ اتنی ہی سرشار اور مطمئن ہے جتنی پہلے تھی۔ اس کا اطمینان میرا دل دہلائے دے رہا تھا۔ ادھر بدری نرائن جان کنی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ انکا نے اس کے سر پر جانے کا ارادہ کیا کہ امرلال، کلدیپ سے معرکہ آرائی میں مصروف تھا مگر میں نے انکا کو اپنے سر پر ہی روکے رکھا۔ کلدیپ پر امرلال کا ستم بڑھ رہا تھا۔ اب تک میں نے متعدد پنڈتوں اور پجاریوں کی لڑائیاں دیکھی تھیں۔ خود میں ان سے نبرد آزما ہوا تھا مگر یہ سب سے ہولناک لڑائی تھی۔ کلدیپ کا بدن داغ دار ہو چکا تھا۔ وہ شعلوں میں گھری کھڑی تھی۔ امرلال نے پہلے تو وہی چھوٹے موٹے جنتر منتر آزمائے جو عام سادھوؤں، پنڈتوں اور پجاریوں کا طور طریقہ ہوتا ہے پھر وہ رفتہ

رفتہ متشدد ہوتا گیا۔ اس نے کلدیپ کے قدم اکھاڑنے اور اس کا انہماک توڑنے کے لئے ہر خطرناک وار کیا۔ اس کے بہت سے بیر کلدیپ سے دور ہو گئے تھے۔ امرلال وحشیانہ انداز میں، کسی مجنوں، کسی پاگل کی طرح پے در پے صدمے پہنچا رہا تھا پھر اس نے ایک مذموم حرکت کی۔ اس نے کلدیپ کی زمین سے چھوتی ہوئی ساڑھی کھینچ لی اور اسے اتارنے کے لئے دائرے کی صورت میں گھومنے لگا۔ اب میرے لیے رکنا محال تھا۔ کلدیپ سرتاپا عریاں ہونے کے قریب تھی۔ وہ میری ناموس میری غیرت تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔ "او مادر بخطا، اپنے ہاتھ روک لے، نہیں تو......"

انکا نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور میری آواز گھٹ کے رہ گئی۔ امرلال آخری بند کھولتے کھولتے رک گیا اور اس نے غور سے اس سیاہ شکل کی جلی ہوئی مسخ کلدیپ کو دیکھا جسے وہ ایک انچ بھی اس کی جگہ سے نہیں ہلا سکا تھا۔ سید کی لاٹھی بدری نرائن کے قریب پڑی تھی کیونکہ مجھے اسے دوبارہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ امرلال نے کسی مردے کی طرح کلدیپ کو مارنے کے لئے اچانک لاٹھی اٹھالی۔ اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے اسے نظر بھر کے دیکھا، اس کا ہاتھ رکے کا رکا رہ گیا لیکن وہ ایک بڑا پنڈت، ایک بڑا پجاری تھا۔ اس نے جلد ہی میرے عمل کا توڑ کر لیا اور ایک بھرپور ضرب کلدیپ کے جسم پر لگائی۔ کلدیپ کے منہ سے پہلی بار ایک کراہ نکلی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میں اس عرصے میں امرلال کے جسم پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ اس امر کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسے لیے زمین پر گر گیا۔ یکایک کلدیپ کی کھنکھناتی ہوئی آواز آئی۔ "ہٹ جاؤ جمیل!"

"میں اسے چباڈالوں گا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

امرلال نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے میں گاڑ کے مجھے دھکا دے دیا۔ میں لڑھکتا ہوا دور ہو گیا۔ کلدیپ نے حیرت انگیز پھرتی سے ستر پوشی کر لی تھی اور یہ دیکھ کے میری آنکھیں چندھیا گئیں کہ اب اس کے جسم پر کوئی دھبا، کوئی داغ نہیں تھا۔ وہ پھر پہلے کی طرح اجلی اور صاف و شفاف نظر آ رہی تھی۔ امرلال نے وحشت انگیز نظر سے اسے دیکھا اور زمین سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"امرلال!" کلدیپ نے مطمئن آواز میں کہا۔ "تم نے کالی کے مہان سیوک کو دیکھ لیا؟"

"ہاں دیکھ لیا۔" وہ شکست خوردہ آواز میں بولا۔

"اب کیا وچار ہے؟" کلدیپ نے کہا۔

"میں تجھے آگیا دیتا ہوں کہ تو بھی اپنے حوصلے نکال لے۔"

"میں تمہیں سوچنے کا ایک موقع دیتی ہوں۔"

"میں تجھے آگے بڑھنے آگیا دیتا ہوں۔"

"مجھے ایک ناپسندیدہ کام کرنا ہوگا۔"

Download from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"کلدیپ اسے ختم کر دو۔ کوئی رعایت مت دینا۔" میں نے لقمہ دیا۔ کلدیپ نے میری طرف اس طرح حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ میں کانپ گیا۔ اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ تم بے فکر رہو۔ تم جو چاہو گے وہی ہوگا کیونکہ تمہی میرے لیے سب کچھ ہو۔ میں ان نگاہوں کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ میری گردن جھک گئی۔ معاً مجھے خیال آیا کہ کلدیپ کہیں امر لال سے شکست نہ کھا جائے؟ لیکن میرے سوچنے میں دیر ہو گئی۔ کلدیپ اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ کلدیپ زمین پر ایک خاص انداز سے بیٹھی ہوئی تھی اور امر لال کلدیپ کی طرح ایک طرف خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ کلدیپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس نے آسمان پر نظر ڈالی۔ وہ دیر تک زمین سے لپٹی رہی پھر اٹھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور امر لال کی طرف مضحکہ خیز انداز میں گھمائے۔ نہ جانے اس کے عمل میں کیا اثر تھا کہ امر لال بے چین سا ہوا اور اس کی بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ میں اس ایک لمحے کو دیکھ بھی نہ سکا۔ امر لال خون میں لت پت جنونی انداز میں مندر کی طرف بھاگ رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے زمین پر پڑے تھے مگر وہ مندر تک نہ جا سکا۔ کلدیپ نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ اس کی انگلیاں غالباً برچھے بن کر امر لال کے جسم میں چبھ رہی تھیں اور خون کے لئے سوراخ کر رہی تھیں۔ خون کے کئی فوارے امر لال کے جسم سے ابلنے لگے تھے۔ وہ مندر کی چوکھٹ پر گیا۔ یکلخت کلدیپ نے اپنا ایک ہاتھ زمین سے مس کیا اور تیزی سے دائیں بائیں جانب پھیرا۔ امر لال کا سر تن سے جدا ہو گیا تھا۔ یہ ایک ہولناک منظر تھا جو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں کلدیپ کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔ عجیب بات تھی کہ اس کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ بڑے تحمل سے یہ تمام کام انجام دے رہی تھی۔ ہاں اس کے چہرے پر ایک حزن تھا، ایک سوگواری۔ ایک اذیت نمایاں تھی۔ امر لال کا لاشہ تڑپ رہا تھا اور اس کا سر مندر کی چوکھٹ رنگ رہا تھا۔ پھر کلدیپ نے اس کا جسم سیاہی میں تبدیل کر دیا اور اس کا سرخ سر اپنی بے نور آنکھوں کے ساتھ مندر کی سیڑھیوں پر پڑا رہا۔ میں لپک کر کلدیپ کے قریب گیا اور میں نے اس کے ہاتھوں کو دیوانہ وار بوسے دیے۔ اپنی لاٹھی اٹھائی جسے امر لال وحشت میں زمین پر چھوڑ گیا تھا۔ کلدیپ بے حال ہو کے میرے سینے سے لگ گئی۔ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا اور اتنی زور سے اسے اپنے اندر سمونے کی کوشش کی کہ ہماری سانسیں اکھڑنے لگیں۔ "کلدیپ، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے پریتم لال کے استھان پر اتنی زبردست تپسیا کی ہے؟" میں نے اپنی سانسیں بحال کرتے ہوئے کہا۔

"جمیل!" وہ نقاہت سے مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ میرے سینے سے چمٹ گئی، میرے دل میں اتر گئی۔ میرے جسم و جاں میں سرایت کر گئی۔ وہ میرے اندر تحلیل ہو گئی اور انکا خوشی سے ناچنے لگی۔ وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہرا رہی تھی۔ میں نے اس کا سراپا سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ یقیناً زمین پر گر گئی ہوتی۔ ہم دونوں اس طرح دیر تک ایک دوسرے میں ضم رہے۔ اس کا چہرہ آنسوؤں

Downloaded from Paksociety.com

سے تربتر تھا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ بدری نرائن ابھی تک زندہ تھا۔ اس کی کراہوں نے ہمارا سکون درہم برہم کیا۔ وہ زمین پر پڑا سسک رہا تھا۔

"کلدیپ، اس کا کیا کروں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جو تمہاری مرضی ہو۔" وہ منفعل انداز میں بولی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اس کے ساتھ ایک آخری احسان کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے خود سے جدا کرتے ہوئے کہا اور بدری کے تڑپتے ہوئے جسم کے پاس پہنچا۔ "تو نے مرنے میں بہت دیر کر دی بدری نرائن!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "تیری صورت دیکھ کے مجھے نرگس اور مالا کے چہرے یاد آتے ہیں۔ ظالم! تو نے بہت ظلم کیے۔ کیا میں تجھے ترینی کی طرح زمین پر سسکتا ہوا چھوڑ دوں۔ تیرے ہاتھ کاٹ ڈالوں، تیری زبان گدی سے کھینچ لوں، تیری آنکھ پھوڑ دوں؟" میں نے کہا۔

بدری نرائن کی آنکھیں مرتعش ہوئیں اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ایک بھرپور ٹھوکر مار کے اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے زمین پر گھسیٹتا ہوا دور تک لے گیا۔ بدری نرائن دور تک میرا ساتھ نہ دے سکا۔ راستے ہی میں ہمت ہار بیٹھا۔ اس کی سخت جانی نے سپر ڈال دی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تب بھی مجھے قرار نہیں آیا اور میں نے اس کی لاش روند ڈالی اور ٹھوکر سے اسے دور پھینک دیا۔ کلدیپ نے آ کے میرا بازو نہ پکڑ لیا ہوتا تو میں اس کا قیمہ کر دیتا۔

"مالا مندر ہی میں رہی جاتی ہے۔ کیا اسے یہیں چھوڑنے کا ارادہ ہے؟" انکا نے تیکھے انداز میں ٹوکا۔ مجھے احساس ہوا کہ کلدیپ کی غیر متوقع رفاقت اور بدری نرائن کے غیر متوقع انجام سے میں نے ہوش و حواس کھو دیے ہیں۔ مالا کو میں بھولے جا رہا ہوں، جس کے لئے یہاں آیا تھا۔ مالا مندر کے اندر موجود تھی۔ میں نے خود پر لعنت بھیجی۔ کلدیپ بھی انکا کے ٹوکنے پر خفیف ہوئی۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں اسے باہر چھوڑ کے بھاگا۔ بدری نرائن اور امر لال کی خون آلود لاشیں پھلانگتا ہوا مندر میں داخل ہو گیا۔ کالی کی مورتی کی پشت پر ایک کمرا موجود تھا۔ انکا نے میرے اوسان برقرار رکھے۔ میں نے دروازے کی کنڈی تلاش کرنے کی زحمت نہیں کی۔ امر لال اور بدری نرائن کے بعد اب کسی مزاحمت کا امکان نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ایک بھرپور ٹھوکر سے دروازہ توڑ دیا۔ اندر سے بدبو اور سیلن کا ایک بھبکا آیا۔ مجھے مالا کے متعلق سخت تشویش ہوئی۔ میں راستے میں پتھریلے فرش پر کئی بار گرتے گرتے بچا اور سیاہ کوٹھری میں جو کسی بڑے چوبی دان سے مشابہ تھی، اندر تک چلا گیا۔ مالا کے جسم سے میری ٹانگیں ٹکرائیں۔ وہ اس اندھیرے اور حبس زدہ ماحول میں بے ہوش پڑی تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ میں اسے اپنی پشت پر لاد کے تیزی کے ساتھ مندر سے باہر آ گیا۔ باہر کلدیپ مندر کے کنوئیں کی من پر اداس بیٹھی تھی اور مندر کی فضا پر ایک عجیب ہیبت طاری تھی۔ امر لال کا خون زمین خشک کر رہی تھی اور اس کی کھوپڑی کی پھٹی ہوئی آنکھیں

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

فسانہ عبرت بیان کررہی تھیں۔ میرا جی چاہا کہ میں بدری نرائن کے لاشے پر ایک بار اور تھوک دوں مگر میری یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ کنوئیں کے من پر مالا کو ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔ وہ جیسے ہی ہوش میں آئی، پھٹ پڑی۔ میں نے اس کے رخساروں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دیں۔

"مالا! میری جان ہوش میں آؤ۔ دیکھو، یہ میں ہوں، آنند لال کا دوست!"

"وہ......وہ......" اس نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔ اس کا اشارہ آنند لال کی طرف تھا۔ اس کے منہ سے باقی الفاظ نہیں نکلے۔ اچھا ہوا، اس سے کچھ بولا نہیں گیا، میں اسے کیا جواب دیتا؟

"صبر کرو مالا! میں ابھی زندہ ہوں۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ ہم سب جانے ہی کے لئے ہیں۔ ہمت سے کام لو۔ تم تو ایک باہمت عورت ہو۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ خود مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔

مالا کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ وہ دہاڑیں مار مار کے بین کرنے لگی۔ نتیجتاً مجھے انکا کو اس کے سر پر بھیجنا پڑا اور ہم خاموشی سے مندر کے وحشت ناک علاقے سے دور ہوتے گئے۔

آبادی کے قریب آتے ہی ہم لوگ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ کلدیپ سے اس دوران میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ نہ مجھے اس سے بات کرنے کا سلیقہ آیا، نہ اسے کچھ کہنے کی جرأت ہوئی۔ ہم کبھی کبھی ایک دوسرے سے نظریں ملاتے اور فوراً پلکیں جھکا لیتے۔

سید غوث کے گھر پر بھی یہی سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب ہماری ٹیکسی رکی اور ہم اس میں سے برآمد ہوئے تو سب نے ہمیں گھیر لیا۔ وہ ایک غیر یقینی صورت حال کا شکار تھے۔ ہر شخص کی آنکھیں نم تھیں۔ انہیں شاید ہمارا انتظار تھا کہ ہم آئیں تو وہ روئیں۔ کلدیپ کو دیکھ کے تزئین کی عجیب حالت ہوگئی مگر وہ بھی اسی تضاد کا شکار تھی جس ستم ظریفی کا زخمی میں تھا۔ مالا کی وجہ سے میں نے ضبط کیا۔ جلد ہی مالا کو اندر لے جایا گیا اور گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ وہ کھل کے روئے۔ ایسے روئے کہ آسمان کا کلیجا ہل گیا ہوگا۔

ابھی آنند لال کی چتا کی آگ ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی تھی کہ کلدیپ نے افسردگی سے یہ سنسنی خیز اعلان کیا کہ وہ جلد از جلد پریتم لال کی پہاڑی پر واپس جانا چاہتی ہے۔ خصوصاً میرے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں سمجھا تھا کہ اب کلدیپ آگئی ہے تو مجھے اکیلا چھوڑ کے واپس اپنی دنیا میں نہیں جائے گی۔

آنند لال کی موت کے بعد یہ دوسرا صدمہ تھا۔ میں نے زیر لب آنند لال کی آتما سے کہا۔ "میری جان، میں بھی آرہا ہوں تمہاری موت کے صدمے سے تو جان بر ہوگیا لیکن کلدیپ کی جدائی زندہ نہیں رہنے دے گی۔"

"میں تمہیں وہاں ضرور لے جاؤں گا۔" میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔ "لیکن ایک شرط پر کہ تمہیں وہاں سے واپس بھی آنا ہوگا"

Downloaded from Paksociety.com

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میرے دل سے اور قریب ہوگئی۔ "بولو! تم میرے ساتھ واپس آ جاؤں گی نا؟"

"ہاں، تم مجھے واپس لے آنا۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سچ!" میں نے وفورِ مسرت سے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

پریتم لال کے استھان پر پہنچ کر کلدیپ یوں مطمئن نظر آنے لگی جیسے کسی نے برسوں بعد اپنی کھوئی ہوئی منزل کا سراغ پالیا ہو۔ کلدیپ کی غیر موجودگی سے کٹیا اجاڑ اجاڑ نظر آتی تھی۔ اس نے اسے سنوارا۔ اس بار میسور کا یہ پُر اسرار پہاڑی مقام بہت دلکش لگ رہا تھا۔ پہلے میں یہاں آتا تو امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار رہتا لیکن اب کلدیپ میرے ساتھ تھی اور اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ چند دن اپنی کٹیا میں گزارنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے میری ہو جائے گی۔ وہ خود کو میرے حوالے کردے گی۔ میں جہاں چاہوں گا، اسے لے جاؤں گا۔ اس یقین دہانی کے بعد میری حسرتوں کو قرار آگیا تھا۔ جس شخص نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا عرصہ اچھے وقت کی امید میں گزار دیا ہو اس کے لئے یہ چند دن کیا اہمیت رکھتے تھے؟ کلدیپ جب جھرنے کے پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی ہوتی تو میں اس کی آغوش میں سر رکھ کے لیٹ جاتا اور آنے والے دنوں کے منصوبے بناتا رہتا۔ میں بچہ بن گیا تھا جس کے ہاتھ میں کلدیپ نامی ایک گڑیا دے دی گئی تھی۔ گڑیا اپنی باتوں، اپنی مسکراہٹوں سے مجھے بےخود کردیتی۔ کبھی وہ میری باتیں سن کے بجھ سی جاتی۔

ایک رات میں نے اس سے پوچھا۔ "کلدیپ! تم کسی بات سے خوف زدہ معلوم ہوتی ہے۔ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہو؟"

"نہیں" وہ گھبرا کے بولی۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"ان ویرانیوں اور تنہائیوں میں رہتے رہتے یقیناً تمہاری طبیعت اور مزاج میں فرق آگیا ہوگا۔ میں تمہیں ایک بار پھر پونا کی حسین و جمیل شوخ و شنگ لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہو بس اب ہم کل یہاں سے لوٹ چلیں گے۔"

"صرف دو روز اور رک جاؤ جمیل!" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میرے من کو مہاراج کے اس پوتر استھان پر شانتی ملتی ہے۔ بس دو روز اور......اس کے بعد تمہیں مجھ پر پورا ادھیکار ہوگا۔ میں تمہارے بس میں ہوں گی، جہاں چاہو لے جانا۔"

پھر ایک دن اور گزر گیا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہی۔ پھر جانے میں صرف ایک رات درمیان میں رہ گئی۔ اس رات وہ بہت مضطرب تھی۔ بار بار میری آغوش میں سسکنے لگتی۔ بار بار خوف زدہ ہو کے میرے بازوؤں میں دبک جاتی تھی۔ "صرف ایک پہاڑ سی رات رہ گئی ہے۔ کل میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا اور ہم باقاعدہ کسی کے سامنے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا رسمی عہد کرلیں گے۔ پھر تم پر مجھے قانونی اختیار ہوگا۔"

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں جمیل، ایک ہی رات کی بات اور ہے۔ کل یہ کٹیا ویران ہو جائے گی۔ ایک ہی رات تو باقی ہے۔ میرا من چاہتا ہے ساری رات جاگتی رہوں اور تمہیں دیکھتی رہوں اور یہ کٹیا دیکھتی رہوں۔ یہ سب کچھ بہت سندر لگ رہا ہے۔ آج کی رات سہاگ رات ہے کیونکہ تم میرے پاس ہو۔ میرے پاس ہی رہنا۔'' آخری جملہ کہتے کہتے کلدیپ کی پلکوں کے گوشے نم ناک ہو گئے۔

''کلدیپ!'' میں نے وحشت زدہ ہو کے کہا۔ ''تمہیں مہاراج کی سوگند، یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ تم مجھ سے یقیناً کچھ چھپا رہی ہو۔''

''اب چھپانے کا سمے بیت گیا جمیل!'' اس نے میرے ہاتھ پر اپنے رخسار رگڑتے ہوئے کہا۔ ''جو لمحے بیت رہے ہیں، بس بیت گئے ہیں۔''

''کلدیپ، کلدیپ!'' اس کے دل گرفتہ لہجے کی کسک محسوس کر کے مجھے بیٹھنا دشوار ہو گیا۔

''ہاں جمیل! بے چین مت ہو۔'' اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''آج تو جنم جنم کی آس پوری ہونے کی رات ہے۔ میں نے اس رات کے انتظار میں ایک ایک پل گن کے گزارا ہے۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ آؤ، کوئی دوری نہ رکھو۔ آؤ سارے فاصلے ختم کر دو۔''

کلدیپ کی حالت لمحہ بہ لمحہ متغیر ہوتی گئی۔ میرے دل کی دھڑکنیں قابو میں نہیں رہی تھیں۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''وقت کم رہ گیا ہے جمیل! بس مجھے اپنے قریب رکھو۔ میرے لبوں پر اپنے لب رکھ دو اور میری بات دھیان سے سنو۔ تم کہتے تھے کہ میں نیچے اتر آؤں۔ میں نیچے نہیں اتری کیونکہ مجھے یہاں سادھو پریتم لال نے اپنی جگہ دی تھی۔ تم اس درمیان زخم پہ زخم کھاتے رہے اور میں یہاں تمہارے لیے دعائیں مانگتی رہی۔ میں عام زندگی میں آنے سے بچتی رہی اور میں نے اپنا تن من اور دھیان تپسیا میں لگا دیا لیکن میں اس سارے وقت میں تمہارے ساتھ ہی رہی۔ کبھی کلپنا کے روپ میں، کبھی کسی اور طرح اور جب میں چلی جاتی تھی تو مجھے تمہاری خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ بدری نرائن بہت پہلے مر گیا ہوتا مگر اس نے کالی کی شرن حاصل کر لی تھی اور اس کے پیچھے بڑے بڑے سادھو پنڈت تھے۔ تم اس دلدل سے نکلنے کے بجائے اس میں پھنستے ہی گئے اور بدری نرائن نے امر لال کی شرن لے لی جو کالی کا مہان سیوک تھا مگر جس کا دل کالا تھا۔ وہ اگر تمہارے راستے کے درمیان رہتا تو تمہیں کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ تم بے چین رہتے تو میرے من کو شانتی نہ ملتی۔ میں نے تمہارے لیے گیان دھیان میں ایسا سر کھپایا کہ دیوی دیوتاؤں کی نظر میں میری بات کا مان ہو گیا۔ میں نیچے اترنا نہیں چاہتی تھی لیکن مجھے نیچے اترنا پڑا۔ آنند لال کے مرنے کے بعد تم امر لال سے بھینٹ کرنے جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔ اس بار امر لال تم سے کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ سو میں نے دیوی کو وچن دیا کہ میں کامیابی پر اس کے

لئے اپنا جیون بھینٹ کروں گی۔ دیوی نے میرا بلیدان سویکار کر لیا اور امر لال مر گیا۔ تم نے بدری نران اور امر لال سے چھٹکارا پا لیا اور میں کامیاب ہو گئی۔ اب وچن پورا ہونے کا سمے آ گیا ہے۔ تمہارے کارن میں نے دیوی سے دس روز کی مہلت مانگ لی تھی۔ آج آخری رات ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ بالآخر میں تمہارے کام آ گئی اور تمہاری نظروں میں سرخ رو ہوئی۔ تم آخری وقت میں میرے پاس ہو اور آزاد ہو۔ میری بات دھیان سے سننا۔ اپنا جیون پاگلوں کی طرح مت بتانا نہیں تو میری آتما بے آرام رہے گی۔ سن رہے ہو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟'' وہ نڈھال ہو کے بولی۔

''کلدیپ!'' میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ ''کلدیپ، خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ جو تم نے کہا ہے، کہو کہ وہ جھوٹ ہے، کہو کہ تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو، تم میرا امتحان لے رہی ہو۔ خدا کے لئے ایسا بھیانک مذاق مت کرو۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔'' میں ہذیان بکنے لگا۔

مجھ پر جنون طاری ہو گیا اور میں نے اس کے ہاتھ پاؤں اپنے ہاتھ میں دبوچ لیے، جیسے میں اس کی روح کو روکے رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ وہ مسکرا دی۔ یہ مذاق نہیں تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اٹھ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا اور میری آغوش میں کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح گر گئی۔ ''کلدیپ! کلدیپ!'' میں جنونی انداز میں چیخ رہا تھا۔ وہ مجھے دلاسا دے رہی تھی۔ وہ ایک رات کی مہمان تھی اور رات گزرتی جا رہی تھی۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میرے بین سے وہ اداس ہو گئی تھی۔ وہ مجھے خوش دیکھنے کے لئے اصرار کرتی تھی۔ یکایک میرے منہ سے قہقہے ابلنے لگے۔ پہاڑی پر ان قہقہوں کی بازگشت دور دور تک سنی گئی ہو گی۔ میں مسلسل ہنستا رہا اور رات گزرتی رہی۔ صبح ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں بہت ہنس چکا ہوں۔ اب مجھے رونا چاہیے۔ اس کی لاش میری آغوش میں جھول رہی تھی۔ میں نے اس کی ویران آنکھیں بند کیں۔ انہیں بوسے دیے اور اس کا چہرہ میرے آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ میرے آنسوؤں نے اس نے آخری غسل کیا۔ سامنے پتھریلی دیوار تھی۔ اس کا اکیلا پن دور کرنے کے لئے میں اپنا سر اس سے پھوڑنے کے لئے تیزی سے بڑھا مگر انکا نے اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں اس کی لاش پر گر پڑا اور مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

☆......☆......☆

میں کسی ٹرین میں بیٹھا ہوا تھا کہ انکا نے مجھ مخبوط الحواس شخص کے سر سے اپنا تسلط دور کیا۔ میں نے ٹرین سے کودنے کی کوشش کی تو وہ پھر برہم ہو گئی اور دوبارہ مجھ پر قبضہ جما کے مجھے سمجھانے لگی۔ ایک پاگل، ایک وحشی کو سمجھانے لگی۔ میری ہر کوشش اس نے ناکام بنا دی اور مجھے موت ہی سے نفرت ہو گئی۔ میں نے انکا کے تسلط سے بغاوت کر دی۔ وہ زمانہ اور تھا جب انکا مجھے عرصہ دراز تک کے لئے معطل کر دیتی تھی۔ ہوش آیا تو مجھے اپنی کسمپرسی، اپنی بے زبانی اور اپنے کم مائیگی کا شدید احساس ہوا۔ یہ میرا حقیر وجود، نفرت انگیز

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

وجود۔ میں ایک کیڑا، ایک کتا۔ میں ایک پاگل انسان۔ میں نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ سب جا رہے تھے مگر میرے لیے راستے بند تھے۔ نرگس گئی، مالا گئی، آنند لال گیا اور اب کلدیپ بھی چلی گئی۔ میں بے غیرت زندہ رہا۔ انکا مجھے تزئین کے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے راستہ بدل دیا۔ اب دنیا سے میرا کیا علاقہ تھا؟ بدھ گیا جانے کا شعور تھا، نہ گلبرگے کے سید مجذوب کو پکڑنے کی فکر تھی۔ یہ تو ساری شعور کی باتیں ہیں۔ اپنا گھر نہ بن سکا۔ اپنی دیواریں نہ اٹھ سکیں۔ انکا نے بولنا چھوڑ دیا۔ وہ سر پر خاموش بیٹھی تھی۔ اِدھر سے اُدھر منزلوں منزلوں، کوچہ گرد، آوارہ گرد۔ نہ نام کا خیال، نہ زندگی برتنے کا لحاظ۔ میری ٹھوکر پر دنیا تھی یا میں دنیا کی ٹھوکر پر۔ میں وہ پتھر تھا جو ہر ضرب سے اِدھر اُدھر لڑھک رہا تھا۔ کون جانے کہ دل پر کیا گزری؟ بس بہت کہہ دیا۔ جب یہ منزل آئی تو زبان کانپتی ہے، ہاتھ لرزتے ہیں۔

☆......☆......☆

چلا چل مسافر چلا چل۔ دنیا سرائے فانی ہے۔ ہر چیز آنی جانی ہے، ہر بشر کو موت نصیب ہوگی۔ موت کا فرشتہ جمیل احمد خان سے کب تک پہلو بچاتا رہے گا۔ کبھی تو آمنا سامنا ہوگا۔ سو چلتا رہا، ویرانوں میں، آبادیوں میں، پہاڑوں پر، گھاٹیوں میں، کسی جگہ مڑ گیا، کسی جگہ سو گیا، نہ سونے کا وقت، نہ اٹھنے کا وقت، کسی درخت کے نیچے یا تپتی جلتی دھوپ میں۔ آسمان گرجتا رہا اور میں زمین پر اس کے تمام وار سہتا رہا۔ بس یہی ٹھہرا کہ ساری زمین اپنا مکان ہے۔ ہر گوشہ اپنا ہے۔ اس کا تصور ہے، ہے ہے، نہیں ہے نہیں ہے۔ کسی نے کھانا دے دیا، کھا لیا۔ نہ فکر کی نہ استدعا کی اور نہ ہاتھ ہی پھیلایا۔ بس ایک لاٹھی، سید مجذوب کی نشانی۔ بس ایک تار تار چادر اور چیتھڑے لگا لباس۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ انکا میرے سر پر مچل رہی ہے۔ شاید میں گلبرگے آ گیا تھا۔ جسم پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ کچھ آنکھیں کھلنے لگیں۔ سامنے حضرت گیسو درازؒ کا مزار تھا۔ جی چاہا کہ دوڑ کر وہیں کسی پتھر سے اپنا سر پھوڑ ڈالوں۔ انکا اسی لمحے اتر گئی۔ میں نے آواز لگائی۔ ”کدھر ہے وہ سید مجذوب! ارے سامنے آ، ذرا ساتھ لے کے چل، پردہ پوشی کیوں کرتا ہے؟“

ملنگوں نے مجھے گھیر لیا۔ ”یہ سید کو کیا کہتا ہے؟“

”سید سے کہو، اب پردہ داری کیوں کرتا ہے؟“ میں نے چیخ کر کہا۔

”کون ہے یہ؟“

”میں بتاتا ہوں۔“ درمیان میں بھیڑ چیرتا ہوا ایک بوڑھا آیا۔ وہ سید تھا۔ ”مستانے! کھیل تماشے سے جی بھر گیا؟“ وہ دور ہی سے چلایا۔

”ہاں، ہو چکا بہت کچھ۔ اب حکم دے کیا کرنا ہے؟“ میں نے بے نیازی سے کہا۔ ”مجھے حکم دے ورنہ یہ لاٹھی بھی لے لے۔“

”اسے لے جاؤ۔“ سید نے کہا۔ ”خواجہ کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ درویشی اس کے نصیب

میں نہیں ہے۔ یہ تو شعبدے باز ہے۔ کرتب دکھاتا ہے۔ پر اس کا دل ٹھنڈا کر دو۔ اسے شربت دو ورنہ یہ گرمی سے جل جائے گا۔“ سید نے لوگوں سے کہا۔

”تیرے ساتھ جاؤں گا۔“ میں نے بچوں کی طرح ضد کی۔

”چل، میرے ساتھ چل۔ میری انگلی پکڑ لے۔ دیکھنا، پھسل نہ جائیو۔“ سید نے کہا اور وہ مجھے ساتھ لیے حضور گیسو درازؒ کی چوکھٹ پر پہنچ گیا۔ مجھ سے اندر نہیں جایا گیا۔ سید نے بھی انگلی چھوڑ دی۔ میں نے وہیں سر رکھ دیا اور میرا سوتا کھل گیا اور سیلاب بہنے لگا۔ نہ جانے کب سید نے گدی سے پکڑ کے مجھے اٹھایا۔ میں بے وزن ہو چکا تھا۔

”بس یہیں رہنے دے۔“ میں نے کہا۔ ”رہنے دے بابا۔“

”نہیں۔“ وہ سختی سے بولا۔ ”تو یہاں نہیں رہ سکتا۔“

”تو میں کہاں جاؤں؟“

”باڑے میں۔ تیرا ٹھکانا وہیں ہے، کسی کھونٹے سے بندھ جانا۔“

”ٹھیک ہے، نہیں سنتا نہ سن۔“ میں نے بپھر کے کہا۔ ”اپنی لیے جاتا ہے، میں جا رہا ہوں، بس بابا، خدا حافظ۔“

”جا جا، ہواؤں میں اڑ جا۔ ساحل پر چلا جا۔ کوئی تیری راہ دیکھ رہا ہے۔“

”جا رہا ہوں۔ پر چلتے چلتے ایک بات کہے دیتا ہوں۔ میری کوئی خبر نہیں، اپنے کنبے کا خیال رکھیو۔ تیری بیٹیاں اور بیٹے بے چھت کے نہ رہ جائیں۔ میں سب کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔“

”کم بخت، محتاج، فراری۔“ وہ اشتعال میں بولا۔ ”او بینا نابینا اوپر کی چھت نظر نہیں آتی؟ اس کے سپرد نہیں کرتا؟ جا نکل جا یہاں سے نا ہنجار۔“

میں نے مڑ کے دیکھا۔ سید ورد میں مصروف ہو گیا تھا اور بہت سے حلقہ بگوشوں نے اس کی آواز میں آواز ملانی شروع کر دی تھی۔ میرا دل ان میں شامل ہونے کے لئے تڑپنے لگا مگر میرے قدم رک گئے اور میں خواجہ گیسو درازؒ کے علاقے سے آگے نکل آیا۔ راستے میں رکن الدین کا مکان پڑتا تھا۔ میں نے اس کے مکان پر حسرت کی ایک نظر ڈالی اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ گلبرگے کی آبادی سے دور پہنچ کر انکا پھر میرے سر پر آ گئی۔ میں نے کچھ نہیں کہا اور میں آگے ہی بڑھتا رہا۔

☆......☆......☆......☆

اور پھر کئی مہینے گزر گئے۔

پہلے وحشت کا عالم تھا، اب وہ بھی رخصت ہو گئی تھی۔ خالی الذہنی تھی، زندہ تھا اور زندگی کا احساس باقی رہ گیا تھا۔ ایک چلتا پھرتا، رینگتا ہوا حقیر کیڑا۔ ایک بے ضرر جانور جو منہ اٹھا کے جگالی کر لیا کرتا تھا اور

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

چھاؤں میں شور اور ہنگامے کی پروا کیے بغیر سو جاتا تھا۔ یوں ہی بے مقصد بے سروپا گھومتے گھومتے بمبئی پہنچ گیا جہاں کئی لوگ میرے لیے آنکھیں بچھائے ہوئے ہوں گے لیکن کسی کو دیکھنے کی چاہت نہیں تھی، کوئی روشنی بجھ چکی تھی۔ لاٹھی سنبھالے کبھی اس فٹ پاتھ پر، کبھی اس فٹ پاتھ پر زندگی کی چہل پہل دیکھا کرتا، غم اور خوشی کا احساس نہیں رہا۔

شاید اسی طرح زندگی گزر جاتی مگر ایک دن جب میں پاؤں پسارے گردن لٹکائے بجلی کے کھمبے کے پاس بیٹھا مکھیاں مار رہا تھا اور گلی کا کتا مجھ سے چھیڑ خانی کر رہا تھا کہ دور سے ایک چیخ سنائی دی۔ میں نے بے نیازی سے مڑ کے دیکھا۔ ایک سفید فام عورت تیزی سے بھاگی میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور اپنے پہچان کے بہت دنوں بعد میرے منجمد جسم میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ وہ قریب آئی تو میرا شک دور ہو گیا اور اس کا بھی کہ میں وہی ہوں۔ وہ ایک چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ راہ گیر یہ آواز سن کے اکٹھے ہو گئے۔ مجھ جیسے شخص کے لئے کسی حسین و جمیل سفید فام عورت کی یہ شیدائیت یقیناً ایک تماشا تھی۔ میں نے گردن جھکا لی۔ اس نے میرے بال پکڑ کے سر اوپر اٹھایا اور کرب سے چیختے ہوئے بولی۔ ''اوہ۔ یہ تمہی ہو۔ آخر میں نے تمہیں پا لیا۔ اے خدا تیرا شکر ہے۔''

میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حیرت سے میں نے اس کا اضطراب اور اشتیاق دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا رویہ اختیار کروں؟

''جمیل احمد خان! یہ میں ہوں تمہاری جین۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں چھ مہینے سے ہندوستان کے شہر شہر اور گلی گلی میں تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ اس نے راہ گیروں کی پرواہ کیے بغیر میرے بال سنوارنے شروع کر دیئے۔ ''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''تم...... تم......'' میں نے کہنا چاہا مگر آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

''ہاں۔ مجھے پہچانو۔ میں ہوں، میں جین...... تمہاری جین!''

''تم میرے لیے لندن سے آئی ہو؟'' میں نے نظریں جھکا کے پوچھا۔

''ہاں۔ کیا تمہیں یقین نہیں؟ کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم دوبارہ آؤ گے۔ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب میں تمہاری ہوں۔ میں نے بہت دن تمہارا انتظار کیا اور پھر خود چلی آئی۔'' وہ تیزی سے بول رہی تھی۔ شرما کے کہنے لگی۔ ''تم نے نقش ہی ایسا چھوڑا تھا کہ مٹائے نہ مٹ سکا۔ تمہارے جانے کے بعد لندن میں سکون نہیں ملا۔ صرف تم یاد آتے رہے اور پھر جب تمہارا کوئی خط نہیں آیا تو میری زندگی اجیرن ہو گئی۔''

''جین! قسمت میں یہی لکھا تھا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''جو لکھا تھا وہ پورا ہوا۔ اب تم یہاں سے اٹھو۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔'' وہ عزم سے میرا ہاتھ پکڑ کے بولی۔

''تم...... تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟'' میں نے شکست خوردگی سے کہا۔

''جب تمہیں اپنی زندگی سے کوئی سروکار نہیں تو دوسروں کے لیے زندہ رہو۔ میں تمہیں لندن لے چلوں گی، وہاں ہم نئی زندگی کی ابتدا کریں گے۔ بس یہی میری ایک خواہش ہے۔'' اس نے سرشوری کی۔

وہ مجھے ایک ہوٹل میں لے آئی۔ اس نے میرا لباس تبدیل کیا۔ میں گم صم بیٹھا رہا۔

پھر کئی دن میں نے ہوٹل میں گزارے۔ جین اور انکا مل کے مجھے رنگ اور روشنیاں دکھاتی رہیں۔ انکا یکسر بدل چکی تھی۔ اب اس کی خواہش تھی کہ میں جین کے ساتھ لندن چلا جاؤں۔ جین پر انکا کا وجود آشکار نہیں ہوا تھا۔ میری قوت فیصلہ بہت پہلے ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی انگلی اور اپنا ذہن جین کے پاس رکھ دیا تھا۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ وہ ان دنوں کیا کرتی رہی۔ وہ ہوٹل سے غائب ہوتی تو انکا میرا دل بہلاتی رہتی۔ جین اس طرح میری خاطر مدارت کر رہی تھی جیسے میں اس کا مہمان ہوں۔

اور پھر بہت جلد کوئی تین چار دن بعد جین نے مجھے جہاز کے عرشے پر لا کھڑا کیا۔ اس وقت میری حالت میں عجیب تلاطم برپا ہوا۔

ادھر میرے سر پر انکا کھڑی تھی۔ وہ شادمانی اور اداسی کی ملی جلی کیفیت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے بدقت تمام اپنے آپ کو سنبھالا اور بہت مشکل سے کہا۔ ''انکا! وداع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔''

''میں کہاں جاؤں گی۔ کیا تم اپنی انکا کو چھوڑ دو گے؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھے اپنے ساتھ نہیں لے چلو گے؟ میں تو تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔''

''تو پھر میں نئی زندگی شروع نہیں کر سکوں گا۔ میں تقسیم رہوں گا اور تمہارا وجود کسی وقت بھی میری زندگی میں پھر الجھنیں پیدا کر دے گا۔''

اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ وہ دیر تک میرا چہرہ دیکھتی رہی اور خلاؤں میں گھورتی رہی پھر بہت دل گیر لہجے میں اس نے ہامی بھر لی۔

انکا کا ساتھ چھوٹ گیا اور ہندوستان سے ہر رشتہ منقطع ہو گیا۔ میں نے جین کے لئے اپنا وجود بھلا دیا تھا۔ کوئی اور جمیل احمد خان پیدا ہو گیا تھا جس نے جین کے پُر تاثر آنسو پی لیے تھے۔

☆......☆......☆

ختم شد

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com